فتاویٰ

جزء اوّل

روزمرّہ زندگی کے 270 سے زائد

اہم مسائل پر اُردو زبان میں فتوے

سماحۃ الشیخ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

مكتبة دار السلام

فرع شارع الأمير عبد العزيز بن جلوي
الرياض – تلفون: ٤٠٣٣٩٦٢ فاكس: ٤٠٢١٦٥٩

الطبعة الأولى

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية

ابن باز ، عبدالعزيز بن عبدالله
الفتاوى / ترجمة مكتبة دار السلام.
... ص ؛ .. سم
ردمك ٩٩٦٠-٧٤٠-٣٦-٦
النص باللغة الاردية
١ – الفتاوى أ – مكتبة دار السلام (مترجم) ب – العنوان

ديوي ٢٥٩ ١٥/١٧٣٦

رقم الإيداع :١٥/١٧٣٦
ردمك : ٩٩٦٠-٧٤٠-٣٦-٦

١٤١٥هـ – ١٩٩٥م

روزمرہ زندگی کے ۲۷۰ سے زائد
اہم مسائل پر اُردو زبان میں فتوے

جزءِ اوّل

سماحۃ الشیخ /
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
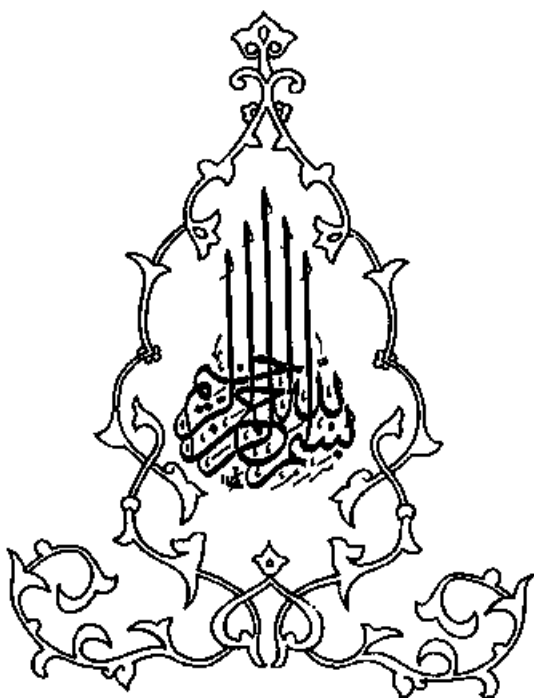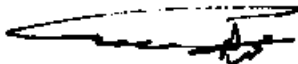
بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء
مكتب المفتي العام للمملكة

الرقـــم :
التاريخ : ١٤١٥/٧/١٧هـ
المشفوعات :
الموضوع :

الحمد لله وحده والصلاة والسلام علىمن لا نبي بعده وبعد:

فقد تشرفت بالإطلاع على الترجمة الأردية للجزء الأول لفتاوى سماحة والدنا وشيخنا العلامة عبد العزيز بن عبد الله بن باز حفظه الله، الذي نشرته موسسة الدعوة الصحفية بالرياض، فوجدتها ترجمة جيدة سعى فيها المترجم إلى حد بعيد أن تكون الترجمة مطابقة للنص العربي. وقد ألقيت عليها نظرةً بعد إعدادها للطباعة فوجدتها خالية من الأخطاء المطبعية. ولا يخفى على طلبة العلم وعلى كل من له عناية بالعلوم الشرعية ما لفتاوى سماحة شيخنا من الأهمية العلمية. فهنيئاً للناطقين باللغة الأردية وهنيئاً لمكتبة دارالسلام التي تبنّت فكرة نقل هذه الفتاوى إلى اللغات الحية في العالم. والله ولي التوفيق.

د. محمد لقمان السلفي

مدير إدارة الترجمة بمكتب سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز حفظه الله

عرض ناشر

شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کی عظیم المرتبت شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ مملکت سعودی عرب کے مفتی اعظم' دار الافتاء کے رئیس اور بے شمار اسلامی اداروں کے سربراہ ہیں۔ عصر حاضر میں شیخ ابن باز سے عالم اسلام کو جتنا فائدہ پہنچا ہے شاید ہی کسی اور عالم دین سے پہنچا ہو۔ پوری دنیا میں ان کے مقرر کردہ داعی' ان کے مبعوث علماء کرام' اور ان کے قائم کردہ مدارس و اسلامی مراکز کام کر رہے ہیں اور اسلام کی شمع کو دنیا بھر میں روشن کئے ہوئے ہیں۔

شیخ ابن باز کی زندگی پر جب انسان نظر ڈالتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ وہ حیات مستعار کی ۸۵ سے زائد بہاریں دیکھنے کے باوجود انتہائی مصروف کار ہیں اور ان کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے دین کو پھیلانے کے لئے وقف ہے۔ اسلام سے متعلق تقریبا تمام ہی موضوعات پر شیخ کی تصانیف موجود ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا :

"میں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ (خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے والد گرامی) کے دور سے لکھنا شروع کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک جو بھی لفظ لکھا یا لکھوایا' وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا" شاید یہی وجہ ہے کہ جتنی پذیرائی ان کی کتب کو حاصل ہوئی ہے' عصر حاضر میں کسی مولف کے حصے میں کم ہی آئی ہے۔

اپنے تمام علمی اور اداراتی مناصب کے ساتھ ساتھ انہوں نے بے شمار مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں فتوے دیے ہیں۔ ان فتووں میں انہوں نے ہمیشہ محدثین کے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے اور ہمیشہ پہلے دلیل قرآن پاک سے دی ہے اور پھر اس کے بعد احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے۔ ان کے فتوے مختلف کتابوں اور جرائد میں چھپتے رہے ہیں' حال ہی میں مجلہ "الدعوۃ" نے ان کے فتاویٰ کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور دارالسلام اپنے روایتی انداز میں ان فتووں کو اردو زبان میں شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ پاکستان کے مشہور عالم دین' محقق اور بہت ساری کتابوں کے مولف جناب مولانا عبدالرحمن کیلانی صاحب نے کیا ہے جب کہ ہمارے ادارے کے بہترین رفقاء کار جناب محمد ایوب' شکیل احمد السلفی اور حافظ عبدالمتین راشد صاحبان نے اس پر نظر ثانی کی۔ جناب شکیل احمد السلفی کی عمیق نگاہوں نے ہر چھوٹی بڑی کمی کی نشان دہی کی اور اسے دور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ان فتووں کے اردو ترجمے کو سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے مدیر مکتب ترجمہ جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب نے پڑھا' اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا اور قابل قدر اصلاح فرمائی۔ الحمد للہ اب تمام مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے اور اگر ترجمہ میں کوئی کمزوری رہ گئی ہے تو اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ از راہ کرم اس کے بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں' انشاء اللہ انتہائی شکریہ کے ساتھ اس کو آئندہ ایڈیشن میں دور کر دیا جائے گا۔

میں ایک دفعہ پھر دارالسلام کے ان تمام کارکنان کا مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت مسلمہ کے لئے فائدہ مند بنائے اور اس کے فاضل مؤلف' مترجم اور تمام کارکنان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ والسلام

خادم کتاب و سنت
عبدالمالک مجاہد
جنرل مینجر مکتبہ دارالسلام

فہرست فتاوی جز اول

عنوان	صفحہ نمبر

طہارت :

وضو

غسل

حیض و نفاس

نماز

اذان

تحیۃ المسجد

نماز باجماعت

امامت

نماز جمعہ

نماز عیدین

نماز سے متعلقہ احکام

سجود السہو

مکروہات نماز

مصارف زکوۃ

روزے

حج

مواقیت

عرفہ میں وقوف

احرام میں ممنوع باتیں

حج سے متعلقہ مسائل

زیارت کا حکم

حیض اور نفاس والی عورتوں کا حج

معاملات

سود

بنکوں سے ڈیلنگ

متفرق معاملات

وقف 'وصیت' میراث

وقف اور وصیت

میراث

نکاح

طلاق

پردہ

برا رہن سہن

خادموں سے سلوک

قسمیں اور نذریں

رضاعت

عام احکام

قرآن پڑھنا

اطاعت والدین

لباس

غنا اور موسیقی

حرام امور

شبہات کا ازالہ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

کے مختصر حالات زندگی

آپ کا پورا نام ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ آل باز ہے۔ آپ ریاض میں ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو پیدا ہوئے۔

حصول تعلیم اور آپ کے اساتذہ

آپ کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا جو آپ نے بالغ ہونے سے پیشتر ہی یاد کر لیا۔ پھر ریاض کے بہت سے علماء سے شرعی اور عربی علوم سیکھے۔ چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں :

۱۔ الشیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ۔

۲۔ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب قاضی "ریاض" رحمہم اللہ۔

۳۔ الشیخ سعد بن حمد بن عتیق قاضی "ریاض" رحمہما اللہ۔

۴۔ الشیخ حمد بن فارس "ریاض کے بیت المال کے وکیل" رحمہ اللہ۔

۵۔ الشیخ سعد وقاص البخاری رحمہ اللہ، جو مکہ کے علماء میں سے ہیں۔

۶۔ سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ "جو سعودی علاقوں کے مفتی رہے ہیں" رحمہما اللہ۔ آپ نے تقریباً دس سال از ۱۳۴۷ تا ۱۳۵۷ ہجری ان کے حلقہ درس کا التزام کیا جبکہ آپ قضا کے لیے تربیت حاصل کر رہے تھے۔

مناصب جن پر آپ فائز رہے

۱۔ آپ ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۷۱ھ تک چودہ سال منطقہ خرج میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے۔

۲۔ ۱۳۷۲ھ میں آپ نے ریاض کے المعھد العلمی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پھر ۱۳۷۳ھ سے ۱۳۸۰ھ تک ریاض کے کلیۃ الشریعۃ میں علوم فقہ اور توحید و سنت پڑھاتے رہے۔

۳۔ اس سے فوراً بعد ۱۳۸۱ھ میں جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے نائب رئیس مقرر ہوئے اور ۱۳۹۰ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔

۴۔ ۱۳۹۰ھ میں آپ کو اس جامعہ کا رئیس بنا دیا گیا اور ۱۳۹۵ھ تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔

۵ - ۱۳۹۵ھ میں فرمان شاہی صادر ہوا کہ آپ کو ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوت والارشاد کے رئیس العام کے منصب پر فائز کیا جائے اور یہ منصب وزیر کے رتبہ کے برابر ہے۔ آپ تاحال اسی منصب پر کام کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز موجودہ دور کی بہت سی علمی اور اسلامی مجالس کے ممبر بھی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

--- مملکت سعودی عرب میں کبار علماء کی انجمن کے آپ ممبر ہیں۔
--- اسی انجمن کے شعبہ بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی کے آپ رئیس ہیں۔
--- رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے آپ ممبر بھی ہیں اور رئیس بھی۔
--- مکہ مکرمہ میں مساجد کی اعلیٰ عالمی مجلس کے آپ رئیس ہیں۔
--- رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہی الاسلامی اکیڈمی کے آپ رئیس ہیں۔
--- جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ کے آپ ممبر ہیں۔
--- مملکت سعودی عرب کی دعوۃ الاسلامیہ کی اعلیٰ انجمن کے آپ ممبر ہیں۔

سماحۃ الشیخ کے دوسرے اسلامی مشاغل

سماحۃ الشیخ کئی دوسرے اسلامی کام سرانجام دیتے ہیں اور ہر جگہ کے مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرتے ہیں جیسے :

○ دنیا بھر میں مختلف مقامات پر جہاں کہیں تعلیمی اور دعوت الی اللہ کے ادارے اور مراکز قائم ہوتے ہیں ان سے آپ باخبر رہتے ہیں۔ نیز ان اداروں اور مراکز سے بھی جو فلسطین' افغانستان' فلپائن وغیرہ کے مسلمان مجاہدین کی امداد کے لیے قائم ہیں اور استطاعت رکھنے والے مسلمانوں کو ان لوگوں کی امداد کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

○ آپ توحید اور عقیدہ جیسے امور پر مستقل طور پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ جن کا سمجھنا اکثر مسلمانوں کے لیے پیچیدہ ہو گیا ہے اور جو شخص بھی آپ کے درس میں حاضر ہوتا یا آپ کے لیکچر اور گفتگو سنتا یا آپ کی تالیفات پڑھتا ہے' وہ یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

○ آپ قرآن عظیم کی تعلیم کی بالخصوص سرپرستی فرماتے ہیں اور اپنے بھائیوں اور شاگردوں کو' جو جماعات خیریہ کے رئیس اور ممبر ہیں' بھرپور کوششوں کے ساتھ قرآن کریم کو حفظ کرانے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو کام بھی ایسی جماعتوں کی تقویت اور انہیں قائم و دائم رکھنے میں مدد ثابت ہو اس میں آپ ان کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔

آپ کے اخلاق و فضائل

آپ کی نمایاں خوبیاں جو سب لوگوں کے سامنے ہیں' وہ آپ کی دلجمعی' وقار' فیاضی' نرمی' کرم اور زہد ہیں۔ آپ حق گوئی کے لیے بہت دلیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے سب محبت کرتے ہیں اور آپ جہاں کہیں بھی ہوں آپ کے علم و فضل سے استفادہ اور اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

آپ کی علمی خدمات :

آپ کے علمی کارنامے درج ذیل ہیں :

۱۔ الفَوائِد الجَلِية في المَباحِث الفرضِيّة.

۲۔ التحقِيق والإيضَاح لكثيرِ من مسائلِ الحجِّ والعُمرةِ والزيارةِ «توضيحُ المناسك». (حج' عمرہ اور زیارت کے بہت سے مسائل کی وضاحت اور تحقیق)

۳۔التحذيرُ منَ البِدَع اور یہ چار مفید مقالوں پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش منانے کا حکم . . . الخ

۴۔ زکوۃ اور صیام پر دو جامع اور مختصر رسالے۔

۵۔العقِيدَةُ الصَّحِيحَة وما يُضَادُّها (صحیح عقیدہ اور جو کچھ اس کے برعکس ہے)۔

۶۔ وجُوبُ العملِ بسنّة الرَّسولِ صلّى اللّه عليه وسلَّم وكُفر مَن أنكرها (سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا واجب ہونا اور جو اس کا انکار کرے' وہ کافر ہے)۔

۷۔الدَّعوةُ إلى اللّه وأخلاقُ الدُّعاة (دعوت الی اللہ اور داعیوں کے اخلاق) ۔

۸۔ وجُوب تحكيم شرعِ اللّه ونَبْذ ما خَالَفَه (اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور جو بات اس کے خلاف ہو در خور اعتناء نہ سمجھی جائے گی)۔

۹۔ حُكمُ السُّفور والحِجاب ونِكَاحُ الشِّغارِ (سفر' پردہ اور نکاح شغار کا حکم)

۱۰۔ نَقْد القَومِيّة العَرَبِيّة (عربی قومیت پر تنقید)

۱۱۔ الجَواب المُفِيد في حُكمِ التَّصوِير (تصویر کے متعلق مفید جواب)

۱۲۔ الشیخ محمد بن عبدالوہاب' آپ کی دعوت اور سیرت۔

۱۳۔ نماز سے متعلق تین رسائل (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت (۲) جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا وجوب (۳) جب نمازی رکوع سے اٹھے تو ہاتھ کہاں رکھے۔

۱۴۔ جو شخص قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں طعنہ زنی کرے اس کے متعلق اسلام

کا حکم۔

۱۵۔ فتح الباری پر کتاب الحج تک مفید حواشی۔

۱۶۔ سورج کے متحرک اور زمین کے ساکن ہونے اور ستاروں تک پہنچنے کے امکان پر نقلی اور عقلی دلائل۔

۱۷۔ إقامةُ البَرَاهِينَ على مَنِ استغَاثَ بغير اللّٰه أو صدَّق الكَهَنَةَ والعرَّافين (جو شخص اللہ کے بغیر کسی سے فریاد کرے یا جو کاہنوں اور نجومیوں کو سچا سمجھے اس (کے کفر) پر واضح دلائل)۔

۱۸۔ الجِهادُ في سبيلِ اللّٰه

۱۹۔ الدُّروس المُهِمَّة لعامَّةِ الأمَّة (امت کے عام لوگوں کے لئے اہم اسباق)

۲۰۔ فتَاوى تَتَعلَّقُ بِأحكَامِ الحَجِّ والعُمرةِ والزِّيَارة (حج، عمرہ اور زیارت کے احکام سے متعلق فتوے)

۲۱۔ وجُوب لزُومِ السُّنَّةِ والحذَرُ مِن البِدْعَة (سنت کو لازم رکھنے اور بدعت سے بچنے کا وجوب)

ہر وہ بات جس کے لوگ پیروکار ہوں اور اسے عبادت سمجھ کر سرانجام دیں، وہ دین ہی ہوتا ہے اگرچہ باطل ہو۔

سوال : مورخہ ۴ صفر ۱۴۰۳ھ کو بروز جمعہ شام کو ٹیلی ویژن پر عالم فطری سے متعلق ایک پروگرام نشر ہوا، جسے پیش کرنے والے ابراہیم الراشد تھے اور یہ پروگرام ہندوستان کے لوگوں سے متعلق تھا۔

اس نشریہ کی ابتداء میں ابراہیم الراشد نے کہا، ہندوستان کو جو ادیان کا ملک کہا جاتا ہے، تو یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ وہاں ہندومت، بدھ مت اور سکھ وغیرہ وغیرہ سب دین پائے جاتے ہیں۔ اب میں آپ سے وضاحت چاہتا ہوں کہ :

☆ آیا ایسے امور کو واقعی دین کا نام دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ پروگرام پیش کرنے والے نے ان امور کو ادیان کا نام دیا ہے؟

☆ آیا یہ دین بھی منزل من اللہ ہیں اور رسولوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ آپ کو درست مفہوم سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسماعیل ۔ع ۔ا الریاض

جواب : ہر وہ بات جس کے لوگ پیروکار ہوں اور انہیں دین سمجھ کر سرانجام دیں اس پر دین کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ باطل ہو۔ جیسے بدھ مت، اصنام پرستی، یہودیت، ہندومت اور عیسائیت وغیرہ باطل ادیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ الکافرون میں فرماتے ہیں :

﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴾

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔ (الکافرون : ۶)

گویا جن باتوں کو اصنام پرست اپنائے ہوئے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے دین کا نام دیا ہے۔ حالانکہ دین حق تو صرف اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾

دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔(آل عمران : ۱۹)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴾

اور اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہتا ہے تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔(آل عمران : ۸۵)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾

آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔(المائدہ : ۳)

اور اسلام ماسوائے اللہ کو چھوڑ کر صرف اسی کی عبادت 'اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی کے ترک اور اس کی قائم کردہ حدود تک رک جانے کو کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ جو کچھ پیدا ہوچکا یا ہونے والا ہے اور اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دی ہے اس پر ایمان لایا جائے اور ادیان باطلہ میں کچھ بھی منزل من اللہ نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی چیز اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ خود پیدا کردہ باتیں ہیں جو منزل من اللہ نہیں ہیں۔ جبکہ اسلام تمام رسولوں کا دین رہا ہے۔ اختلاف اگر ہوا ہے تو وہ صرف شریعتوں میں ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾

ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔(المائدہ : ۴۸)

ذبح اور نذر

ذبح لغیر اللہ شرک ہے

سوال : میرے خاندان میں اولیائے کرام کی قبروں پر بکری کے ذبح کرنے کو تقرب کا ذریعہ بنانے کا دستور چلا آرہا ہے . . . میں نے انہیں منع کیا لیکن ان میں عناد اور زیادہ بڑھ گیا . . . میں نے انہیں کہا کہ یہ تو اللہ سے شرک ہے۔ وہ کہنے لگے : " ہم اللہ کی عبادت کو اسی کا حق سمجھتے اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اولیاء اللہ کی زیارت کریں یا اپنی دعاؤں میں یوں کہیں کہ اپنے فلاں ولی کے طفیل ہمیں شفا عطا فرما' یا فلاں مصیبت کو دور کردے تو اس میں گناہ کی کونسی بات ہے . . . " میں نے انہیں کہا : "ہمارا دین واسطے کا دین نہیں"۔ تو وہ کہنے لگے "ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو"۔

ایسے لوگوں کے علاج سے متعلق آپ کونسا حل بہتر سمجھتے ہیں؟ ان کے مقابلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے اور میں اس بدعت کا کیسے مقابلہ کروں؟ شکریہ!

جواب : کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے قربانی سے تقرب حاصل کرنا' خواہ یہ قربانی اولیاء کے لیے ہو یا جنات کے لیے یا بتوں کے لیے ہو یا کسی بھی دوسری مخلوق کے لیے اللہ کے ساتھ شرک ہے اور ایسے اعمال جاہلیت کے اور مشرکین کے اعمال ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔ (الانعام : ۱۶۲)

اور نسک کا معنی قربانی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ غیر اللہ کی قربانی اللہ سے ایسے ہی شرک ہے جیسے غیر اللہ کی نماز شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾

(اے محمدؐ) ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرو اور قربانی دیا کرو۔ (الکوثر : ۱'۲)

اس سورہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ وہ اپنے پروردگار کے لیے نماز ادا کریں اور اسی کے لیے قربانی کریں۔ بخلاف مشرکین کے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرتے اور غیر اللہ کے لیے ہی ذبح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾

اور تمہارے پروردگار نے طے کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (الاسراء : ۲۳)

نیز فرمایا :

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾

اور انہیں حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔ (البینۃ : ۵)

اس مضمون کی آیات کثیر ہیں کہ قربانی عبادت ہی ہے۔ لہٰذا اس میں اللہ تعالیٰ اکیلے کے لیے اخلاص واجب ہے اور صحیح مسلم میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَعَنَ اللّٰهُ من ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»

جس نے غیر اللہ کے لیے قربانی کی اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

رہی قائل کی یہ بات کہ میں اللہ سے اس کے اولیاء کے حق یا ان کی منزلت کے ساتھ یا نبی کے حق یا نبی کی منزلت کے ساتھ سوال کرتا ہوں' تو یہ بات شرک تو نہیں تاہم یہ بات جمہور اہل علم کے نزدیک بدعت اور شرک کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ دعا عبادت ہے اور اس کی کیفیت تو تیفی امور سے تعلق رکھتی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں جو کسی بھی مخلوق کے حق یا منزلت سے توسل کے جواز یا اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا توسل اختراع کرے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشروع نہیں کیا :

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾

یا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ (الشوریٰ : ۲۱)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمرِنا هَذا ما لَيسَ منهُ فهُو رَدٌّ»

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں پہلے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم کی روایت جسے بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے اس کی تاکید کرتی ہے۔ وہ یوں ہے :

«مَنْ عمِل عملاً لَيسَ عليهِ أمرُنا فهُو رَدٌّ»

جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے امر (شریعت) میں موجود نہیں' وہ مردود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول رد کا معنی یہ ہے کہ وہ کام کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا اور قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے اسی کے پابند رہیں اور جو بدعات لوگوں نے پیدا کر رکھی ہیں ان سے بچیں۔ مشروع توسل صرف یہ ہے کہ اللہ کی ذات' اس کی صفات' اس کی توحید اور اعمال صالحہ سے توسل کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نیز اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اسی طرح کے نیکی اور بھلائی کے کاموں سے توسل کرنا چاہیے . . . اور عمل کرنے کی توفیق بخشنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تصاویر اور مجسّمے

گھر کی زینت کے لیے رکھے ہوئے مجسّموں کا کیا حکم ہے

سوال : ایسے مجسّموں کا کیا حکم ہے جو گھروں میں محض زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں جبکہ ان کی عبادت نہیں ہوتی؟

ص - ع - خ - سوڈانی

جواب : گھروں میں ' دفتروں میں ' مجالس میں تصاویر یا حنوط شدہ حیوانات آویزاں کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احادیث میں عمومیت ہے جو گھروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں اللہ سے شرک کا ذریعہ ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ کی مخلوق کی مشابہت اور اللہ کے دشمنوں کی نقالی ہے اور حنوط کردہ جانوروں کو آویزاں کرنے میں مال کے ضیاع کے علاوہ اللہ کی دشمنوں کی نقالی بھی ہے۔ جس سے جانوروں کی تصویر کشی کا دروازہ کھل جاتا ہے جبکہ شریعت اسلامیہ ایسے ذرائع کو مکمل طور پر بند کر دیتی ہے جو شرک یا گناہ کے کاموں کی طرف لے جاتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم میں ان کے زمانہ کے پانچ بزرگوں کی تصویر کشی کی وجہ سے ہی شرک رائج ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ان کے مجسّمے اپنی مجلسوں میں نصب کر رکھے تھے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب مبین میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ :

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ﴾

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود ' سواع ' یغوث ' یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ (نوح : ۲۳)

گویا ایسے لوگوں کے ان ناپسندیدہ کاموں سے بچنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ شرک میں جا پڑے تھے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

«لا تدعْ صورةً إلاَّ طَمستَها، ولا قبراً مُشرِفاً إلا سوَّيتَه»

جو بھی تصویر یا مجسمہ دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کر دو۔

مسلم نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أشدُّ النَّاس عذاباً يومَ القِيامةِ : المصوِّرون»

قیامت کے دن سب سے سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔

اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں . . . اور توفیق عطا

کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تصویریں آویزاں کرنے کا حکم

سوال : گھروں یا دوسری جگہوں میں تصویریں آویزاں کرنے کا کیا حکم ہے؟

عبداللہ۔ع۔الریاض

جواب : جب یہ تصویریں کسی انسان یا دوسرے کسی جاندار کی ہوں تو انہیں لٹکانا حرام ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

«لاتدَعْ صورةً إلاَّ طَمَسْتَها ولاقبراً مُشْرِفاً إلاَّ سوَّيْتَه»

جو بھی مجسمہ دیکھو اسے مٹادو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کردو۔

مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث بھی موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحن کے سامنے ایک پردہ لٹکایا۔ جس میں تصاویر تھیں۔ جب انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو کھینچ کر پردہ پھاڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا : اے عائشہ!

«إنَّ أَصحَابَ هذه الصُّوَرِ يُعذَّبون يومَ القِيامَةِ، ويُقالُ لَهُم أَحْيُوا مَا خَلَقْتُم»

ان مصوروں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا تھا اب اس میں جان بھی ڈالو۔

اس حدیث کو مسلم اور اس کے علاوہ دوسروں نے بھی نکالا ہے۔

لیکن جب ان تصویروں کو بگاڑ ڈالا جائے یا آرام کرنے کے لیے تکیہ بنالیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک موقع پر جبریل علیہ السلام کے آنے کا وعدہ تھا۔ جب جبریل علیہ السلام آئے تو اندر داخل ہونے سے رک گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس گھر میں مجسمہ، تصویروں والا پردہ اور کتا ہے۔ آپ گھر والوں کو حکم دیجئے کہ مجسمہ کا سر کاٹ دیں اور پردہ کے دو تکیے بنالیں تا کہ تصویریں روندی جاسکیں اور کتے کو نکال دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، تب جبریل علیہ السلام داخل ہوئے۔

اس حدیث کو نسائی نے اسناد جید سے نکالا ہے۔ مذکور حدیث میں جس کتے کا ذکر ہے وہ حسن اور حسین کا پلا تھا جو گھر کے سامان کے نیچے تھا، نیز یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لاتَدْخُلُ المَلائِكَةُ بيتاً فيه صُورةٌ ولاكَلْبٌ»

جس گھر میں کوئی تصویر یا کتا ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور جبریل علیہ السلام کا قصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بستر وغیرہ میں تصویر کا

ہونا فرشتوں کو داخل ہونے سے نہیں روکتا۔ یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی درست ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے مذکورہ پردہ کا تکیہ بنالیا تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے۔

منتر اور تعویذات

ان احادیث میں تطبیق کی کیا صورت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ "منتر' تعویذ اور گنڈا شرک ہے" اور دوسری یہ کہ "تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو ان چیزوں سے فائدہ پہنچا سکتا ہے' وہ ایسا کرلے"

سوال : عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ :

«إِنَّ الرُّقى والتَّمَائِمَ والتَّوَلَةَ شِرْكٌ»

جنتر منتر' تعویذ اور گنڈا شرک ہے۔

اور جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ماموں تھا جو بچھو کے کاٹے کے لیے جھاڑ پھونک کیا کرتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا تو وہ آپ' کے پاس آیا اور کہنے لگا : "اے اللہ کے رسول! آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے جبکہ میں بچھو کے کاٹے کا جھاڑ پھونک (دم) کرتا ہوں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اگر کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے' تو اسے وہ کام کرنا چاہیے"۔

جھاڑ پھونک کے بارے میں ایک حدیث ممانعت کی ہے' دوسری جواز کی۔ ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ نیز اگر کوئی بیمار شخص اپنے سینے پر قرآن کی آیات والا تعویذ لٹکائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

عبدالرحمٰن۔ س۔ف۔ الریاض

جواب : جس جھاڑ پھونک سے منع کیا گیا ہے وہ' وہ ہے جس میں شرک ہو یا غیر اللہ سے توسل ہو' یا اس کے الفاظ مجہول ہوں جن کی سمجھ نہ آسکے۔

رہا کسی ڈسے ہوئے آدمی کو دم جھاڑ کرنے کا مسئلہ تو یہ جائز ہے اور شفاء کا بڑا ذریعہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لا بأسَ بالرُّقى مَا لَمْ تكُنْ شركاً»

جس دم جھاڑ میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«من استطاعَ أَنْ يَنفعَ أخاه فلْيَنْفعْهُ»

جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے وہ کام کرنا چاہیے۔

ان دونوں احادیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لا رُقْيةَ إلا مِن عينٍ أو حُمَةٍ»

دم جھاڑ نظر بد اور بخار کے لیے ہی ہوتا ہے۔

جس کا معنی یہ ہے کہ ان دو باتوں میں ہی دم جھاڑ بہتر اور شفابخش ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دم جھاڑ کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔

رہا دم جھاڑ یا تعویذ کو مریضوں اور بچوں کے گلے میں لٹکانا تو یہ جائز نہیں۔ ایسے لٹکائے ہوئے تعویذ کو تمائم بھی کہتے ہیں اور حروز اور جوامع بھی۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ تعلَّق تَميمةً فلاَ أَتمَّ اللّهُ لَه، ومَنْ تعلَّق وَدعةً فَلاَ وَدَعَ اللّهُ له.»

جس شخص نے تعویذ لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کا بچاؤ نہیں کرے گا اور جس نے گھونگا باندھا وہ اللہ کی حفاظت میں نہ رہا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ تعلَّق تَميمةً فقدْ أشرَكَ»

جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إنَّ الرُّقى وَالتَّمائِمَ والتِّوَلةَ شِرْكٌ»

دم جھاڑ، تعویذ اور گنڈا شرک ہے۔

ایسے تعویذ جن میں قرآنی آیات یا مباح دعائیں ہوں ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ حرام ہیں یا نہیں؟ اور راہ صواب یہی ہے کہ وہ دو وجوہ کی بنا پر حرام ہیں۔

ایک وجہ تو مذکورہ احادیث کی عمومیت ہے کیونکہ یہ احادیث قرآنی اور غیر قرآنی ہر طرح کے تعویذوں کے لیے عام ہیں۔

اور دوسری وجہ شرک کا سدباب ہے۔ کیونکہ جب قرآنی تعویذوں کو مباح قرار دے دیا جائے تو ان میں دوسرے بھی شامل ہو کر معاملہ کو مشتبہ بنا دیں گے اور ان سے شرک کا دروازہ کھل جائے گا۔ جبکہ یہ بات

معلوم ہے کہ جو ذرائع شرک یا معاصی تک پہنچانے والے ہوں ان کا سدباب شریعت کے بڑے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور توفیق تو اللہ ہی سے ہے۔

میں عامل حکیم کے پاس علاج کے لیے گیا۔ وہ کہنے لگا۔ "اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو! پھر کل میرے پاس آنا" کیا اس سے علاج کرانا جائز ہے؟

سوال : کچھ ایسے لوگ ہیں جو بقول ان کے شعبدہ بازی کے طبی طریقہ سے علاج کرتے ہیں۔ جب میں کسی کے ہاں جاؤں تو وہ مجھے کہتا ہے کہ اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو۔ پھر کل ہمارے پاس آنا اور جب کوئی دوبارہ ان کے ہاں جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تجھے فلاں فلاں مصیبت آئی ہے اور اس کا علاج یہ اور یہ ہے . . . ان میں سے کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ میں کلام اللہ سے علاج کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ان کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب : جو شخص اپنے علاج میں ایسا طریقہ استعمال کرے تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ جنات سے خدمت لیتا ہے اور غیب کی چیزوں کے علم کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص سے نہ علاج کرانا جائز ہے نہ اس کے ہاں جانا اور نہ اس سے کچھ پوچھنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس جنس کے متعلق فرمایا ہے کہ :

«مَنْ أَتَى عرَّافاً فسَألَه عَن شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَه صَلاةُ أَربَعِينَ لَيلَة»

جو شخص کسی غیب کی خبریں بتانے والے کے ہاں گیا اور اس سے کچھ پوچھا تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہ ہوگی۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

نیز متعدد احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کاہن، عراف اور جادوگر کے ہاں جانے، ان سے کچھ پوچھنے اور ان کی تصدیق کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أَتَى كاهِناً فصدَّقه بما يقُول؛ فقدْ كَفَرَ بِمَا أُنزِل على محمَّد صلّى اللّه عليه وسلَّمَ.»

جو شخص کسی کاہن کے ہاں گیا اور اس کی بات کو سچ سمجھا تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے۔

نیز ہر وہ شخص جو علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، خواہ یہ کنکریاں مارنے سے ہو یا نشانہ بنانے سے یا زمین پر خط کھینچنے سے یا مریض سے اس کا، اس کی ماں یا اس کے اقارب کا نام پوچھنے سے ہو۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلیل ہیں کہ یہ ایسے لوگ یا عراف ہیں یا کاہن، جن سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

لہذا ایسے لوگوں سے' ان سے کچھ پوچھنے اور ان کے ہاں علاج کرانے سے پرہیز لازم ہے۔ خواہ وہ یہ کہتے ہوں کہ قرآن سے علاج کرتے ہیں کیونکہ حق و باطل کی آمیزش اور فریب دہی اہل باطل کا شیوہ ہوتا ہے۔ لہذا جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے سچ سمجھنا درست نہیں اور جو شخص ایسے لوگوں میں سے کسی کو جانتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس کا معاملہ افسران متعلقہ اور مراکز شرعیہ تک پہنچائے جو ہر شہر میں موجود ہوتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کا اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے تاآنکہ مسلمان ان کے شر و فساد سے محفوظ رہ سکیں اور اس بات سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔

اور اللہ ہی مددگار ہے جس کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی سرانجام دینے کی طاقت ہے۔

قبروں پر تعمیر

میں نے اپنے ہاں بعض قبروں پر سیمنٹ کی تختیاں لگی دیکھی ہیں جن پر مرنے والے کا نام اور بعض دعائیں لکھی ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : میں نے اپنے ہاں بعض قبروں پر سیمنٹ کی تختیاں ہی دیکھی ہیں جو تقریباً ایک میٹر لمبی اور آدھا میٹر چوڑی ہوتی ہیں ان پر مرنے والے کا نام' تاریخ وفات اور بعض دعائیہ جملے مثلاً "اے اللہ فلاں بن فلاں پر رحم فرما" وغیرہ لکھے ہوتے ہیں۔ ایسے کام کے متعلق کیا حکم ہے؟

علی - ع - ا - القصیم

جواب : قبروں پر تختیاں یا کوئی بھی دوسری تعمیر جائز نہیں' نہ ہی ان پر کتابت جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبروں پر تعمیر اور ان پر کتابت کی ممانعت ثابت ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں : «نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عليه وسلَّم أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وأَنْ يُقْعَدَ عليه، وأَنْ يُبْنَى عليه»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پلستر کرنے' ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی اسناد صحیحہ سے تخریج کرتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے(و ان یکتب علیه)(اور قبروں پر کچھ لکھا بھی نہ جائے) اور اس لیے بھی کہ یہ غلو کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لہذا اس کی ممانعت ضروری تھی اور اس لیے بھی کہ کتابت بسا اوقات غلو کے معنز انجام تک لے جاتی ہے اور یہ غلو ممنوعات شرعیہ سے ہے۔ قبر پر مٹی صرف اس لیے ڈالی جاتی ہے اور اسے تقریباً ایک بالشت اونچا رکھا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہوسکے کہ یہ قبر ہے۔ قبروں کے متعلق یہی وہ سنت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے۔ قبروں پر نہ مساجد بنانا جائز ہے' نہ انہیں غلاف پہنانا اور نہ ان پر گنبد بنانا جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصارَى اتَّخَذُوا قُبورَ أَنبيائِهِم مَساجِدَ»

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اور مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ کہتے سنا ہے کہ :

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلاً كَما اتَّخَذَ إِبراهِيمَ خَلِيلاً، وَلَو كُنتُ مُتَّخِذاً مِن أُمَّتِي خَلِيلاً لَاتَّخَذْتُ أَبا بَكرٍ خَلِيلا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كانَ قَبْلَكُم كانُوا يَتَّخِذُونَ قُبورَ أَنبيائِهِم وَصالِحِيهِم مَساجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبورَ مَساجِدَ، فَإِنِّي أَنهاكُم عَنْ ذٰلِكَ.»

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے دوست بنایا ہے جیسے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو دوست بناتا۔ خوب سن لو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور اپنے بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔ خوب سن لو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔

اور اس مضمون کی احادیث بہت ہیں۔

قبروں پر کتابت کا حکم

سوال : کیا میت کی قبر پر لوہے کی تختی یا بورڈ لگانا جائز ہے جس پر میت کے نام کی طرف منسوب آیات قرآنیہ اور اس کی تاریخ وفات وغیرہ لکھی ہوئی ہو؟

ابراہیم۔م۔ ضرماء

جواب : میت کی قبر پر نہ آیات قرآنیہ لکھنا جائز ہے اور نہ ہی کچھ اور بات۔ خواہ یہ چیزیں لوہے کی تختی پر لکھی ہوں یا کسی اور چیز پر۔ کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ :

«نَهَى أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقعَدَ عليه، وَأَنْ يُبْنَى عليه»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پلستر کرنے اور ان پر بیٹھنے سے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا اور ترمذی اور نسائی نے اسناد صحیح سے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان پر لکھا بھی نہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسجد میں داخل کرنے کی حکمت

سوال : یہ تو معلوم ہے کہ مساجد میں مردے دفن کرنا جائز نہیں اور جس مسجد میں قبر ہو' وہاں نماز جائز نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟

حسین۔ا۔ع۔الریاض

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا"۔ اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا اور اس کنیسہ میں تصاویر تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أُولـئـكَ إِذَا مَاتَ فِيهِم الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوا على قبره مسجداً، وصوَّرُوا فيه تِلْكَ الصُّوَر، أُوْلـئِـك: شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللّهِ»(متَّفَقٌ علَيه)

ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں بزرگوں کی تصویریں بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔

اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں جندب بن عبداللہ بجلی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : "بیشک اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ خوب سن لو! کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ خوب سن لو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں"۔

مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے' ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ احادیث صحیحہ اور دوسری جو اس معنی میں وارد ہیں سب کی سب قبروں پر مسجدیں بنانے اور ان پر گنبد بنانے اور انہیں پختہ کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں شرک اور اللہ کو چھوڑ کر قبر کے باسیوں کی عبادت کا سبب بنتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں ایسی باتوں سے بچیں' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ورنہ وہ لوگوں کی اکثریت کے فعل سے دھوکہ میں پڑ جائیں گے۔ کیونکہ حق مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں اسے پاتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے اور حق کتاب و سنت کی دلیل سے ہی پہچانا

جاسکتا ہے۔ لوگوں کی آراء واعمال سے نہیں پہچانا جاسکتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی مسجد میں دفن نہیں ہوئے تھے وہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیے گئے تھے۔ لیکن جب ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں مسجد نبوی کو پہلی صدی کے آخر میں وسیع کیا گیا تو حجرہ کو مسجد میں داخل کردیا گیا اور ولید کا یہ عمل مسجد میں دفن کے حکم میں معتبر نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو مسجد کی زمین کی طرف منتقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ حجرہ ہی کو مسجد کی توسیع کی خاطر مسجد میں داخل کردیا گیا۔ لہٰذا یہ بات کسی کے لیے قبروں پر تعمیر یا ان پر مسجدیں بنانے یا مسجد میں دفن کرنے کے جواز پر حجت نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ ابھی میں نے ان احادیث صحیحہ کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ان باتوں کی ممانعت ہے اور رسول اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنت کے خلاف ولید کا عمل حجت نہیں بن سکتا . . . اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ میں دین اسلام سے بیزار ہوتا ہوں۔ میں لازماً تجھ پر شادی کروں گا۔ پھر میں شادی سے باز رہا۔ تو اب اس کا کفارہ کیا ہے؟

سوال : میرے اور میری بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہوگیا۔ ان باہمی جھگڑوں کے سبب میں شدت غضب کی حالت میں تھا اور جھگڑے کا سبب اس کے ہاں اولاد کا نہ ہونا تھا۔ میں نے بقائمی ہوش وحواس اس سے کہا : میں لازماً تجھ پر اور شادی کروں گا ورنہ میں دین اسلام سے بیزار ہوا۔ بعد میں ہمارے تعلقات خوشگوار ہوگئے اور وہ حاملہ ہوگئی اور میں شادی سے باز رہا تو اب ہمارے حلف کا کیا کفارہ ہے؟

تحسین۔ ع۔ ز

جواب : یہ نامعقول بات ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائے یا ایسے الفاظ زبان سے نکالے۔ اسے ایسی باتوں سے اللہ سبحانہ کے حضور توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور سچی توبہ اس سے پہلے کے گناہوں کو ختم کردیتی ہے اور اس پر کچھ کفارہ نہیں۔

بعض لوگ بلا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنی اولاد کی قسم اٹھالیتے ہیں کیا ان کا اس بات پر مواخذہ ہوگا؟

سوال : بعض لوگ بلا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنی اولاد کی قسم اٹھالیتے ہیں' ان کی زبانیں ہی اس بات کی عادی ہوچکی ہوتی ہیں۔ تو کیا اس بات پر ان کا مواخذہ ہوگا؟

ص۔ ع۔ خ۔ سوڈانی

جواب : کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی بھی دوسری مخلوق کی قسم

کھائے' بلکہ یہ بات محرمات شرکیہ میں سے ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ كَا نَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰه، أَوْ لِيَصْمُتْ»

اگر کسی کو قسم کھانا ہی ہو تو اللہ کی کھائے یا پھر خاموش رہے۔

اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ حَلَفَ بغيرِ اللّٰهِ فقدْ كفرَ أَوْ أَشْرَكَ»

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

اس حدیث کی ابوداود اور ترمذی نے اسناد صحیح سے تخریج کی ہے۔ نیز اس بارے میں اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات پر اہل علم کا اجماع بیان کیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ لہٰذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرے اور سابقہ باتوں اور تمام گناہوں سے اللہ کے حضور توبہ کرے اور راہ حق پر ڈٹا رہے اور ان باتوں میں رغبت رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں اس کے لیے خیر اور بہت بڑا اجر ہے اور اس کے غضب اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے حق کی محافظت کرے۔۔ اور توفیق تو اللہ ہی سے ہے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ حلقہ باندھے اور اپنی کمروں پر رومال باندھے استغفار کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

سوال : ہمارے ہاں ایک رواج یہ ہو چلا ہے کہ بعض لوگ حلقہ بنا لیتے ہیں اور وسط میں سفید رومال رکھ لیتے ہیں۔ پھر وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے' استغفار کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : یہ رواج بدعت ہے جسے نہ مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اور نہ سلف صالحین نے کیا اور نہ اس کا حکم دیا نہ ہی اسے برقرار رکھا۔ لہٰذا یہ بدعت ہوئی۔ جسے چھوڑنا ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ أَحدثَ فِي أَمرِنا هذَا مَا ليسَ مِنْهُ فهُو رَدٌّ»

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو پہلے اس میں نہ تھی' وہ مردود ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں فرمایا :

امابعد! بہتر حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہتر راہ ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے برے کام وہ ہیں جو نئے بنالیے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور پہلی حدیث کو شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایک ایسا واقعہ ہوا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ سو بار سبحان اللہ کہو ... سو بار لا الہ الا اللہ کہو ...... وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ نے ان پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا : شاید تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت سے زیادہ ہدایت یافتہ ملت ہو۔ یا پھر گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ وہ کہنے لگے : اے ابو عبدالرحمٰن! ہمارا اس سے بھلائی کے علاوہ کچھ اور ارادہ نہیں تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن وہ انہیں ملتی نہیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسے سائل اور دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ یہ اور اس سے ملتے جلتے اعمال دین میں نئی نئی بدعات ہیں۔ مسلم کے لیے مشروع یہی بات ہے کہ وہ خود ہی سبحان اللہ' الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ کہے اور اللہ کی ثنا بیان کرے جسے وہ اپنے گھر میں اور مسجد میں بلند آواز سے اور دل میں جیسے بھی چاہے کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نہ حلقے بنائے اور نہ کوئی دوسری کیفیت' جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی بات کی توفیق دے جس میں اس کی رضا ہے اور شریعت مطہرہ کی موافقت عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہی بہتر ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے۔

اللہ سے ڈرو جس حد تک ممکن ہو

سوال : ہم چند دوست اس غرض سے اکٹھے ہوئے کہ دینی اور دنیاوی امور سے متعلق بحث مباحثہ کریں۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال پیش کیا تھا کہ :

آیا ایک مسلمان ۱۰۰ فی صد ایک مسلمان کی سی زندگی گزار سکتا ہے اور اس پر قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس معاملہ میں ایجابی اور سلبی قسم کے اجتماعی دباؤ بھی موجود ہیں۔ یعنی اگر ایک مسلمان ہر اس چیز سے بچنا چاہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے اور ہر اس چیز سے فائدہ اٹھانا چاہے جسے اس نے حلال کیا ہے۔ یہی صورت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ وہ اس چیز پر عمل کرے جو مباح ہے اور منع کردہ اشیاء سے آیا وہ بچ سکتا ہے؟

اس سوال کے مختلف جواب تھے۔ اگرچہ ہر جواب اچھا تھا تاہم جوابات میں اختلاف حالات کے اختلاف سے متعلق تھا۔ ایک فریق یہ کہتا تھا کہ آدمی اس بات پر قادر ہے کہ وہ سو فی صد مسلمان کی سی زندگی گزار سکے۔ جبکہ دوسرا فریق اس بات کی موافقت نہیں کررہا تھا۔ دوسرا فریق جو سو فیصد مسلمانوں کی سی زندگی

گزارنے کی موافقت نہیں کر رہا تھا' اس کی توجیہ یہ تھی کہ معاشرتی دباؤ کئی قسم کے ہیں۔ جن میں سے ہو سکتا ہے کہ بہت سی باتیں نادرست ہوں تاہم معاشرہ انہیں اپنائے ہوئے ہے۔ اس فریق نے اس کی مثال فٹ بال کے کھیل سے دی۔ جس کی حکومت حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ اس کے بجائے اگر نوجوانوں کو گھڑ سواری' تیراکی اور تیر اندازی وغیرہ کی ٹریننگ دی جائے تو یہ نوجوانوں کے لیے فٹ بال سے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

دوسری مثال تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی ہے' تیسری مثال انسان کی غذا سے متعلق ہے جو حکومت بیرونی ممالک سے مختلف قسم کے گوشت درآمد کرتی ہے۔ چوتھی مثال بنکوں کے فوائد ہیں۔ چنانچہ اور بھی کئی مثالیں پیش کی گئیں۔ جب یہ مباحثہ طول پکڑا اور ہم نے بعض نقاط پر اتفاق کیا اور بعض میں اختلاف کیا تو ہم نے مناسب سمجھا کہ اپنا سوال آپ کو بھیج دیں۔ یہ توقع رکھتے ہوئے کہ شائد آپ کے ہاں سے شافی جواب مل سکے۔

احمد - ع - الریاض

جواب : مسلم غیر معصوم ہے اور ہر انسان خطا کار ہے۔ ان خطا کاروں میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں' جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے لیکن اس بات کا امکان موجود ہے کہ ایک مسلمان اسلامی معاشرہ میں اپنی طاقت کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے دین کی محافظت کر سکے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ١٦)

اب اگر اس سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو جو اس نے دانستہ نہ کی ہو' یا اس کے اپنے اختیار کے مطابق اس کا گمان ہو کہ وہ جائز ہے اور اس کے پاس پوری معلومات نہ ہوں' یا اس نے کسی عالم سے پوچھا ہو اور اس نے ایسا فتویٰ دیا ہو جبکہ اس کا فتویٰ شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہو تو ان باتوں سے اس کے دین میں کوئی عیب واقع نہ ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ مسلم پر واجب ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اللہ سے ڈرتا رہے۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں انہیں حرام سمجھے اور جو باتیں اللہ نے فرض کی ہیں ان میں اجتہاد کرے پھر اگر کہیں لغزش واقع ہو جائے تو سچی توبہ کرنے میں جلدی کرنا اس پر واجب ہے۔

ایک نوجوان ارکان اسلام بجالائے لیکن بعض معاصی کا ارتکاب بھی کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : ایک نوجوان پانچوں ارکان اسلام بجالاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتلائے ہیں لیکن بعض گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ یعنی واجبات اور منہیات اکٹھے کر لیتا ہے تو اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے کیا حکم ہے؟

سارى - ع - القصیم

جواب : جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا' توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ لہٰذا ہر کافر اور گنہ گار کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے حضور سچی توبہ کرے اور وہ یہ ہے کہ گزشتہ کفر یا گناہوں پر نادم ہو' اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اسے بزرگ و برتر سمجھتے ہوئے وہ کام یکسر چھوڑ دے اور آئندہ وہ کام نہ کرنے کا پختہ عزم کر لے۔ جب بندہ ایسی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ برائیاں مٹا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اور اے مومنو! تم سب اللہ کے ہاں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

نیز فرمایا :

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴾

اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھی راہ پر چلے' اس کو میں بخشش دینے والا ہوں۔ (طٰہٰ : ۸۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«الإِسْلَامُ يَهْدِمُ ما كان قبلَه، والتَّوبةُ تَهدِمُ ما كان قبلَها»

اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اور مسلم کے حق میں توبہ مکمل یوں ہو گی کہ جس کی کوئی چیز غصب کی ہو اسے واپس کرے۔ یا اسے اس کا کفارہ ادا کرے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ كان عنده لأخيه مَظْلَمَةٌ فَلْيتحلَّلْه اليَوم؛ قبلَ ألاَّ يكونَ دينارٌ و لا درهمٌ. إنْ كان له عملٌ صالحٌ أخذَ منْ حسَناتِه بقدْرِ مَظلَمَتِه، فإنْ لَمْ يكنْ له حَسَناتٌ أخذَ مِنْ سيِّئاتِ صاحِبه فحُمِلَ عَلَيْه.»

جس شخص کے پاس اپنے بھائی کی کوئی غصب کردہ چیز ہو وہ اس دن سے پہلے اس کا کفارہ ادا کر دے جس دن نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم۔ اگر اس کے اعمال صالح ہوں گے تو اس کے مظالم جتنی نیکیاں لے کر حقدار کو دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حقدار کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔

اسے بخاری نے روایت کیا اور اس معنی کی آیات و احادیث بہت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قول وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم : ۷۱) میں ورود سے کیا مقصود ہے؟

سوال : میں نے سورہ مریم کی آیات نمبر ۷۱-۷۲ پڑھیں جو یوں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم :

﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾

اور تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ بات تمہارے پروردگار پر لازم اور طے شدہ ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (مریم : ۷۱-۷۲)

میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کریمہ اور بالخصوص ورود کے معنی سمجھوں۔ میں نے ابن رجب حنبلی کی کتاب میں پڑھا' وہ کہتا ہے کہ ائمہ نے ورود کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ تو کیا ورود کا معنی دوزخ میں داخل ہونا ہے۔ یعنی مومن اور کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوزخ سے نجات دے گا۔ یا اس لفظ سے مقصود محض اس صراط (راستہ) (پل) پر چلنا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح ہو گا۔ پھر پہلا گروہ تو بجلی کی طرح (برق رفتاری سے) اس پر سے گزر جائے گا' دوسرا ہوا کی رفتار سے' تیسرا تیز رفتار گھوڑے اور چوتھا تیز رفتار اونٹ اور جانوروں کی رفتار سے گزر رہے ہوں گے اور فرشتے کہہ رہے ہوں گے۔ اے پروردگار! انہیں سلامت رکھ' انہیں سلامت رکھ۔

حنان - ا - المنطقہ الوسطی

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ورود سے مراد صراط (پل) کے اوپر سے گزرنا ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے پناہ میں رکھے۔ لوگ اس پر سے اپنے اعمال کی مناسبت سے گزریں گے جیسا کہ ان احادیث میں مذکور ہے۔

قیامت کا قائم ہونا

سوال : ہم اکثر سنتے ہیں کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی جب تمام روئے زمین پر اسلام عام ہو جائے گا۔ دوسری طرف ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ جب تک زمین میں لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک شخص بھی موجود ہو گا قیامت قائم نہ ہو گی۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے کریں۔

حسین - ا - ع - الریاض

جواب : یہ دونوں قول صحیح ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اور وہ یہ

ہیں :

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام نازل نہ ہوں گے۔ وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ مال عام ہو جائے گا اور جزیہ کو ساقط کردیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہ کیا جائے گا' یا پھر تلوار ہوگی۔ آپ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ادیان کو ختم کردے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہ کے لیے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر اسلام کی حکمرانی ہوگی اور اس کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیث وارد ہیں کہ قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی موت کے بعد اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے جس سے ہر مومن مرد اور عورت کی روح قبض کرلی جائے گی۔ اس طرح باقی بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

ایک شخص کو نفسیاتی مرض لاحق ہوگیا۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ مرض اسے دین پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ جو لوگ ایسی بات کہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

سوال : ہمارے شہر میں ایک شخص دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہے۔ اسے کوئی نفسیاتی مرض لگ گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ مرض اسے دین کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ لوگوں کی باتوں میں آکر اس نے داڑھی مونڈلی اور نماز کی وہ محافظت بھی چھوڑ دی جو پہلے کرتا تھا . . . کیا یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مرض اسے دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور ان کا پابند رہنے کی وجہ سے لاحق ہوا تھا؟ اور جو شخص ایسی بات کہتا ہے کیا اسے کافر کہا جاسکتا ہے؟

ع-ن-ح- شقراء

جواب : دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا مرض کا سبب نہیں بلکہ یہ تو ہر دنیوی اور اخروی بھلائی کا سبب ہے۔ مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب نادان لوگ ایسی باتیں کہیں تو وہ ان کے پیچھے لگ جائے۔ نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی داڑھی منڈوا دے یا چھوٹی کرلے اور نہ یہ کہ وہ نماز باجماعت سے پیچھے رہے بلکہ اس پر یہ واجب ہے کہ وہ حق پر ڈٹ جائے اور جن باتوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرے اور اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈر کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اللہ اسے بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔ (النساء : ۱۳-۱۴)

نیز اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لیے (مخلصی کی) راہ پیدا کردے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ (الطلاق : ۲)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴾

اور جو اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کردے گا۔ (الطلاق : ۴)

اور اس معنی کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

رہی قائل کی بات جو یہ کہتا ہے کہ مرض تمسک بالدین کی وجہ سے لاحق ہوا ہے تو وہ جاہل ہے۔ جس پر گرفت کرنا ضروری ہے اور یہ خوب جان لینا چاہیے کہ تمسک بالدین صرف بھلائی ہی لاتا ہے اور اگر مسلمان کو کوئی ناگوار بات پہنچتی ہے تو وہ اس کی برائیوں کا کفارہ ہے اور اس کی خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

رہا اس کی تکفیر کا مسئلہ تو یہ تفصیل طلب بات ہے جو فقہ اسلامی کی کتابوں کے باب حکم المرتد میں دیکھی جاسکتی ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وضو

بعض نمازی وضو کرتے وقت بلا کسی وجہ مثلاً ٹھنڈک وغیرہ کے جرابوں پر مسح کرلیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں اکثر دیکھتا ہوں کہ بعض نمازی گرمیوں کے موسم میں بھی وضو کرتے وقت جرابوں پر مسح کرلیتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے مستفید فرمائیں گے کہ ان دونوں میں سے کونسا افضل ہے۔ ایک وہ مقیم جو وضو میں دونوں پاؤں دھولیتا ہے اور دوسرا وہ جو جرابوں پر مسح کرتا ہے۔ جو لوگ مسح کرتے ہیں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا۔ بس وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کی رخصت ہے؟

سائل۔ ح

جواب : موزوں اور جرابوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرنے والی حدیثوں کی عمومیت گرمی اور سردی دونوں موسموں میں مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور مجھے کوئی ایسی شرعی دلیل معلوم نہیں جو صرف سردیوں کے موسم کی تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔ ہاں جرابوں وغیرہ پر صرف شرعاً معتبر شروط کے تحت ہی مسح کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ جراب محل فرض (وضو) کی ساتر ہو۔ (یعنی اتنی باریک نہ ہو کہ پاؤں نظر آرہا ہو) اور طہارت کے بعد پہنی جائے اور مدت کا لحاظ رکھا جائے' جو مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات ہے اور مدت کا شمار علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق حدث کے وقت سے شروع کیا جائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میں نے بلا وضو جرابیں پہن لیں اور بھول کر ان پر مسح کرتا اور نماز ادا کرتا رہا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں نے فجر کی نماز کے لیے وضو کیا اور نماز پڑھی اور جرابیں پہننا بھول گیا اور نماز کے بعد سو گیا پھر جب میں اپنے کام پر جانے کے لیے بیدار ہوا تو اسی حالت میں جرابیں پہن لیں۔ جب ظہر کا وقت آیا تو

میں نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کر لیا اور نماز ادا کی۔ اسی طرح میں نے عصر' مغرب اور عشاء ادا کی۔ دل میں یہی بات تھی کہ میں نے جرابیں طہارت کے وقت پہنی ہیں۔

یہ بات مجھے یاد ہی نہ رہی تھی کہ میں نے انہیں بلا وضو پہنا تھا۔ عشاء سے تقریباً دو گھنٹہ بعد یہ بات یاد آئی۔ اب میری ان چاروں اوقات کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے۔ آیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔

س۔ع۔غ۔ سائل

جواب : جس نے بلا طہارت موزے اور جرابیں پہنی' پھر ان پر مسح کر کے بھول کر نماز ادا کی تو اس کی نماز باطل ہے اور جتنی نمازیں اس نے اس مسح سے ادا کیں اس پر سب کا اعادہ لازم ہے۔ کیونکہ اہل علم کے اجماع کے مطابق مسح کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جراب طہارت کے وقت پہنی جائے اور جس نے انہیں بلا طہارت پہنا' پھر اس پر مسح کیا تو اس کا حکم بلا طہارت نماز ادا کرنے والے کا حکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لاتُقْبل صلاةٌ بغيرِ طُهُورٍ، ولاصَدَقةٌ مِنْ غُلُولٍ.»

طہارت کے بغیر نماز اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے تخریج کی ہے۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی حدیث یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لاتُقْبل صلاةُ أحدِكُم إذَا أحْدَثَ حتّى يَتوضّأ.»

تم میں سے اگر کسی کو حدث ہو جائے تو جب تک وضو نہ کرے' اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

اور صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کسی سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ رفع حاجت کے لیے گئے۔ واپس آئے تو وضو کیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ وضو کرتے وقت اوپر سے پانی ڈال رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ آپ کے موزے کھینچ لے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« دَعْهُما، فإنِّي أدْخلتُهما طَاهِرتَيْن، فَمَسَحَ عليهما.»

انہیں چھوڑ دو۔ میں نے پاکیزگی کی حالت میں پاؤں داخل کئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح کیا۔

اے سائل! ان دلائل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ پر چاروں نمازیں ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کا اعادہ ضروری ہے اور بھول کی وجہ سے آپ پر کچھ گناہ نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول کے مطابق :

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔ (البقرہ : ۲۸۶)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد فعلت (میں نے ایسا ہی کیا) جس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کچھ بندوں سے ازراہ خطا و نسیان واقع ہو جائے اس پر مواخذہ نہ کرنے سے متعلق بندوں کی دعا کو اللہ سبحانہ نے قبول فرمالیا ہے۔ پس اس بات پر حمد اور شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

وضو کرنے والا کس وقت جرابیں پہنے؟

سوال : کسی نے مجھے کہا کہ وضو کے دوران جب تک بایاں پاؤں بھی دھو نہ لیا جائے' دائیں پاؤں میں جراب نہیں پہننا چاہیے۔ میں نے بہت مدت پہلے اس موضوع پر ایک کتاب میں پڑھا تھا جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا کہ اس بات میں اختلاف ہے اور علماء کے ہر دو اقوال میں سے راجح یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی جواب دے کر مستفید فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

م-ع-ا- حائل

جواب : بہتر اور محتاط صورت یہی ہے کہ جب تک بایاں پاؤں بھی دھو نہ لیا جائے جرابیں نہ پہنی جائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إذَا توضَّأ أحدُكم فلبسَ خُفَّيه فَلْيَمْسَحْ عليهما، وَلْيُصلِّ فيهما، ولاَ يخلَعْهما إن شَاءَ إلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ. »

تم میں سے کوئی شخص جب وضو کرے اور موزے پہنے تو ان پر مسح کرے اور انہیں میں نماز ادا کرے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اتارے مگر جنابت کی صورت میں (اتارنا ضروری ہے)۔

اسے دار قطنی اور حاکم نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نکالا اور صحیح کہا ہے۔ اور ابوبکر ثقفی کی حدیث یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین دن رات کی اور مقیم کو ایک دن رات کی رخصت دی ہے۔ جب وہ طہارت کر کے اپنے موزے پہن کر ان پر مسح کرے۔ اسے دار قطنی نے نکالا اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

صحیحین میں مروی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے کھینچنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا : "انہیں رہنے دو۔ میں نے پاؤں دھو کر ان میں داخل کیے تھے"۔ ان تینوں احادیث سے بھی اور ان سے بھی جو اس معنی میں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ موزوں پر مسح کرے مگر صرف اس صورت میں کہ اس نے کمال طہارت کے بعد انہیں پہنا ہو۔ اور جو شخص بایاں پاؤں دھونے سے پہلے موزہ یا جراب پہنتا ہے' اس نے اپنی طہارت مکمل نہ کی تھی۔ اگرچہ بعض اہل علم ایسے مسح

کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ مسح کرنے والے نے بایاں پاؤں دھونے سے قبل ہی دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب پہن لی ہو۔ کیونکہ ان میں سے ہر پاؤں کو دھونے کے بعد ہی موزہ میں داخل کیا گیا ہے۔ لیکن محتاط صورت پہلی ہی ہے اور وہی دلیل سے واضح ہوتی ہے اور جس شخص نے ایسا کیا ہو اسے چاہیے کہ مسح سے پہلے اپنے دائیں پاؤں سے موزہ یا جراب اتار لے پھر بایاں پاؤں دھونے کے بعد دوبارہ موزہ یا جراب پہن لے تاکہ یہ اختلاف نہ رہے اور اپنے دین میں احتیاط برتے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

بعض لوگ مسجد حرام میں سو جاتے ہیں۔ پھر جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو وہ وضو کیے بغیر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسے کام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے

سوال : میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں مثال کے طور پر ظہر اور عصر سے پہلے سو جاتے ہیں۔ پھر جب لوگوں کو خبردار کرنے والا انہیں جگانے آتا ہے تو وہ وضو کیے بغیر ہی نماز میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہی صورت بعض عورتوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس کے حکم سے ہمیں مستفید فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب : نیند ناقض وضو ہے' جبکہ گہری ہو اور شعور کو زائل کر دے۔ جیسا کہ جلیل القدر صحابی صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو ماسوائے جنابت تین دن رات تک اپنے موزے نہ اتاریں۔ بول و براز اور نیند سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ اسے نسائی اور ترمذی نے نکالا۔ اور اس حدیث کے الفاظ ترمذی کے ہیں اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

«العينُ وِكَاءُ السَّه ، فإذا نامتِ الْعَينَانُ اِسْتطلقَ الوِكاءُ .»

آنکھ سرین کا سربند ہے۔ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو سربند ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں جیسے صفوان والی حدیث مذکورہ بالا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو مرد' عورت مسجد حرام میں یا کسی بھی جگہ سو جائے تو اس سے اس کی طہارت ٹوٹ جاتی ہے اور اس پر وضو کرنا لازم ہے۔ پھر اگر وہ بلا وضو نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اور وضو شرعی یہ ہے کہ منہ دھویا جائے' کلی کی جائے اور ناک کو جھاڑا جائے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے اور کانوں سمیت سر کا مسح کیا جائے اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے۔ نیند اور دوسری صورتوں مثلاً ہوا خارج ہونا اور شرمگاہ کو چھونا اور اونٹ کا گوشت کھانا وغیرہ میں استنجا کرنے کی ضرورت

نہیں۔

استنجا یا ڈھیلوں سے صفائی وضوء سے قبل اور صرف بول و براز کی صورت میں واجب ہوتی ہے یا ایسی صورتوں میں جو بول براز کے معنی میں ہوں۔

رہی اونگھ تو یہ ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ اس سے شعور زائل نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر اس باب میں وارد احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

غسل

جنبی' حائضہ اور نفاس والی عورت کی قراءت قرآن کا حکم

سوال : ہم کلیۃ البنات کی طالبات ہیں۔ ہمارے لیے قرآن کا ایک جزو حفظ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر کبھی کبھی امتحانات کا وقت آجاتا ہے اور وہی وقت ماہواری کا ہوتا ہے تو کیا ہمارے لیے امتحانی پرچہ پر سورہ لکھنا اور اسے زبانی پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

خدیجہ-ع

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جو اس بات سے ممانعت پر دلالت کرتا ہو لیکن مصحف (قرآن کریم) کو چھونا نہیں چاہیے۔ حیض والی اور نفاس والی' دونوں کو چاہیے کہ وہ کوئی پاکیزہ کپڑا یا ایسی ہی کوئی چیز قرآن پر رکھ لیں جو قرآن اور ان کے ہاتھ کے درمیان حائل ہو۔ یہی صورت اس ورق کی ہوگی جس پر عندالضرورت قرآن کریم لکھنے کی ضرورت ہو۔

رہا جنبی تو وہ جب تک نہا نہ لے' قرآن کریم نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس کے متعلق صحیح حدیث وارد ہے جو ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ حیض اور نفاس والی عورتوں کو جنبی پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی مدت طوالانی ہوتی ہے بخلاف جنبی کے۔ جب وہ جنابت واجب کرنے والی چیز سے فارغ ہو تو وہ کسی بھی وقت غسل کر سکتا ہے . . . اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

احتلام سے نہانے کا حکم

سوال : کبھی کبھی جب میں نیند سے ہوش میں آتا ہوں تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ نیند کی حالت میں احتلام ہوا تھا لیکن میں اس احتلام کا کوئی نشان نہیں دیکھتا۔ تو کیا مجھ پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ ہمیں فتویٰ دیجئے۔ جزاکم اللہ خیرا

ابراہیم۔ع۔ح

جواب : اگر کوئی شخص خواب میں احتلام ہوتا دیکھے مگر پانی یعنی منی کا کوئی نشان نہ پائے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے «الماء من الماء» جس کا مطلب یہ ہے کہ منی کا پانی نکلنے پر غسل کا پانی واجب ہوتا ہے۔ اہل علم کے ہاں یہ بات صرف احتلام والے کے لیے ہے۔ رہا اپنی بیوی سے صحبت کرنے والا تو اس کا اگر پانی نہ بھی نکلے تو بھی اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إذا مسَّ الختانُ الختانَ فقدْ وجبَ الْغُسلُ.»

جب شرمگاہ' شرمگاہ سے چھو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إذا جَلَسَ بينَ شُعَبِها الأربعِ ثُمَّ جَهَدَها فقدْ وَجَبَ الْغُسلُ.»

جب مرد عورت کے چار کونوں کے درمیان بیٹھے اور کوشش کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں یہ الفاظ لکھے ہیں «وإنْ لَمْ يُنزِلْ». (اگرچہ اسے انزال نہ ہو)

اور صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا نے جو انس رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے اللہ کے رسول! اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں! جب وہ پانی (کا نشان) دیکھے"۔

اور تمام اہل علم کے ہاں یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

مجھے سر دھونے سے الرجی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا غسل کیسے کروں؟

سوال : میں شادی شدہ عورت ہوں اور سینہ کی الرجی کی مریضہ ہوں۔ مجھے دائمی نزلہ رہتا ہے . . . میں نماز کیسے ادا کروں؟ کیا میں سر دھوئے بغیر صرف اس پر مسح کرتے ہوئے نہا سکتی ہوں . . . یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے ہفتہ میں کئی بار سر دھونے سے نزلہ لگ جاتا ہے اور بسا اوقات مجھے سر دھونے پر قدرت نہ ہونے سے نماز ترک کرنا پڑتی ہے اور کبھی اس کا صرف مسح کر لیتی ہوں . . . میں نہایت متردد اور بے چین رہتی ہوں' حالانکہ میں جانتی ہوں کہ دین آسان ہے۔ میں آپ سے فیصلہ کن جواب سے مستفید ہونے کی توقع رکھتی ہوں تا کہ میں امان کی زندگی گزار سکوں اور اپنا فرض پوری طرح ادا کر سکوں۔ میں ایک مدرسہ ہوں اور مجھے روزانہ کام کے لیے ہوا میں نکلنا پڑتا ہے' جس سے صاحب فراش ہو جاتی ہوں۔ میں مریضہ ہوں اور اللہ جانتا ہے۔ گویا میں ازدواجی زندگی کی مداومت میں سرگرداں رہتی ہوں اور وہ خاوند کی اطاعت اور اس سے بڑھ کر اللہ کی اطاعت ہے۔

ح-م-ع

جواب : جب جنابت یا حیض کے غسل میں سر دھونا آپ کے لیے ضرر رساں ہے تو آپ کے لیے تیمم کے ساتھ سر کا مسح کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ١٦)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَا نَهَيْتُكُم عنهُ فَاجْتَنِبُوه، ومَا أمرْتُكم فَأْتُوا مِنه مَا اسْتَطعْتُم»

جس چیز سے میں تمہیں منع کروں اس سے باز رہو اور جس بات کا حکم دوں تو جس قدر بجا لا سکتے ہو' لاؤ۔

حیض اور نفاس

کیا حائضہ عرفات میں دعاؤں کی کتابوں سے پڑھ سکتی ہے؟

سوال : کیا حائضہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عرفہ کے دن دعاؤں کی کتابیں پڑھے باوجودیکہ ان میں قرآنی آیات بھی ہوتی ہیں۔

قاری

جواب : اگر حیض یا نفاس والی عورت وہ دعائیں پڑھے' جو حج کی کتابوں میں لکھی ہوتی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر صحیح روایات کے مطابق ایسی عورت قرآن بھی پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ

ایسی کوئی صحیح' صریح نص نہیں آئی جس میں حیض و نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت مذکور ہو۔ ممانعت تو بالخصوص جنبی کے لیے ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایسی حالت میں قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ رہا حیض اور نفاس والی عوت کا معاملہ تو ان کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے :

« لا تقرأُ الحائضُ ولا الجنُبُ شيئاً مِنَ القُرآنِ . »

حیض والی اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش سے مروی ہے جو حجازیوں سے روایت کرتا ہے اور وہ ان سے روایت کرنے میں ضعیف ہے۔ تاہم ایسی عورت مصحف کو چھو نہیں سکتی' منہ زبانی پڑھ سکتی ہے۔ رہا جنبی کا معاملہ تو اسے قرآن پڑھنا جائز نہیں' نہ منہ زبانی اور نہ مصحف سے۔ تاآنکہ وہ غسل نہ کرلے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جنبی کا وقت مختصر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی اہلیہ سے فارغ ہو اسی وقت غسل کرسکتا ہے لہٰذا اس کی مدت طویل نہیں ہوتی اور معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کرے اور اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم کرے اور نماز ادا کرے اور قرآن پڑھ لے مگر حیض اور نفاس والی عورتوں کا معاملہ ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ وہ تو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور حیض اور اسی طرح نفاس میں کئی دن گزر جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے لیے قرآن پڑھنا مباح ہے تاکہ اسے بھول نہ جائیں اور تاکہ قراءت کی فضیلت ان سے فوت نہ ہو اور وہ کتاب اللہ سے شرعی احکام معلوم کرسکیں۔ پھر ان کے لیے جب قرآن پڑھنا جائز ہے تو ایسی کتابیں پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا' جن میں آیات و احادیث کے علاوہ دوسری دعائیں بھی مخلوط ہوتی ہیں۔ یہی وہ راہ صواب اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

میں بعض تفسیر کی کتب پڑھتی ہوں۔ جبکہ میں بلا طہارت ہوتی ہوں تو کیا اس معاملہ میں مجھے گناہ ہوگا؟

سوال : میں قرآن کی بعض تفاسیر مثلاً صفوۃ التفاسیر پڑھتی ہوں جبکہ میں باطہارت نہیں ہوتی . . . جیسے مثال کے طور پر ماہواری کے ایام میں' تو کیا اس میں کچھ حرج ہے اور آیا مجھے اس کا گناہ ہوگا؟

م-ح-الریاض

جواب : حیض اور نفاس والی عورت کے لیے نہ کتب تفاسیر پڑھنے میں کوئی حرج ہے اور نہ قرآن پڑھنے میں' بشرطیکہ قرآن کو چھوا نہ جائے۔ اور یہ بات علماء کے دو اقوال میں صحیح تر کے مطابق ہے۔ رہا جنبی تو وہ

مطلقاً قرآن نہیں پڑھ سکتا البتہ وہ کتب تفسیر اور احادیث پڑھ سکتا ہے لیکن اس کے ضمن میں جو آیات آئیں وہ نہ پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ قرآن پڑھنے میں جنابت کے علاوہ کوئی چیز آپ کے آڑے نہ آتی تھی اور اس حدیث کے ضمن میں جسے امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ منقول ہیں :

«فأمّا الجنبُ فلاَ، ولا آية.»

رہا جنبی تو وہ قرآن نہیں پڑھ سکتا' ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا۔

کیا عورت نفاس کے دوران نماز' روزہ اور حج ادا کر سکتی ہے؟

سوال : کیا نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ روزے رکھ سکتی' نماز ادا کر سکتی اور حج کر سکتی ہے؟ قاری

جواب : ہاں! اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ روزہ رکھ سکتی ہے' نماز ادا کر سکتی ہے اور حج و عمرہ کر سکتی ہے اور اس کے خاوند کے لیے حلال ہے کہ وہ اس سے صحبت کرے۔ اگر وہ بیس دن بعد پاک ہو جاتی ہے تو غسل کرے' نماز ادا کرے اور روزے رکھے اور اپنے خاوند کے لیے حلال ہو گئی اور جو کچھ عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے' تو یہ بات کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

اور درست بات یہی ہے کہ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر اگر پاک رہے تو فبہا اور اگر چالیس دنوں کے اندر دوبارہ خون آنے لگے تو صحیح بات یہی ہے کہ چالیس دنوں کی مدت کے اندر اسے نفاس ہی سمجھا جائے گا لیکن جو روزے' نمازیں اور حج جو اس نے حالت طہارت میں ادا کئے تھے' وہ سب صحیح ہیں۔ ان میں سے کسی بھی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اگر غسل کے بعد عورت کو خون اتر آئے تو اس کا حکم

سوال : میں ماہواری کے بعد نہانے کے وقت اور حیض کی حسب عادت مدت جو کہ پانچ دن ہے' کے بعد بعض اوقات ملاحظہ کرتی ہوں کہ نہایت قلیل مقدار میں خون اترا ہے اور یہ نہانے کے بعد ساتھ ہی ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد کچھ نہیں اترتا۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں اپنی عادت صرف پانچ دن ہی شمار کروں اور جو کچھ زیادہ ہو اس کا حساب نہ کیا جائے اور میں نماز اور روزے ادا کروں' کہ مجھ پر ان سے کچھ باقی نہ رہے یا میں اس دن کو ایام عادت میں شمار کرلوں اور اس دن نہ نماز ادا کروں اور نہ روزہ رکھوں . . . یہ جانتے ہوئے کہ ایسا واقعہ مجھے ہمیشہ پیش نہیں آتا بلکہ دو یا تین ماہواریوں کے بعد پیش آتا ہے۔ میں آپ سے مستفید ہونے کی

توقع رکھتی ہوں۔ قاریہ

جواب : طہارت کے بعد جو چیز اترتی ہے اگر وہ زرد رنگ کی ہے یا گدلی ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس کا حکم بول کا حکم ہے۔

البتہ اگر وہ صریح خون ہے تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا اور تمہارے لیے دوبارہ غسل کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے اور وہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھیں۔ انہوں نے کہا "ہم طہارت کے بعد زردی اور گدلا پن کو کوئی چیز شمار نہ کرتی تھیں"۔

ایک عورت کو چار دن ماہواری آتی ہے پھر تین دن بعد آنے لگتی ہے' وہ رمضان کے دنوں میں کیا کرے؟

سوال : میں بیالیس سال کی شادی شدہ عورت ہوں' میری ماہواری کی صورت یہ ہے کہ چار دن آتی ہے پھر تین دن کے لیے رک جاتی ہے اور ساتویں دن دوبارہ شروع ہو جاتی ہے لیکن ہلکی ہوتی ہے پھر بھورے رنگ جیسی ہو جاتی ہے اور بارھویں دن تک یہی صورت رہتی ہے۔ مجھے اس سے سخت کمزوری لاحق ہو جاتی تھی جس کا میں شکوہ کیا کرتی تھی لیکن بحمد اللہ علاج کے بعد یہ تکلیف دور ہو گئی۔ ہو گئی۔

میں نے ایک ماہر اور متقی طبیب سے اپنی حالت کے متعلق مشورہ پوچھا' تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں چار دن کے بعد نہایا کروں اور نماز روزہ وغیرہ' یعنی عبادت ادا کر لیا کروں۔

چنانچہ میں عرصہ دو سال سے اس طبیب کی نصیحت پر عمل کر رہی ہوں' لیکن اب کچھ عورتوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ بارہ دن تک انتظار کر لیا کروں۔ میں آپ کی ذات والا سے توقع رکھتی ہوں کہ آپ راہ صواب کی طرف میری رہنمائی فرمائیں گے۔ ف۔م۔ا۔ الریاض

جواب : یہ چار دن اور چھ دن سب کے سب ایام حیض ہی ہیں۔ لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ آپ ان دنوں میں نماز اور روزہ چھوڑ دیں۔ ان مذکورہ ایام میں آپ اپنے خاوند کے لیے بھی حلال نہیں۔ نیز آپ پر لازم ہے کہ چار دن بعد آپ غسل کریں' نماز ادا کریں اور خاوند کے لیے حلال ہیں۔ یہ مدت طہارت وہ ہے جو چار دن اور چھ دن کے درمیان ہے۔ اس میں آپ روزہ بھی رکھ سکتی ہیں۔

جب رمضان میں یہ صورت واقع ہو تو اس درمیانی مدت میں آپ روزہ رکھیے۔ پھر جب مزید چھ دن بعد آپ پاک ہوں تو پاک عورتوں کی طرح غسل فرمایئے۔' نماز ادا کیجئے اور روزہ رکھیے۔ کیونکہ ایام ماہواری (یعنی حیض) زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی' اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں اور جدا جدا بھی . . .

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند ہے اور ہمیں اور آپ کو اور سب مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور اس پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

نماز کی شرائط اور ارکان

جب ہم امریکہ پہنچے تو قطب نما کے مطابق نماز ادا کرتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غیر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ اب کیا ہونا چاہیے؟

سوال : جب ہم امریکہ پہنچے تو قطب نما کے مطابق نماز ادا کرتے رہے، حالانکہ یہ قبلہ کا رخ نہ تھا۔ وہاں ہمارے کچھ مسلمان بھائی تھے۔ انہوں نے ہمیں بتلایا کہ جدھر منہ کرکے ہم نماز ادا کرتے رہے ہیں یہ قبلہ کا رخ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے صحیح رخ کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ میرا سوال یہ ہے کہ قبلہ کا صحیح رخ پہچاننے سے قبل جو نمازیں ادا کرچکے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟

محمد۔ع۔ی۔امریکہ

جواب : جب مومن کسی صحرا میں ہو یا ایسی بستی میں جہاں قبلہ کا رخ مشتبہ ہو رہا ہو' پھر وہ صحیح رخ معلوم کرنے کے لیے پوری کوشش کرنے کے بعد اپنے اجتہاد کے مطابق نماز ادا کرلے۔ پھر اس کے بعد اس پر یہ واضح ہوجائے کہ اس نے نماز غیر قبلہ کی طرف ادا کی ہے تو اب وہ اپنے بعد والے اجتہاد کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اسے معلوم ہوچکا ہے کہ اس کا بعد والا اجتہاد پہلے سے صحیح تر ہے اور اس کی پہلی نمازیں بھی صحیح ہیں۔ کیونکہ اس نے وہ نمازیں حق کی تلاش اور اجتہاد کے بعد ادا کی تھیں اور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کے عمل سے ثابت ہے جبکہ قبلہ کی سمت بیت المقدس سے کعبہ المشرفہ کی طرف بدلی تھی۔ جو اسی بات پر دلالت کرتی ہے . . . اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔

میں نے ہوائی جہاز میں فرض نماز بیٹھ کر اشارے سے ادا کی اور میں قبلہ کا رخ نہیں پہچانتا تھا اب اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : مجھے ایک مہم پر جانا پڑا اور نماز کا وقت ہوگیا۔ میں اس وقت ہوائی جہاز میں تھا اور اس کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے سر کے اشاروں سے نماز ادا کرلی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس

طرف ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری نماز کی صحت کے متعلق مستفید فرمائیں گے اور اگر اس طرح نماز درست نہ ہو تو کیا میرے لیے یہ گنجائش ہے کہ میں نماز کو ہوائی جہاز سے اترنے تک موخر کرلوں؟

معمس-ع-جدہ

جواب : مسلم پر واجب ہے کہ جب وہ ہوائی جہاز یا صحرا میں ہو تو علامات قبلہ اہل خبرو نظر سے پوچھ کر قبلہ پہچاننے میں اجتہاد کرے' تا کہ علی وجہ البصیرت قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرسکے۔ پھر اگر اسے اس کا علم نہ ہوسکے تو قبلہ کے رخ کی جستجو میں اجتہاد کرے اور اس طرف منہ کرکے نماز ادا کرلے۔ یہ اس کے لئے کافی ہے خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے قبلہ کی تلاش میں خطا کی ہے۔ کیونکہ اس نے پوری کوشش کرلی اور جہاں تک ممکن تھا اللہ سے ڈرتا رہا۔ اس کے لیے اجتہاد کے بغیر نماز فریضہ ادا کرنا درست نہیں خواہ وہ صحرا میں ہو یا ہوائی جہاز میں' اور اگر اس نے اجتہاد کے بغیر نماز ادا کی تو اس کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں نہ تو وہ اللہ سے ڈرا اور نہ ہی ممکن حد تک اس نے کوشش کی۔

رہا سائل کا نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا سوال' تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہ کرسکتا ہو' جیسے کشتی یا بحری جہاز میں نماز ادا کرنے والا اگر کھڑا ہو کر پڑھنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے اور اس مسئلہ میں حجت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ تعالیٰ سے ڈرو' جہاں تک تم سے ہوسکے۔ (التغابن : ١٦)

اور ہوائی جہاز سے اترنے تک نماز کو موخر اس صورت میں کرسکتا ہے جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔ اور یہ سب مسائل فرض نمازوں سے متعلق ہیں۔ رہے نوافل تو ان میں قبلہ رخ ہونا واجب نہیں خواہ وہ ہوائی جہاز میں ہو یا بس میں یا کسی جانور پر سوار ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر نفل پڑھ لیا کرتے تھے۔ جدھر بھی وہ جارہا ہوتا لیکن آپ حالت احرام میں یہی بات پسند فرماتے تھے کہ ایک دفعہ قبلہ رخ ہوجائیں پھر اس کے بعد جدھر سواری جاتی آپ اپنی نماز پوری فرمالیتے تھے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

پتلے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال : کیا سلکی کپڑا جو شفاف سے مشابہت رکھتا ہے۔ ستر ڈھانک سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا مسلم کے لیے ایسا کپڑا پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے؟

ابراہیم-س-منطقۃ الجنوب

جواب : جب مذکورہ کپڑا اپنے شفاف یا پتلا ہونے کی وجہ سے جلد کو چھپا نہ سکتا ہو تو کسی مرد کے لیے

اس میں نماز ادا کرنا درست نہیں' الا یہ کہ ایسے کپڑے کے نیچے پاجامہ یا ازار ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کو چھپا سکے . . . اور عورت کے لیے بھی ایسے کپڑے میں نماز جائز نہیں' الا یہ کہ اس کے نیچے ایسا کپڑا یا کپڑے ہوں جو اس کے تمام بدن کو چھپا سکیں۔ ایسے کپڑے کے نیچے چھوٹا سا پاجامہ کفایت نہیں کرتا۔

اور مرد کو چاہیے کہ جب وہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے اوپر فنیلہ یا کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے دونوں یا کسی ایک کندھے کو ڈھانک سکے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لايُصَلِّي أحدُكم في الثَّوبِ الْوَاحد ليسَ على عَاتِقِهِ منْه شيءٌ.»

تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس حالت میں نماز ادا نہ کرے کہ اس کے کندھے پر کچھ نہ ہو۔

اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

میں نے فجر کی دو رکعت سنت ادا کرلیں تو موذن کھڑا ہوا اور فجر کی اذان کہی۔ کیا اس حالت میں میری فجر کی دو رکعتیں ادا ہو گئیں یا نہیں؟

سوال : میں صبح کی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعتیں نماز ادا کی۔ جب میں دوسری رکعت کے قیام میں تھا تو موذن کھڑا ہوا اور نماز کے لیے اذان کہی۔ جبکہ میں اپنی نماز کے متعلق یہ نیت کر چکا تھا کہ یہ صبح کی سنتیں ہیں۔ جب میں اپنے گھر سے اٹھا تو اس وقت بعض مساجد میں اذان ہو رہی تھی۔ پھر جب میں نماز سے فارغ ہوا تو بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ "اٹھو اور صبح کی سنت ادا کرلو"۔ میں نے کہا : "میں تو ادا کر چکا ہوں"۔ وہ کہنے لگا : وہ جائز نہیں' الا یہ کہ تم دوبارہ ادا کرو۔ کیونکہ موذن جب اذان کہہ رہا تھا اس وقت تم نماز ادا کر رہے تھے . . . مجھے توقع ہے کہ آپ اس مسئلہ کے متعلق مجھے مستفید فرمائیں گے۔

مغمس ۔ع ۔ جدہ

جواب : جب موذن اذان دے رہا تھا اور آپ صبح کی سنتیں ادا کر رہے تھے تو اگر اذان ہی طلوع فجر کے بعد تاخیر سے ہوئی اور آپ کا سنتیں ادا کرنے کا فعل اذان سے مل گیا تو سنتیں ادا ہو گئیں۔ یہ کافی ہیں اور ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر اس بات میں شک ہو اور آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ آیا اذان صبح کے بعد ہوئی ہے یا طلوع فجر کے وقت ہی ہوئی ہے تو اس صورت میں محتاط اور افضل بات یہی ہے کہ ان دو رکعتوں کو دوبارہ ادا کرلیں تاکہ طلوع فجر کے بعد ان کی ادائیگی یقینی ہو جائے۔

ہم ایک جماعت تھے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ آخر وقت میں نماز ادا کریں تو کیا ہم اذان اول وقت میں دیں یا آخر وقت میں؟

سوال : ہم ایک جماعت تھے۔ ہم نے طے کر لیا کہ مثلاً ظہر کی نماز آخر وقت میں ادا کریں گے اب اذان پہلے وقت میں کہنا لازم ہے یا آخر وقت میں؟ اور کیا اذان کے بغیر ہماری نماز درست ہو گی۔

ابراہیم ۔ ص

جواب : جب آپ لوگ شہر میں ہوں تو آپ پر واجب ہے کہ مساجد میں جا کر مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کریں 'الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔ جیسے مرض وغیرہ۔ اگر عذر شرعی موجود ہو تو گھر میں ادا کی ہوئی نماز جائز ہے اور شہر میں شہر والوں کی اذان ہی کافی ہے۔ ہاں! جب آپ صحرا میں ہوں تو نماز کا قیام (باجماعت) مشروع ہے۔ اس صورت میں آپ پر واجب ہے کہ آپ اذان کہیں اور نماز باجماعت ادا کریں۔ کیونکہ علماء کے دو اقوال میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت فرض کفایہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا :

« إذا حضرتِ الصَّلاةُ فليؤذِنْ لكُم أحدُكم وليَؤُمَّكم أكبرُكم . »

جب نماز کا وقت آجائے تو تمہارے لیے تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی سے کہا :« إذا حضرتِ الصَّلاةُ فأذِّنَا وأقيمَا . »

جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہو اور نماز باجماعت ادا کرو۔

اور اس لیے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بلال رضی اللہ عنہ کو اور مکہ میں ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور انہیں دونوں کو نماز باجماعت میں اقامت کہنے کا حکم دیا۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہمیشہ پانچوں نمازیں اذان اور اقامت سے ادا کرتے رہے۔ جو اذان اور اقامت کی فرضیت پر دلیل ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« صلُّوا كما رأيتُمُونِي أصَلِّي . »

نماز اس طرح ادا کرو جیسے مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔

رہا اول یا آخر وقت میں اذان کہنے کا معاملہ 'جبکہ تم صحرا میں ہو تو اس معاملہ میں انشاء اللہ تعالیٰ بہت وسعت ہے۔

اول وقت پر اذان اور نماز اور اس میں جلدی کرنا افضل ہے اور اگر آپ اذان اور صلوۃ کو مؤخر کرکے ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ادا کرلیں تو بحالت سفر اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مسافر کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ سفر میں جمع کرلے۔ یہ جمع تاخیر ہو یا جمع تقدیم۔ یہ بات مسافر کی سہولت اور آرام کے مطابق ہوگی۔

اور اگر وہ ظہر کے وقت سفر پر ہو تو افضل یہ ہے کہ ظہر کو مؤخر کرکے عصر کے ساتھ ادا کرلے جبکہ وہ زوال سے پہلے روانہ ہوا ہو اور جب مغرب سے پہلے آغاز سفر کرے تو مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر ادا کرے۔

مگر جب وہ زوال کے بعد آغاز سفر کرے تو افضل یہ ہے کہ عصر کو مقدم کرکے ظہر کے ساتھ ادا کرے۔ اسی طرح اگر سورج غروب ہونے کے بعد روانہ ہو تو افضل یہ ہے کہ عشاء کو مقدم کرکے مغرب کے ساتھ ادا کرے۔ کیونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تمہارے لیے اللہ کے رسول ؐ کی پیروی کرنا ہی اچھی روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«صلُّوا كَمَا رأيتُمُوني أصلّي .»

نماز اس طرح ادا کرو جیسے مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔

تحیتہ المسجد

تحیتہ المسجد کے نفل غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : مغرب کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے تحیتہ المسجد کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اذان اور اقامت کے میان وقت مختصر ہوتا ہے۔ نیز نماز مغرب سے پہلے تحیتہ المسجد کے علاوہ دوسرے نفل ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

صلاح ۔ س ۔ ا ۔ منطقہ جنوبیہ

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ تحیتہ المسجد تمام اوقات میں حتیٰ کہ نہی کے میں بھی سنت مؤکدہ ہیں جس کی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول کا عموم ہے :

«إذا دَخَلَ أحدُكم المسجدَ فلاَ يجلسْ حتَّى يُصلِّيَ رَكعتَين» (متَّفقٌ عليه) .

ب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔

اور اذان مغرب کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز ادا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول کی رو سے سنت ہے :

مغرب سے پہلے نماز ادا کرو . . . مغرب سے پہلے نماز ادا کرو۔ پھر تیسری بار آپ نے یوں کہا۔ جو چاہے نماز مغرب سے پہلے نماز ادا کرے۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور جب مغرب کی اذان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اقامت سے پیشتر دو رکعت نماز ادا کرنے میں جلدی کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے ہوتے اور انہیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ اس کا حکم دیا تھا جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

اثنائے خطبہ تحیۃ المسجد کا حکم

سوال : جمہوریہ سوڈان کی مسجد (فتنہ) ریفی مروی میں میرے اور بعض نمازی بھائیوں کے درمیان بحث چل نکلی جو مسجد میں داخل ہونے کی دو رکعت نماز ادا کرنے سے متعلق تھی۔ جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو . . . میں اس موضوع پر سماحۃ الشیخ سے فتویٰ کی امید رکھتا ہوں . . . آیا یہ رکعتیں جائز ہیں یا نہیں . . . اطلاعاً عرض ہے کہ اس مسجد عتیق کے نمازی بھائی امام مالک کے مذہب پر (یعنی مالکی) ہیں؟

ابراہیم۔م۔م۔ ضرماء

جواب : مسجد میں داخل ہونے کے وقت سنت یہی ہے کہ داخل ہونے والا دو رکعتیں تحیۃ المسجد ادا کرے خواہ امام خطبہ دے رہا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔

اس حدیث کو شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں نکالا ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»

تم میں کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت ادا کرے اور ان میں اختصار کرے۔

اور یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح نص ہے۔ لہذا کسی کو روا نہیں کہ وہ اس کی مخالفت کرے اور غالباً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ اسی لیے خطبہ کے وقت ان سے دو رکعتوں کی نفی ثابت ہے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مل جائے تو کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں کی باتوں میں

اگر سنت کی مخالفت کریں خواہ وہ کون لوگ ہوں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں۔ پھر اگر کسی بات میں تم میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو' اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام کار بھی اچھا ہے۔ (النساء : ۵۹)

نیز فرمایا :

﴿وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾

اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہو گا)۔ (الشوریٰ : ۱۰)

اور یہ تو معلوم ہے کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ (النساء ۸۰)

نہی کے اوقات میں تحیتہ المسجد کا حکم

سوال : تحیتہ المسجد کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اوقات نہی مثلاً طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت یہ نوافل ادا نہ کیے جائیں۔ اور ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تحیتہ المسجد چونکہ ذوات الاسباب سے ہیں لہٰذا ان کا کوئی وقت نہیں' وہ ہر وقت ادا کیے جا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سورج آدھا غروب ہو چکا ہو تو بھی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تفصیلی جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

محمد . ع . أ ۔ الدادی

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ تحیتہ المسجد کسی وقت بھی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ فجر اور عصر (کی نماز) کے بعد بھی' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول میں عموم ہے :

«إذا دخلَ أحدُكم المسجدَ فلا يجلِسْ حتَّى يُصلِّيَ رَكعتَينِ»

تم میں کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کر لے۔

اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس لیے بھی کہ یہ ذوات اسباب سے ہیں۔ جیسے طواف کی نماز اور سورج گہن کی نماز۔ ایسی تمام نمازوں میں درست بات یہی ہے کہ وہ تمام نہی کے اوقات میں بھی ادا کی جا سکتی ہیں جیسے فوت شدہ فرض نمازوں کی قضا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی نماز کے متعلق فرمایا:

«يا بَنِي عَبْدِ مناف لاتمنعُوا أحداً طافَ بهذَا البَيْتِ وصلّى أيّة ساعةٍ شاءَ مِنْ ليلٍ أو نهارٍ.»

اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے اور نماز ادا کرے۔ اسے مت روکو' خواہ رات یا دن کا کوئی بھی وقت ہو۔

اسے احمد اور اصحاب سنن نے اسناد صحیح سے نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف (سورج گہن یا چاند گہن) کے متعلق فرمایا:

«إنَّ الشَّمْسَ والقَمرَ آيتانِ مِنْ آياتِ اللّه لاينكسِفَان لِمَوْتِ أَحَدٍ ولالحياتِه، فإذَا رأيتُم ذلِك فصلُّوا وادْعُوا حتَّى يُكْشَفَ ما بِكُم.»

سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے گہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم گہن دیکھو تو نماز ادا کرو اور دعا کرو۔ اس وقت کہ گہن کھل جائے۔

اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نامَ عنِ الصَّلاةِ أو نَسِيَها فليُصَلِّها إذَا ذكَرَها؛ لاكفَّارةَ لهَا إلاَّ ذلِك»

جو شخص نماز کے وقت سویا ہوا ہو یا بھول جائے تو جب اسے یاد آجائے' نماز ادا کرے۔ بس یہی اس کا کفارہ ہے۔

اور یہ تمام احادیث اوقات نہی اور دوسرے اوقات سب کے لیے عام ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمتہ اللہ علیہما نے بھی یہی قول پسند کیا ہے۔

نماز باجماعت

نماز باجماعت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے؟

سوال : اگر نمازی' نماز باجماعت کے آخری تشہد میں ملے تو کیا اسے نماز باجماعت کا اجر ملے گا یا نہیں؟

ابراہیم۔ س۔ منطقہ الجنوب

جواب : اگر نمازی ایک رکعت پالے تو اسے نماز باجماعت کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

«مَنْ أدْرَكَ رَكْعةً في الصَّلاةِ فقدْ أدْرَكَ الصَّلاةَ.»

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی گویا اس نے پوری نماز پالی۔

لیکن جب کوئی کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جائے جیسے مرض وغیرہ تو اسے پوری نماز کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

« إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللّٰهُ لَه ما كَانَ يَعملُ ؛ وهُو صَحِيحٌ مُقِيمٌ .»

جب کوئی شخص بیمار ہو جائے یا سفر اختیار کرے تو اللہ اس کا اتنا ہی عمل لکھ دیتا ہے جتنا وہ مقیم رہ کر تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

جب مقتدی آئے اور امام رکوع میں ہو تو آیا وہ تکبیر تحریمہ کہے یا تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے ؟

سوال : جب مقتدی نماز میں شامل ہونے لگے اور امام رکوع میں ہو تو کیا مقتدی تکبیر تحریمہ کہے یا تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے ؟

فہد ۔ ع ۔ ع ۔ الریاض

جواب : بہتر اور محتاط بات یہی ہے کہ وہ دونوں تکبیریں کہے۔ ایک تکبیر تحریمہ اور وہ رکن ہے اور یہ کھڑا ہونے کی حالت میں ہی کہی جائے گی اور دوسری رکوع کی تکبیر جبکہ وہ رکوع کے لیے جھکنے لگے۔ پھر اگر اسے رکعت فوت ہونے کا ڈر ہو تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق تکبیر تحریمہ اسے کفایت کر جائے گی۔ کیونکہ دو عبادتیں ایک ہی وقت اکٹھی ہو گئیں تو بڑی چھوٹی کو کفایت کر جائے گی اور اکثر علماء کے نزدیک یہ رکعت شمار ہو جائے گی۔ جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو بکرہ ثقفی سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ وہ رکوع میں تھے تو ابو بکرہ نے نماز کی خاطر صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا۔ پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

« زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً ؛ ولا تَعُدْ .»

اللہ تمہاری حرص زیادہ کرے۔ پھر ایسا نہ کرنا۔

اور لا تعد کا معنی یہ ہے کہ صف میں شامل ہونے سے پیشتر رکوع نہ کرنا بلکہ داخل ہونے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز کی خاطر صف میں شامل ہونے سے پیشتر رکوع نہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کو اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔ جو اس رکعت کے شمار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کے حق میں فاتحہ کا سقوط (نہ پڑھنا معاف ہے) اس لیے اس کا محل یعنی قیام فوت ہو گیا ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کے ہاں بھی صحیح تر ہے جو مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے قائل ہیں۔

میں اپنی مسجد میں جماعت کی امامت کراتا ہوں جبکہ میری قراءت اور تجوید کمزور ہے۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے یا میں جواب دے دوں ؟

سوال : میں ریاض کے نواح میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ مجھے اشکال یہ ہے کہ قرأت میں میری تجوید کمزور ہے اور اس لحاظ سے کافی غلطیاں ہیں۔ مجھے قرآن کے تین پارے اور ان کے علاوہ بعض سورتوں کی بعض آیات بھی زبانی یاد ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے ڈرتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے جواب سے مستفید فرمائیں گے کہ آیا میں امامت جاری رکھوں یا مسجد انتظامیہ کو جواب دے دوں ؟

م-م-ا-الریاض

جواب: آپ پر لازم ہے کہ آپ جس قدر قرآن یاد کر سکتے ہوں اس میں اور تجوید میں اپنی پوری کوشش کریں اور آپ کو بھلائی کی اور اللہ عزوجل کی مدد کی خوشخبری ہو جبکہ آپ اپنی نیت بہتر بنا لیں اور اس میں پوری ہمت صرف کردیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کا کام آسان کر دیتا ہے۔(الطلاق : ۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«الماهرُ بالقرآنِ مع السَّفَرةِ الكِرَامِ البررَةِ، والَّذي يقرأُ القرآنَ ويَتَتَعتَعُ فيه، وهو عليه شاقٌّ، له أجْرانِ.»

قرآن کا ماہر معزز اور نیکوکار لکھنے والوں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں ہکلاتا ہے اور پڑھنا اس پر دشوار ہے اس کے لئے دو اجر ہیں۔

اور ہم آپ کو جواب دے دینے کی نصیحت نہیں کرتے بلکہ دائمی کوشش اور صبر و استقلال کی تاکید کرتے ہیں تا آنکہ آپ کتاب اللہ کی تجوید اور اسے پورا حفظ کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا جس قدر اس سے میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور آپ کا کام آسان کرے۔

جو امام قرآن میں لحن کرے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال : امام قرآن پڑھنے میں لحن کرتا ہے اور کبھی کبھی قرآنی آیات کے حروف کی ادائیگی میں کمی بیشی کر جاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

محمد-ب-ا-ابہا

جواب : جب اس کے لحن سے معنی میں کچھ فرق نہ پڑتا ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ جیسے الحمد للہ رب العالمین میں رب کی ب کے کسرہ (ـِـ) کے بجائے نصب (ـَـ) یا رفع (ـُـ) پڑھ جائے اس طرح الرحمٰن کے ن کے کسرہ (ـِـ) کے بجائے (نصب ـَـ) یا رفع (ـُـ) پڑھ جائے مگر جب معنی بدل جائیں تو اس کے پیچھے نماز ادا نہ کریں جبکہ اسے سکھلانا کچھ فائدہ دے اور نہ بتلانا (لقمہ دینا) جیسے وہ ایاک نعبد میں ایاک کے ک کسرہ (ـِـ) پڑھے اور جیسے انعمت کی ت پر کسرہ (ـِـ) یا ضمہ (ـُـ) پڑھے۔ پھر اگر وہ تعلیم کو قبول کرے اور بتلانے پر اپنی قراءت درست کرلے تو اس کی نماز اور قراءت درست ہوگی اور ہر حالت میں مسلم کے لئے ہدایت یہ ہے کہ وہ بھائی کو نماز میں بھی سکھلائے اور باقی اوقات میں بھی' کیونکہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ جب کوئی غلط کام کرے تو دوسرا رہنمائی کرتا ہے اور اگر وہ ان پڑھ ہو تو اسے سکھلاتا ہے اور اگر قرآن اس پر اٹک جائے تو اسے بتلاتا ہے۔

اگر امام فاتحہ میں لحن کرے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال : اگر امام سورہ فاتحہ کی قراءت میں لحن کرے تو کیا اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کی نماز باطل ہو جاتی ہے؟

قاریہ

جواب : اگر امام سورہ فاتحہ میں ایسا لحن کرے جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو اسے تنبیہہ کرنا اور اسے غلطی بتلانا لازم ہے۔ پھر اگر وہ قراءت کو درست کرلیتا ہے تو الحمد للہ ورنہ اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ اور جن لوگوں کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا ہے' ان پر واجب ہے کہ وہ ایسے امام کو امامت سے معزول کردیں اور وہ لحن جو معنی بدل دیتا ہے اس کی مثال جیسے انعمت علیهم میں ت پر فتحہ کے بجائے کسرہ یا ضمہ پڑھے یا ایاک نعبد میں ک پر فتحہ کے بجائے کسرہ پڑھے۔

رہا وہ لحن جس سے معنی تبدیل نہیں ہوتے جیسے رب کی ب پر یا الرحمٰن کے ن پر فتحہ ـَـ پڑھ جائے تو ایسے لحن سے نماز میں کچھ عیب واقع نہیں ہوتا۔

جب جہری نماز میں امام غلط پڑھ جائے تو کیا مقتدی کو اسے بتلانا چاہیے؟

سوال : جہری نماز کے دوران اگر امام قراءت میں خطا کرجائے' کوئی آیت یا آیت کا کچھ حصہ چھوڑ جائے یا غلطی سے آیت کا لفظ بدل دے وغیرہ وغیرہ . . . تو کیا مقتدی اسے لوٹا اور بتلا سکتا ہے؟

عبداللطیف ـ م ـ ع ـ الریاض

جواب : جب امام قراءت میں کوئی آیت چھوڑنے کی غلطی کرجائے یا اس کی قراءت میں لحن ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے لئے مشروع ہے کہ اسے بتلادیں (لقمہ دیں) اور اگر ایسی بات سورہ فاتحہ میں

واقع ہو تو پیچھے نماز ادا کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ امام کو بتلائیں۔ کیونکہ فاتحہ کی قراءت نماز کا رکن ہے' الا یہ کہ لحن ایسا ہو جس سے آیت کے معنی نہ بدلتے ہوں اس صورت میں بتلانا واجب نہ ہوگا۔ جیسے وہ الرحمٰن یا الرحیم میں کسرہ کے بجائے نصب (ـَـ) پڑھ جائے یا ایسا ہی کوئی اور لحن ہو۔

ایک حادثہ میں میرا پاؤں کٹ گیا۔ کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں جماعت کی امامت کروں؟

سوال : میں ایک مرد ہوں۔ میرا پاؤں تسمہ باندھنے کی جگہ کے نیچے سے کٹ گیا۔ جس کا سبب بس کا حادثہ تھا۔ کیا میرے لئے جائز ہے کہ امام کی غیر موجودگی میں آگے بڑھ کر نمازیوں کی امامت کراؤں یا نہیں؟ نیز کیا نماز کے لئے وضو کے وقت اس پر مسح کرنا میرے لئے جائز ہے؟

خ-ل- میبا

جواب : آپ جب پاؤں کٹنے کے باوجود نماز میں کھڑے ہو سکتے ہیں تو لوگوں کی امامت کرانے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ امامت کی باقی شرائط آپ میں پائی جاتی ہوں۔

رہی اس پر مسح کی بات تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ قدم کا جتنا حصہ باقی رہ گیا ہے اس پر آپ طہارت کے بعد موزہ یا جراب پہنیں جو کہ ساتر ہو۔ مقیم کے لئے اس پر ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات تک مسح جائز ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اور اگر یہ پاؤں ٹخنے کے اوپر سے کٹا ہے تو پھر نہ مسح کی ضرورت رہی اور نہ دھونے کی کیونکہ جو کچھ ٹخنوں کے اوپر ہے وہ نہ دھونے کا محل ہے اور نہ مسح کا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت کا بہتر بدلہ دے اور اس کی تلافی فرمائے اور آپ کو صبر عطا فرمائے اور اس کا اجر و ثواب دے۔

کیا جہری نمازوں میں امام پر واجب ہے کہ وہ اتنی دیر خاموش رہے' جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے؟

سوال : سورہ فاتحہ کے بعد امام کے اتنی دیر ٹھہر جانے کے متعلق کیا حکم ہے جتنی دیر میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے؟ اور اگر امام اس وقفہ کے لئے نہ ٹھہرے تو مقتدی سورہ فاتحہ کب پڑھے؟

عبدالرزاق-س-القصیم

جواب : جہری نمازوں میں امام کے سکوت کی مشروعیت پر کوئی صحیح صریح دلیل موجود نہیں ہے' جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ البتہ مقتدی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ امام کے سکتات کی حالت میں پڑھ لے اگر وہ

آیت پڑھنے کے بعد ساکت ہوتا ہو اور اگر یہ بات میسر نہ آئے تو دل میں پڑھتا جائے اگرچہ امام وہی کچھ پڑھ رہا ہو۔ پھر اس کے بعد امام کے پڑھنے کے لئے چپ ہو جائے۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول میں عموم پایا جاتا ہے:

« لا صلاةَ لِمنْ لمْ يقرأْ بفاتحةِ الكتابِ .»

جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لعلَّكُم تَقرءُون خلفَ إمامِكم قالُوا:نعَمْ قالَ : لاتفعلُوا إلاَّ بفاتحةِ الكتابِ فإنَّه لاصلاةَ لمنْ لمْ يقرأْ بها .»

شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ صحابہ کہنے لگے "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایسا مت کرو۔ البتہ فاتحۃ الکتاب پڑھ لیا کرو کیونکہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی"۔

اس حدیث کو احمد 'ابوداؤد اور ابن حبان نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور یہی دو حدیثیں ہیں جو اللہ عزوجل کے درج ذیل قول کو خاص کرتی ہیں۔

﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف : ۲۰۴)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو بھی:

« إنَّما جُعِلَ الإمامُ لِيُؤتَمَّ به فلاَ تختلِفُوا عليه ، فإذا كبَّر فكبِّرُوا وإذا قرأَ فأنْصِتُوا. »

امام تو بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ لہٰذا اس کے خلاف کچھ نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔

مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اگر مقتدی نماز میں قراءت کی آواز بلند کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال : دوران نماز مقتدی اگر قراءت کی آواز بلند کرے جبکہ امام کے پیچھے اس مقتدی کے پہلو میں دوسرے مقتدی بھی ہوں 'تو اس کا کیا حکم ہے ؟ عبدالرزاق . س . ا لقصیم

جواب : مقتدی کے لئے سنت یہی ہے کہ وہ اپنی قراءت ' باقی تمام اذکار اور دعائیں سب دھیمی آواز سے کرے۔ کیونکہ اس کی بلند آواز سے پڑھنے پر کوئی دلیل موجود نہیں اور اس لئے بھی کہ اس کی بلند آواز سے پڑھنے سے ارد گرد کے نمازیوں کو تشویش ہوگی۔

"جس نے صفوں کی بائیں جانب کو آباد کیا' اس کے لئے دو اجر ہیں" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : عشاء کی نماز کھڑی ہوئی اور پہلی صف کی دائیں جانب مکمل ہو گئی جبکہ بائیں جانب صرف چند ایک لوگ کھڑے تھے' تو ہم نے کہا : بائیں جانب سے صف برابر کرو۔ نمازیوں میں سے ایک کہنے لگا : "دائیں جانب افضل ہے"۔ کسی شخص نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کی کہ "جو شخص صفوں کی بائیں جانب کو آباد کرے اس کے لئے دو اجر ہیں"۔ ہمیں بتلائیے اس مسئلہ میں راہ صواب کیا ہے؟

مطلق۔ع۔ا۔الخرج

جواب : نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر صف کی دائیں جانب اس کی بائیں سے افضل ہے۔ اور لوگوں کو **اعدلوا الصف** کہنا مشروع نہیں اور اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ صف کی دائیں جانب لوگ زیادہ ہوں تاکہ فضیلت حاصل کر سکیں۔

اور حاضرین میں سے کسی نے جو یہ حدیث پیش کی «من عَمَرَ میاسر الصُّفُوفِ فله:أجْران .» مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں اور راجح بات یہی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جسے کسی ایسے کاہل نے گھڑا ہے جو نہ صف کی دائیں جانب کے لئے حریص ہوتے ہیں اور نہ مسابقت کے لئے ۔ ۔ ۔ اور اللہ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

میں اپنی مسجد کے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہیں کر سکتا

سوال : جہری اور تراویح کی نماز میں جب امام سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتا ہے تو قرآن کی قراءت شروع کر دیتا ہے اور میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اتنا وقفہ ہوتا ہی نہیں جس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے یہ حدیث بھی پڑھی ہے: «لا صلاةَ لِمَنْ لَمْ یقرأ بفاتحةِ الْكتاب .»

اور یہ بھی «قراءةُ الإمامِ قراءةٌ لمنْ خلفَه .»

ان دونوں میں تطبیق کیسے کی جائے؟

عبدالرحمٰن۔ن۔الریاض

جواب : مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے وجوب میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور راجح اس کا وجوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: «لا صلاةَ لمنْ لَمْ یقرأ بفاتحةِ الکتاب» (متفق علیہ) میں عمومیت ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ صحابہ نے

جواب دیا۔ "ہاں" تو آپ نے فرمایا "ایسا مت کرو۔ صرف فاتحہ الکتاب پڑھ لیا کرو کیونکہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی"۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے اسناد حسن سے نکالا ہے۔

اگر امام جہری نماز میں سکتہ نہیں کرتا تو مقتدی اپنے امام کی قراءت کے ساتھ ساتھ ہی دل میں پڑھ لے تاکہ دونوں مذکورہ حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا اسے سورہ فاتحہ کے وجوب کا علم ہی نہ ہو تو فاتحہ اس سے ساقط ہو جائے گی جیسے کوئی شخص مسجد میں آئے اور امام رکوع کی حالت میں ہو اور وہ اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس کی رکعت ادا ہو گئی اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ اس کی دلیل ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے۔ ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا پھر صف میں شامل ہوئے۔ سلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً، وَلَا تَعُدْ.»

اور آپ نے انہیں اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

ایک شخص مسجد میں آیا تو دیکھا کہ لوگ تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں اب کیا وہ عشاء کی نیت سے ان کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟

سوال : ایک شخص باجماعت نماز کے لئے آیا اور دیکھا کہ لوگ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں اور وہ یہ بات جانتا ہے۔ اب کیا وہ عشاء کی نیت کر کے ان کے ساتھ نماز پڑھ لے یا اکیلا پڑھے؟

مطلق۔ع۔ا۔

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اگر وہ عشاء کی نیت سے ان کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب امام سلام پھیرے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے۔ جیسا کہ صحیحین میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے ہاں جا کر یہی عشاء کی نماز انہیں پڑھاتے اور اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند نہیں فرمایا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز ادا کرنے والا مقتدی ایسے امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے جو خود نفل ادا کر رہا ہو۔

نیز صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کی بعض صورتوں میں ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائی۔ پہلی بار کی آپ کی دو رکعت نماز آپ کے فرض تھے اور دوسری بار آپ کے نفل تھے جبکہ مقتدی اپنی فرض نماز ادا کر رہے تھے۔

کیا مسافر مقیم کی نماز میں امامت کرا سکتا ہے؟

سوال : اگر انسان سفر کرے اور یہ چاہتا ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کرے۔ وہ ایک مقیم کو پاتا ہے جو ظہر کی نماز ادا کر چکا ہے' تو کیا مقیم مسافر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا وہ اس کے ساتھ نماز قصر ادا کرے یا پوری کرے؟

ع-ن-ح- شقراء

جواب : اگر مقیم مسافر کے پیچھے طلب فضیلت کے لئے نماز پڑھے جبکہ وہ اپنا فریضہ ادا کر چکا ہے تو وہ مسافر کی طرح دو ہی رکعتیں ادا کرے گا' کیونکہ وہ اس کے لئے نفل ہیں البتہ جب مقیم مسافر کے پیچھے اپنی فرض نماز جیسے ظہر' عصر اور عشاء پڑھے تو وہ چار رکعت پڑھے گا اور دو رکعت کے بعد جب مسافر سلام پھیرے تو اسے لازم ہے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔

اور جب مقیم امام ہو اور مسافر اس کے پیچھے فرض نماز ادا کر رہا ہو تو مسافر بھی سب کے ساتھ پوری نماز ادا کرے گا۔ کیونکہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اسے چار رکعت پوری کرنا چاہئیں جیسا کہ امام احمد اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے مسافر کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ امام کے پیچھے چار رکعت ادا کرے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعت۔ پھر فرمایا: سنت یہی ہے۔

اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں عموم ہے :

«إنَّمَا جُعِلَ الإمامُ لِيُؤْتَمَّ به، فلاَ تختلِفُوا عليه.»

امام صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا اس کے خلاف نہ کرو۔

اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

کیا عورت مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہے؟

سوال : نوجوان باپردہ عورت جو شرعی اسلامی شعار اپنائے ہوئے ہو اور ماسوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے اپنا تمام جسم چھپائے ہوئے ہو' اگر وہ چاہے کہ تمام نمازیں مسجد میں ادا کرے تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے؟ اور کیا اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہی جائے؟

عبدالرحمٰن-م-ع-الریاض

جواب : اگر عورت شرعی حجاب اپنائے ہوئے ہو' اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھپائے ہوئے ہو' خوشبو وغیرہ نہ لگائی ہو اور اظہار زینت سے بچتی ہو تو اسے مسجد میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لاتمنعُوا إماءَ اللّٰهِ مساجدَ اللّٰه .»

اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

تاہم گھر میں نماز ادا کرنا ہی ان کے لئے افضل ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث مذکور ہے :

«وبُيوتُهنَّ خيرٌ لهنَّ»

اور ان کے گھر ہی ان کے لئے بہتر ہیں۔

ہماری مسجد کے پڑوس میں ایک چار دیواری شدہ احاطہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسے عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنادیں۔ کیا ان کے لئے مسجد کے امام کی اقتدا درست ہے؟

سوال : ہماری مسجد کی شمالی جانب ایک چار دیواری شدہ احاطہ ہے جو مسجد سے ملحق ہے۔ ہم رمضان میں نماز کی ادائیگی کے لئے اس احاطہ کو عورتوں کے لئے مخصوص کردیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ امام کو نہ دیکھ سکیں گی' فقط لاؤڈ سپیکر سے امام کی متابعت کرسکیں گی؟

ابو احمد

جواب : ایسی جگہ میں ان کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جہاں سے نہ تو وہ امام کو دیکھ سکیں اور نہ ان لوگوں کو جو امام کے پیچھے ہیں۔ وہ تو صرف تکبیر ہی سن سکتی ہیں لہٰذا احتیاط صورت یہی ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھروں میں ادا کریں۔ الا یہ کہ مسجد میں کوئی ایسی جگہ مل جائے جو نماز ادا کرنے والوں کے پیچھے ہو۔ یا کسی خارجی مکان میں نماز ادا کریں جس میں وہ خود امام ہوں یا کوئی مقتدی امام ہو۔

مسجد کی دو منزلیں ہوں' اوپر کی منزل میں مرد اور نچلی منزل میں عورتیں ہوں جو لاؤڈ سپیکر سے اقتداء کریں تو کیا ان کی نماز درست ہے؟

سوال : ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جو دو منزلہ ہے۔ اوپر کی منزل مردوں کے لئے ہے اور نچلی منزل عورتوں کے لئے۔ عورتیں مردوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتی ہیں جبکہ وہ نچلی منزل میں ہوتی ہیں اور مرد اوپر والی منزل میں۔ عورتیں نہ امام کو دیکھ سکتی ہیں اور نہ مردوں کی صفوں کو' بس درمیان میں مائکروفون ہے جس سے وہ تکبیر سن کر نماز ادا کرتی ہیں۔ اس صورت حال میں ان کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟

سائل از امریکہ (عبدالرحمٰن۔ ا۔ پاکستان)

جواب : مذکورہ صورت میں عورتوں کی نماز درست ہے۔ کیونکہ وہ سب مسجد میں ہیں اور لاؤڈ سپیکر کی آواز کے ذریعہ ان کے لئے اقتداء ممکن ہے۔ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے۔
اختلاف کی اہمیت صرف اس بات میں ہے جبکہ بعض مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور وہ نہ امام کو دیکھ سکتے ہوں اور نہ مقتدیوں کو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ہم جماعت بن کر جنگل کی طرف گئے تو کیا ہمارے لئے نماز قصر کرنا اور جمع کرنا جائز ہے ؟

سوال : ہم جماعت بن کر جنگل کی طرف گئے تو کیا ہمارے لئے نماز قصر کرنا اور اسے جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قاری

جواب : جس جگہ آپ گئے اگر وہ آپ کی قیام گاہ سے دور ہے تو آپ کا وہاں جانا سفر ہی سمجھا جائے گا۔ لہٰذا جمع اور قصر سے کوئی بات مانع نہیں۔ سفر میں قصر کرنا پوری نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ قصر یہ ہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں ادا کی جائیں۔ رہا جمع کرنے کا معاملہ تو یہ رخصت ہے اگر کوئی چاہے تو جمع کر لے اور چاہے تو نہ کرے۔ جمع یہ ہے کہ ظہر اور عصر اکٹھی ادا کرلی جائے اور مغرب اور عشاء اکٹھی کرلی جائے۔ جب مسافر مقیم ہو اور آرام سے ہو تو اس کے لئے جمع نہ کرنا افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دوران جب تک منیٰ میں اقامت پذیر رہے آپ نماز قصر تو کرتے رہے مگر جمع نہیں کی۔ آپ نے جمع صرف عرفہ اور مزدلفہ میں کی جبکہ اس کی ضرورت تھی اور جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لئے محتاط صورت یہی ہے کہ قصر نہ کرے بلکہ چار چار رکعت ادا کرے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ہاں جب اقامت چار دن یا اس سے کم ہو تو قصر افضل ہے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

نماز جمعہ

نماز جمعہ کی صحت کے لئے کم از کم کتنے آدمی ہونا چاہئیں ؟

سوال : نماز جمعہ اور خطبہ کے قیام کے لئے کم از کم کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟

محمد۔ب۔ا۔ابہا

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ ایک امام اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ جب کسی بستی میں تین ایسے آدمی موجود ہوں جو شرعاً مکلف، آزاد اور اس بستی کے رہنے والے ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں، ظہر نہ پڑھیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور

فرضیت پر دلالت کرنے والے دلائل تین اور اس سے زیادہ جتنے بھی آدمی ہوں سب پر عام ہے۔

میں نے پڑھا تھا کہ جمعہ کے قیام کے لئے ۴۰ آدمی ہونا شرط ہے اور الدعوۃ میں شائع ہوا کہ امام اور دو آدمیوں سے جمعہ ہو سکتا ہے۔ ان دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟

سوال : میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جمعہ قائم کرنے کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ چالیس ایسے آدمی ہوں' جن پر نماز فرض ہو۔

اور آپ کی طرف سے الدعوۃ میں فتویٰ شائع ہوا کہ ایک امام اور مزید دو آدمی ہوں تو جمعہ قائم کرنا چاہیے۔ ہم ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے کریں؟

مبارک۔ع۔ا

جواب : اہل علم کی ایک جماعت اس شرط کی قائل ہے کہ نماز جمعہ کی اقامت کے لئے چالیس آدمی ہونا چاہئیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں لیکن راجح تر قول یہی ہے کہ چالیس سے کم تر کے لئے جمعہ کی اقامت جائز ہے اور آدمیوں میں کم تر تین ہی ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے فتویٰ کے سوال میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے . . . کیونکہ چالیس آدمیوں کی شرط کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اور جس حدیث میں چالیس آدمیوں کی شرط آئی ہے' وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

مسجد میں میری جمعہ کی نماز فوت ہو گئی۔ کیا اب میں گھر میں دو رکعتیں ادا کروں؟

سوال : میں مسجد میں جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا نہیں کر سکا' کیا اب میں گھر میں جمعہ کی نیت سے دو رکعتیں ادا کروں یا ظہر کی نیت سے چار رکعتیں ادا کروں؟ نھار۔س۔ن

جواب : جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً مرض یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر نماز جمعہ میں مسلمانوں کے ساتھ حاضر نہیں ہو سکا' وہ ظہر ادا کرے گا۔ اسی طرح عورت بھی ظہر ادا کرے گی اور مسافر اور بستی کے رہنے والے بھی ظہر ادا کریں گے جیسا کہ سنت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اہل علم کا عام قول یہی ہے اور جو شخص ان سے الگ رائے اختیار کرے' اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

کیا دیہاتوں اور سفر میں بھی نماز عید ادا کرنا مشروع ہے؟

سوال : ایک دفعہ میں اپنے ملک افریقہ کی ایک بستی ریف میں گیا۔ اتفاق سے وہاں عیدالاضحیٰ کا دن آگیا۔ میں نے مردوں، عورتوں سب لوگوں کو دیکھا کہ وہ قبروں کی زیارت کے لئے ایک مقبرہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ عید کے دن صبح کو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سب حاضرین مقبرہ میں نماز ادا کرنے جا رہے ہیں۔ ان کے آگے آگے ایک بوڑھا تھا، جس نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ ایک میں باقی رہ گیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس پر حیران و پریشان کھڑا تھا۔ ان کے ساتھ میں نے یہ نماز نہیں پڑھی جسے وہ نماز عید کا نام دیتے تھے۔
ایسی نماز کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ اہل الریف، جہاں میں گیا تھا، وہاں نہ کوئی مسجد ہے اور نہ جامع . . . یہ لوگ خیموں میں ایک دوسرے سے الگ الگ رہتے ہیں۔
نوٹ : یہ جو میں نے کہا ہے کہ انہوں نے مقبرہ میں نماز پڑھی تو اس کا مطلب ہے کہ مقبرہ کے قریب نماز پڑھی . . . جو قبروں سے کافی دور تھا۔

محمد۔ع۔ا۔ تونس

جواب : الحمد للہ رب العالمین۔ نماز عید صرف شہروں اور بستیوں میں قائم کی جاتی ہے۔ اس کا چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور سفر میں قائم کرنا مشروع نہیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر میں یا کسی چھوٹے سے گاؤں میں عید کی نماز ادا کی ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع ادا فرمایا تو آپ نے نماز جمعہ نہیں پڑھی حالانکہ وہ دن جمعہ کا دن تھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں عید کی نماز بھی نہیں پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ مجسم خیر و سعادت تھے، نے بھی نماز عید نہیں پڑھی۔

نماز سے متعلق احکام

پتلون کے ساتھ نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : پتلون پہن کر نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ جب یہ پہن کر نماز ادا کرتے ہیں تو ان کے ستر کے کچھ مقامات واضح ہو جاتے ہیں' بالخصوص نماز میں رکوع اور سجود کے وقت؟

عبداللہ - م - الریاض

جواب : جب پتلون' جو کہ پاجامہ ہی ہوتا ہے' مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو چھپانے والی ہو' کھلی ہو' تنگ نہ ہو تو اس میں نماز درست ہے اور افضل یہ ہے کہ اس پتلون کے اوپر قمیص ہو' جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کو ڈھانک لے اور نصف پنڈلی یا ٹخنوں تک آجائے اس طرح مقامات ستر پوری طرح ڈھک جائیں گے۔ ساتر تہبند میں نماز ادا کرنا پاجامہ میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے جبکہ اوپر ساتر قمیص نہ ہو کیونکہ ستر کے لئے تہبند پاجامہ سے زیادہ پردہ والی چیز ہے۔

باقی فرض نمازوں کو چھوڑ کر مغرب' عشاء اور فجر میں ہی بلند آواز سے قراءت کیوں مشروع ہے؟

سوال : باقی فرض نمازوں کو چھوڑ کر مغرب' عشاء اور فجر کی نمازوں میں ہی بلند آواز سے تلاوت کیوں مشروع ہے اور اس کی کیا دلیل ہے؟

ا - ح - ع

جواب : یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مغرب' عشاء اور فجر میں بلند آواز سے قراءت میں کیا حکمت ہے۔ غالب گمان یہ ہے اور صحیح بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' غالباً اس میں حکمت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نسبت ان اوقات میں لوگوں کے مشاغل کم ہوتے ہیں اور ان اوقات میں وہ کلام اللہ سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کب ادا کی جائیں ؟

سوال : میں ہمیشہ نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور میں نے ابھی تک فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی ہوتیں . . . کیا میرے لئے گنجائش ہے کہ نماز پوری ہونے کے بعد' یعنی جب امام سلام پھیرے' میں دو رکعت سنت فجر پڑھ لوں؟ اور اگر میں سورج کے طلوع ہونے تک انتظار کروں تو کیا میرا اجر کچھ کم ہو جائے گا؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث

میں آیا ہے۔

عبدالرحمٰن۔م۔ع۔الریاض

جواب : جب کوئی مسلمان جماعت سے پہلے فجر کی سنتیں ادا نہ کرسکے تو اسے ان کی ادائیگی میں اختیار ہے کہ نماز کے بعد فوراً ادا کرلے یا سورج بلند ہونے تک تاخیر کرلے۔ کیونکہ دونوں باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ تاہم سورج بلند ہونے تک تاخیر کرنا افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا تھا۔ رہا نماز کے فوراً بعد ادا کرنے کا مسئلہ تو یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ثابت ہے۔ کسی شخص نے نماز کے بعد سنتیں ادا کیں تو آپ خاموش رہے۔

میں نے نذر مانی تھی کہ جب میرے پاؤں کو آرام آگیا تو دس رکعت نفل ادا کروں گا اب میں وہ ایک ہی دفعہ پڑھ لوں یا دو دو کرکے مختلف اوقات میں؟

سوال : میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے نذر مانی تھی کہ جب میرے پاؤں کو درد سے آرام آگیا تو دس رکعت نماز ادا کروں گا۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ کیا صورت جائز ہے۔ میں ہر روز دو دو رکعت ادا کرکے یہ پانچ دنوں میں پورے کروں یا یہ ضروری ہے کہ میں یہ دس رکعت ایک ہی وقت میں یعنی ایک ہی دن ادا کروں؟ مجھے مستفید فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مستفید فرمائے۔

ع۔م۔س۔ت۔الریاض

جواب : جب مذکورہ شرط پوری ہوگئی' جو کہ درد سے آرام تھا' تو اب آپ کے لئے فوراً اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ آپ نہی کے اوقات کو چھوڑ کر کسی بھی وقت یہ نفل دو دو کرکے پڑھیں۔ ہر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیریں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« صلاةُ اللَّيلِ والنَّهارِ مَثْنى مَثْنى »

رات اور دن کی نماز دو دو رکعتیں کرکے پڑھی جائیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ نَذَرَ أنْ يُطيعَ اللّهَ ، فلْيُطِعْه ، ومَنْ نَذَرَ أنْ يَعصِيَ اللّه ، فلايَعصِه »

جس شخص نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اسے چاہئے کہ اطاعت کرے (نذر پوری کرے) اور جس نے نذر مانی کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا' اسے چاہئے کہ نافرمانی نہ کرے (یعنی ایسی نذر پوری نہ کرے)۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

جس گھڑی میں تصویر ہو اسے پہنے ہوئے نماز کا حکم؟

سوال : بعض گھڑیوں کے اندر بعض جانداروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ایسی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ یا اگر صلیب کی تصویر ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

ابراہیم۔س۔ منطقہ الجنوب

جواب : جب تصویر گھڑی کے اندر چھپی ہوئی ہو' جو دیکھی نہ جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں . . . مگر جب تصویر گھڑی کے باہر کی طرف ہو یا کھولنے سے نظر آجاتی ہو تو نماز جائز نہ ہوگی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

« لاتدَعْ صُورةً إلاَّ طَمَسْتَها »

جو تصویر بھی دیکھو اسے مٹا دینا۔

یہی صورت صلیب کی ہے۔ جس گھڑی میں صلیب کی تصویر ہوگی اسے پہنے ہوئے نماز جائز نہ ہوگی۔ الا یہ کہ اسے کھرچ دیا جائے یا پینٹ وغیرہ سے مٹا دیا جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ :

«أنَّه كانَ لايرَى شيئاً فيه تَصْليبٌ إلاَّ نقضَه . وفي لَفظٍ : إلاَّ قَضَّبَه »

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بھی دیکھتے جس میں صلیب کا نشان ہوتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے توڑ دیتے اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

کیا ہفتہ میں دو یا تین بار قرآن کی کسی سورت کا تکرار جائز ہے؟

سوال : کیا ایک ہفتہ میں دو' تین یا اس سے زیادہ دفعہ قرآن کی کسی سورت کا تکرار جائز ہے؟

م۔م۔ا۔ الریاض

جواب : ہفتہ میں کیا ایک دن میں سورت کا تکرار جائز ہے اور اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں بلکہ ایک ہی نماز کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد اسی سورت کو دوسری رکعت میں دہرایا جائے تو بھی نماز جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے پہلی اور دوسری رکعتوں میں سورۃ إذا زلزلت پڑھی تھی۔

نماز تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

سوال : میں نے اس سال رمضان میں دیکھا' اور یہ پہلی بار تھی کہ میں نے منطقہ حائل میں نماز تراویح ادا کی' کہ امام قرآن مجید پکڑ کر اس سے پڑھتا ہے۔ پھر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ پھر دوسری رکعت میں پکڑ لیتا ہے تا آنکہ نماز تراویح پوری کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے رمضان کے آخری عشرہ کے دوران نماز تراویح کے سلسلہ میں کیا اور یہ بات جس نے میری توجہ مبذول کی' جو کہ حائل کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے پچھلے سال میں نے مدینہ منورہ میں نماز تراویح ادا کی تھی۔ وہاں میں نے یہ صورت نہیں دیکھی۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا؟ ورنہ اسے نئی بدعت سمجھا جائے گا' جسے نہ صحابہ نے کیا اور نہ ہی تابعین میں سے کسی نے کیا۔ پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ آیا تھوڑا قرآن اور چھوٹی سورت پڑھنا مگر منہ زبانی پڑھنا' قرآن سے دیکھ کر اس زیادہ پڑھنے سے افضل نہیں' جس سے مقصد یہ ہو کہ امام ہر روز ایک پارہ پڑھ کر مہینہ کے آخر تک قرآن کو ختم کر سکے۔ اگر یہ کام جائز ہے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کیا دلیل ہے؟

محمد۔م۔ح۔حائل

جواب : نماز تراویح میں قرآن کو دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں سارا قرآن مقتدیوں کو سنایا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ کتاب و سنت کے جو دلائل شرعیہ نماز میں قرآن کی قراءت کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں' وہ منہ زبانی قراءت اور مصحف کو دیکھ کر قراءت' دونوں کو عام ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ نماز تراویح میں امامت کرائیں اور وہ قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ جس کی سند مذکور نہیں۔

کیا سورج طلوع ہونے پر نماز چاشت جائز ہے؟

سوال : جو شخص نماز فجر کے بعد مسجد میں رہے' کیا اسے جائز ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے پر چاشت کی نماز کی دو رکعت ادا کرلے۔ اس نماز کی ادائیگی کا مشروع اور مسنون وقت کیا ہے؟

صلاح۔س۔ا۔منطقہ جنوبیہ

جواب : نماز چاشت کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج نیزہ بھر بلند ہو جائے اور زوال سے قبل تک باقی رہتا ہے اور افضل وقت وہ ہے جب دھوپ تیز ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وقت کے متعلق فرمایا :

« صلاةُ الأوّابين حينَ تَرمُضُ الفِصَالُ »

صلوۃ اوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹوں کے بچے اپنے قدموں (ٹاپ) تلے تپش کو محسوس کریں۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور "ترمض" کے معنی ہیں جب سورج کی گرمی تیز ہو جائے اور فصال' فصیل کی جمع ہے۔ بمعنی اونٹوں کے بچے۔ اور جو شخص مسجد میں رہے اس کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ جب سورج بلند ہو جائے' اس وقت دو یا زیادہ رکعتیں ادا کرے۔ کیونکہ اس بارے کی احادیث میں یہی بات مذکور ہے۔

کیا نمازی فرض نماز میں دعا کر سکتا ہے؟

سوال : کیا نمازی کے لئے اپنی فرض نماز میں دعا کرنا جائز ہے؟ مثلاً ارکان بجالانے کے بعد' جیسے سجدہ میں سبحانَ اللّٰه کے بعد اللّٰهمَّ اغفِرْ لي وارْحَمْنِي ، وغيرُ ذلك .

فہد۔ع۔ع۔الریاض

جواب : مومن کے لئے مشروع ہے کہ وہ اپنی نماز میں دعا کے مقامات پر دعا کرے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہو۔ نماز میں دعا کے مقامات یہ ہیں۔ سجدہ میں اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور نماز کے آخری تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں مغفرت طلب کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے "اے اللہ مجھے بخش دے' مجھ پر رحم فرما' مجھے راہ راست پر قائم رکھ' میری اصلاح فرما' مجھے رزق عطا فرما اور مجھے امن میں رکھ" نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أمَّا الرُّكوعُ فعظِّمُوا فيه الرَّبَّ ، وأمَّا السُّجودُ فاجتهِدُوا في الدُّعاء، فقَمِنٌ أنْ يُستَجابَ لكُم »

رکوع میں اپنے پروردگار کی عظمت بیان کیا کرو اور سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔ پس لائق ہے کہ تمہاری دعا قبول ہو جائے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔ نیز مسلم ہی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أقربُ ما يكونُ العبدُ من ربّه وهو ساجدٌ، فأكثِرُوا الدُّعاء »

بندہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو۔ لہٰذا سجدہ میں دعا زیادہ کیا کرو۔

اور صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد سکھلایا تو فرمایا : "پھر جو سوال تم اللہ سے چاہو کرو"۔ اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں : "پھر جو دعا تمہیں پسند ہو اور اچھی لگے' وہ کرو" اور اس معنی میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں' جو ان مقامات میں دعا کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں' جو دعا بھی مسلمان پسند کرتا ہو خواہ یہ دعا آخرت سے متعلق ہو یا دنیوی مصالح سے متعلق ہو مگر شرط یہ ہے کہ یہ دعا کسی گناہ کے کام اور قطع رحمی سے متعلق نہ ہو اور افضل یہ ہے کہ اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور دعائیں ہی مانگے۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وارد ہے کہ آپ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا فرمایا کرتے تھے؟

سوال : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد دعا میں اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے؟ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مجھے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔

مریم - م - الریاض

جواب : جو کچھ ہمیں معلوم ہے' وہ یہ ہے کہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا کیا کرتے تھے اور جو بعض لوگ فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے' جس کی کوئی اصل نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ عمِلَ عملاً ليسَ عليه أمرُنا فهُوَ رَدٌّ »

جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں وہ مردود ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ۔ ۔ ۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أحدثَ في أمرِنا هذا ما ليسَ منه فهو ردّ» (متّفقٌ عليه).

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ)

تشہد میں سبابہ کو حرکت دینے سے متعلق سنت کیا ہے؟

سوال : میں دیکھتا ہوں کہ تشہد پڑھنے کے دوران یعنی نمازی اپنی سبابہ کو دائیں بائیں اور بعض لوگ اوپر نیچے کی طرف حرکت دیتے ہیں۔ کبھی یہ حرکات جلد جلد اور متواتر ہوتی ہیں اور کبھی کچھ وقفہ کے بعد۔ بعض دوسرے اپنی انگلی اٹھاتے تو ہیں مگر اسے حرکت نہیں دیتے اور کچھ اور لوگ ہیں جو ایک بار بھی اپنی انگلی نہیں اٹھاتے۔

عبدالرزاق ۔ ح ۔ ا ۔ الدمام

جواب : تشہد کے وقت نمازی کے لئے سنت یہ ہے کہ اپنی سب انگلیاں بند رکھے' یعنی دائیں ہاتھ کی انگلیاں اور اللہ کے ذکر اور دعا کے وقت سبابہ سے اشارہ کرے اور اسے حرکت دے۔ یہ حرکت خفیف اور توحید کے لئے ہو اور اگر چاہے تو چھنگلی اور ساتھ والی انگلی دونوں کو بند رکھے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔ رہا بایاں ہاتھ تو اسے اپنی بائیں ران پر رکھے۔ ہاتھ کھلے اور انگلیاں قبلہ کی طرف پھیلی ہوئی ہوں اور اگر چاہے تو ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھ لے۔ یہ دونوں صورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درست ثابت ہیں۔

ایک شخص تسبیحات صرف اپنے دائیں ہاتھ پر گنتا ہے اور کہتا ہے کہ سنت یہی ہے آپ کا کیا خیال ہے؟

سوال : ایک نوجوان نے ہماری امامت کرائی اور نماز کے بعد صرف اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیحات پڑھنے لگا۔ اس سے بعض نمازی حیران ہوئے اور انہوں نے اس کے متعلق اس نوجوان سے پوچھا تو وہ کہنے لگا: سنت یہی ہے۔ توقع ہے کہ آپ اس بات کی صحت سے متعلق ہمیں مستفید فرمائیں گے۔

مطلق ۔ ع ۔ ا ۔ الخرج

جواب : جو کچھ امام نے کیا وہی درست ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیحات گنا کرتے تھے اور جو شخص دونوں ہاتھوں پر گنتا ہے تو اکثر احادیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تاہم دائیں ہاتھ پر تسبیحات پڑھنا افضل ہے کیونکہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔

تسبیح پر تسبیحات پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : تسبیح پر تسبیحات پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ تسبیح پر پڑھنے کا مقصد مقدار کی گنتی ہو؟
خالد - ی - مکہ المکرمہ

جواب : تسبیح کا ترک بہتر ہے۔ اسے بعض اہل علم نے ناپسند کیا ہے۔ تسبیح انگلیوں پر ہی افضل ہے۔ جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ "تسبیح و تحلیل انگلیوں پر کی جائے"۔ نیز فرمایا کہ انگلیاں عنداللہ مسئول ہوں گی اور انہیں زبان عطا کی جائے گی"۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نکالا ہے۔

سجود السہو

جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو میرا ذہن منتشر ہوتا ہے

سوال : جب بھی نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو میرا ذہن منتشر ہو جاتا ہے اور بہت سی سوچیں آنے لگتی ہیں اور میرے سلام پھیرنے تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ میں دوبارہ نماز ادا کرتی ہوں تو بھی وہی پہلی سی حالت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ پہلا تشہد بھول جاتی ہوں اور مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی رکعت ادا کی ہیں۔ جس سے میرا اضطراب اور اللہ تعالیٰ سے خوف بڑھ جاتا ہے۔ پھر میں سجدہ سہو کر لیتی ہوں۔
آپ سے استفادہ کی توقع ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ! ایک مسلمان عورت

جواب : وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنی نماز کی حفاظت کریں۔ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اس میں اطمینان پیدا کریں تا کہ علی وجہ البصیرت نماز ادا کر سکیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴾

ان مومنوں نے فلاح پالی جو اپنی نماز میں ڈرنے والے ہیں۔ (المومنون : ۱-۲)

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے نماز پوری طرح نہ پڑھی تھی اور نہ اس میں تسلی کی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا :

« إذا قُمتَ إلى الصَّلاة فاسبغ الوضُوءَ، ثمَّ استقبل القبلةَ، فكبِّر، ثمَّ اقرأ بما تيسَّر معكَ منَ القرآن، ثمَّ اركعْ حتّى تطمئنَّ راكعاً، ثمَّ ارفعْ حتّى تعتدلَ قائماً، ثمَّ اسْجُدْ حتّى تطمئنَّ ساجداً، ثمَّ ارفعْ حتّى تطمئنَّ جالساً، ثمَّ اسجُدْ حتّى تَطمَئِنَّ ساجداً، ثمَّ افعلْ ذلِك في صلاتِك كلّها »

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کرو۔ پھر تکبیر کہو' پھر قرآن سے جس قدر آسانی سے پڑھ سکو' پڑھو۔ پھر رکوع کرو حتیٰ کہ تمہیں رکوع کرتے ہوئے اطمینان ہو جائے۔ پھر اوپر اٹھو حتیٰ کہ تم پوری طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدہ کرنے میں تمہیں اطمینان ہو جائے۔ پھر اٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ تمہیں سجدہ کرنے میں اطمینان ہو جائے پھر اپنی ساری نماز کو اسی طرح مکمل کرو۔

جب آپ جانتی ہیں کہ آپ نماز میں کھڑی اور اللہ سبحانہ کے سامنے مناجات کر رہی ہیں تو یہ باتیں آپ کو نماز میں خشوع اور اس کی طرف متوجہ رہنے کی دعوت دیتی ہیں اور شیطان کو آپ سے دور رہنے اور اس کے وسوسوں سے سلامتی کا باعث بنتی ہیں اور جب نماز میں بکثرت وسوسے آنے لگیں تو اپنی دائیں طرف تین بار تھوک دیں اور تین بار شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ اس طرح انشاء اللہ وہ تم سے پرے ہٹ جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایسا ہی حکم دیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! شیطان میری نماز میں شک وشبہ ڈال دیتا ہے۔

ان وسوسوں کی وجہ سے آپ کے لئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں' بلکہ صرف سجدہ سہو کر لیں جبکہ وہ واجب ہو مثلاً بھولے سے تشہد رہ گیا ہو یا مثلاً رکوع اور سجود میں تسبیح رہ گئی ہو۔

اور جب یہ شک پیدا ہو کہ مثلاً نماز ظہر کی تین رکعت ادا کی ہیں یا چار' تو انہیں تین شمار کر کے نماز مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے نکال لو اور مغرب کی نماز میں شک پیدا ہوا کہ رکعت دو ادا کی ہیں یا تین تو انہیں دو شمار کر کے نماز مکمل کرو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے نکال لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس بات کی توفیق دے' جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

جب امام کو یا اکیلے نمازی کو رکعتوں کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے تو کیا کرے؟

سوال : جب چار رکعت والی نماز میں امام کو شک پڑ جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ تین رکعت ادا کی ہیں یا چار اور سلام کے بعد کوئی مقتدی خبر دے کہ اس نے تو تین ہی رکعت ادا کی ہیں۔ اس صورت میں کیا امام چوتھی رکعت کے لئے تکبیر تحریمہ کہے گا یا بغیر تکبیر کے فقط سورہ فاتحہ پڑھے گا . . . نیز سجود سہو کا موقع کونسا ہے۔ سلام سے پہلے یا اس کے بعد؟ قاری

جواب : جب امام کو یا اکیلے نمازی کو چار رکعت والی نماز میں شک پیدا ہو جائے کہ آیا اس نے تین

رکعت پڑھی ہیں یا چار تو اس پر لازم ہے کہ وہ یقینی بات کو بنیاد بنائے اور وہ کم رکعت ہی ہو سکتی ہیں گویا انہیں تین شمار کر کے چوتھی ادا کرلے۔ پھر سلام سے پہلے سجدہ سہو نکالے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إذا شكَّ أحدُكم في الصَّلاة فلمْ يَدْرِ كمْ صلَّى: ثلاثاً أم أربعاً، فليطرَحِ الشَّكَّ، وليَبْنِ على ما استَيقنَ، ثمَّ ليسجُدْ سجدتَين قبلَ أنْ يسلِّمَ . فإنْ كانَ صلَّى خمساً شفعنَ له صلاتَه، وإنْ كانَ صلَّى تماماً كانتَا ترغيماً للشيْطان »

جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑجائے اور نہ جانتا ہو کہ تین رکعت ادا کی ہیں یا چار تو شک کو نکال پھینکیں اور نماز کی بنا اس بات پر رکھیں جو یقینی ہو۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے نکال لیں۔ اگر پانچ رکعت پڑھ لیں تو یہ سجدے نماز کو جوڑا بنادیں گے اور اگر نماز پوری ہوئی تو یہ سجدے شیطان کو خاک آلود کریں گے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور اگر اس نے تین رکعت کے بعد سلام پھیردیا۔ پھر اسے اس بات کی خبر دی گئی تو وہ نماز کی نیت سے بلا تکبیر اٹھ کھڑا ہو اور چوتھی رکعت ادا کرے پھر تشہد کے لئے بیٹھ جائے اور تشہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور دعا کے بعد سلام پھیرے۔ پھر اس کے بعد سہو کے دو سجدے نکالے۔ پھر سلام پھیرے۔ یہی طریقہ نماز میں ہر طرح کی بھول کے نقص کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی دو رکعت ادا کر کے سلام پھیردیا۔ ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا تو آپ اٹھے' اپنی نماز مکمل کی' پھر سلام پھیرا' پھر سہو کا سجدہ کیا' پھر سلام پھیرا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے عصر کی نماز میں تین رکعت کے بعد سلام پھیردیا۔ پھر جب آپ کو بتلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی رکعت پڑھی پھر سلام پھیرا۔ پھر سہو کے دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا۔

ہم پچھلے تشہد میں تھے کہ امام نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور بعض لوگ سجدہ میں چلے گئے کیا ان پر سہو کے سجدے ہیں؟

سوال : ہم باجماعت نماز مغرب ادا کر رہے تھے۔ تیسری رکعت میں آخری تشہد کے دوران امام نے تکبیر کہی اور ایک اور رکعت ادا کرنے کے قصد سے کھڑا ہو گیا۔ بعض مقتدیوں کو امام کے کھڑا ہونے کا پتہ نہ چلا اور وہ یہ سمجھ کر سجدہ میں چلے گئے کہ شاید امام نے سہو کے سجدوں کے لئے تکبیر کہی ہے۔ جب انہوں نے سر اٹھایا تو امام کو دیکھا کہ وہ "سبحان اللہ" سن کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر امام نے سہو کے دو سجدے نکالے۔

سلام کے بعد بعض نمازیوں پر واضح ہو گیا کہ انہوں نے تین سجدے نکالے ہیں۔
اس صورت حال میں نماز کا کیا حکم ہے؟
اور بعض مقتدیوں کے تیسرے سجدہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

علی۔ا

جواب : جن نمازیوں نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ امام نے سجدہ سہو کے لئے تکبیر کہی سجدہ کیا' تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ان کی نماز درست ہے کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر نماز میں زیادتی نہیں کی۔ اپنے اعتقاد کے مطابق تو انہوں نے امام کی متابعت میں ہی یہ سجدہ کیا تھا۔

سورہ فاتحہ کی قراءت میں شک والی نماز کا حکم

سوال : میں اپنی نماز کے دوران بھول گیا کہ میں نے سورہ فاتحہ کی قراءت کی ہے یا نہیں۔ تو کیا اب میں سہو کے سجدے نکالوں؟ نیز سہو کے سجدوں میں کیا پڑھنا چاہیے؟ اور جب غالب گمان یہی ہو کہ میں نے سورہ فاتحہ پڑھی تھی تو کیا پھر بھی سجدہ سہو کے سجدے کروں؟

ابراہیم۔ س۔ منطقہ الجنوب

جواب : جب اکیلے نمازی یا امام کو سورہ فاتحہ کی قراءت میں شک پڑ جائے تو پھر وہ رکوع میں جانے سے پہلے سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھ لے اور اس پر سجود سہو نہیں ہیں . . . البتہ اگر نماز سے فراغت کے بعد شک پڑ جائے تو اس طرف توجہ نہ کرے اور اس کی نماز درست ہے۔
سہو کے سجدوں میں بھی وہی کچھ پڑھنا مشروع ہے جو نماز کے سجدوں میں پڑھنا مشروع ہے یعنی دعا اور قول شُبحَانَ رَبِّيَ الأعلى اور اس کے علاوہ دوسری دعائیں۔

نماز کے دوران مجھے قراءت اور تکبیر میں شک ہوتا رہتا ہے۔ مجھے یہ بھی شک پڑ جاتا ہے کہ آیا میں نے سورہ فاتحہ پڑھی ہے؟ اس حال میں کیا میری نماز درست ہے؟

سوال : میری مشکل یہ ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں' قبلہ رخ ہوتا ہوں اور تکبیر تحریمہ کہتا ہوں تو مجھے شک پڑنے لگتا ہے کہ آیا میں نے تکبیر تحریمہ کہی ہے؟ میں دوبارہ تکبیر کہتا ہوں۔ اس کے بعد میں فاتحہ پڑھتا ہوں تو بھول جاتا ہوں اور نئے سرے سے دوبارہ پڑھتا ہوں۔ خاص کر جب میں امام کے ساتھ ہوتا ہوں تو یہ صورت پیش آتی ہے۔
کیا اندریں صورت حال میری نماز صحیح ہے؟ میں سہو سے بچنے کے لئے کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمایئے۔

اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے۔

عبداللہ۔م

جواب : جو صورت حال آپ نے بیان کی ہے' آپ کی نماز درست ہے لیکن آپ کو وساوس سے بچنا چاہیے اور یہ اس صورت میں ہو گا کہ آپ سمجھیں کہ آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور جب آپ نماز میں شامل ہوں تو اللہ کی عظمت کو پیش نظر رکھیں اور اپنے دل کو اس پر مطمئن کریں۔ ساتھ ہی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ اس طرح انشاء اللہ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے۔ شیطان خاک آلود ہو گا اور آپ کا پروردگار راضی ہو گا۔

جب کسی کو یہ شک پڑ جائے کہ آیا اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں' تو کیا کرے؟

سوال : جب نمازی کو اس بات میں شک پڑ جائے کہ آیا اس نے نماز ادا کی ہے یا نہیں . . . تو پھر کیا کرے؟ خواہ یہ شک نماز کے وقت میں ہو یا خارج میں ہو؟

عمر۔م۔ا۔الریاض

جواب : جب فرض نمازوں میں سے کسی نماز میں بھی ایک مسلمان کو شک پڑ جائے کہ آیا وہ اسے ادا کر چکا ہے یا نہیں؟ . . . تو اس پر واجب ہے کہ جلد از جلد اس کی ادائیگی کرے کیونکہ حقیقتاً واجب چیز ابھی اس کے ذمہ ہے۔ لہذا اس کے لئے جلدی کرے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ نامَ عن الصَّلاة أو نَسِيَها، فلْيُصلِّها إذا ذَكَرَها؛ لاكفَّارةَ لها إلاَّ ذلكَ »

جو شخص نماز کے وقت سویا ہوا تھا یا اسے بھول گیا تو اسے چاہیے کہ جب اسے یاد آجائے' نماز ادا کرے۔ یہی اس کا کفارہ ہے۔

مسلم پر واجب ہے کہ وہ نماز کا خاصا اہتمام کرے اور اس کا بھی کہ وہ باجماعت نماز کی ادائیگی پر حریص ہونا چاہیے اور اسے کسی ایسے کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے جو اسے نماز ہی کو بھلا دے کیونکہ نماز ہی اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد اہم فریضہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ حَـٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴾

تمام نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی محافظت کرو اور اللہ کے حضور فرمانبردار بن کر کھڑے ہو۔ (البقرہ : ۲۳۸)

نیز فرمایا :

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُوا۟ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (البقرہ : ۴۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« رأسُ الأمرِ الإسلامُ، وعَمُودُه الصَّلاةُ ، وذِرْوةُ سَنامِه الجهادُ في سبيلِ اللّه »

امور دین کا اصل اسلام (شہادتین) ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بُنِيَ الاسلامُ على خمسٍ: شهادةِ أنْ لا إلهَ إلا اللّهُ وأنَّ محمداً رسولُ اللّه، وإقامِ الصَّلاة، وإيتاءِ الزَّكاة، وصوم رمَضانَ، وحجِّ البيت »

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ یہ شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

اور نماز کی عظمت شان اور اس کی محافظت کے واجب ہونے پر بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں۔

مکروہات نماز

ایک حدیث ہے "جس نے پیاز یا لسن یا گندنا کھایا" وہ تین دن تک ہماری مسجدوں میں نہ آئے" میں اس کے معنی سمجھنا چاہتا ہوں۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے پیاز یا لسن یا گندنا کھایا وہ تین دن تک ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے اذیت پہنچتی ہے۔ جن سے بنی آدم کو پہنچتی ہے"۔ یا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو :

کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز کھانے والے کے لئے مسجد میں نماز جائز نہیں تا آنکہ یہ مدت گزر جائے۔ یا یہ سمجھا جائے کہ جو شخص نماز با جماعت کا التزام چاہتا ہو اس کے لئے یہ چیزیں کھانا ناجائز ہیں؟

ابراہیم ۔ ع ۔ ج

جواب : یہ حدیث اور اسی معنی کی دوسری صحیح احادیث نماز با جماعت میں مسلمان کی حاضری کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں جب تک کہ اس کی بو محسوس ہوتی ہو جو آس پاس والوں کو ناگوار ہو۔ خواہ یہ بو لسن کھانے سے ہو یا پیاز کھانے سے یا گندنا سے یا کسی دوسری بدبودار چیز ہو۔ جیسے تمباکو نوشی۔ یہاں تک کہ اس کی بو زائل ہو جائے . . . معلوم ہونا چاہیے کہ تمباکو نوشی بدبو کے علاوہ اور بھی کئی نقصانات کی وجہ سے حرام ہے۔ اس کا گندا ہونا معروف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۃ اعراف میں فرمایا ہے :

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبَٰٓئِثَ﴾

اور وہ رسول ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔

(اعراف : ۱۵۷)

اس چیز پر اللہ تعالیٰ کا وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو سورہ مائدہ میں ہے :

﴿يَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمۡۖ قُلۡ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَٰتُ﴾

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ پاکیزہ چیزیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔(المائدہ : ۴)

اور یہ تو واضح ہے کہ تمباکو پاکیزہ چیز نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ امت پر حرام کردہ چیزوں میں سے ہے۔

رہی تین دن کی قید کی بات' تو میں اس کی کوئی اصل نہیں جانتا۔

اس حدیث :"عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں . . .

کی صحت کا درجہ کیا ہے؟

سوال : اس حدیث کی صحت کا درجہ کیا ہے "عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں اور نہ صبح کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز ہے مگر مکہ میں ــــ مگر مکہ میں ــــ مگر مکہ میں ــــ"؟

مطلق ـ ع ـ ا ـ الخرج

جواب : اِلاَّ بمکّۃ کی زیادتی کے ساتھ یہ حدیث ضعیف ہے۔ رہی اصل حدیث تو وہ صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لاصلاةَ بعدَ الصُّبحِ حتَّى تطلُعَ الشَّمسُ، ولاصلاةَ بعدَ العصرِ حتَّى تغيبَ الشَّمسُ»

صبح کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج نکل آئے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج غائب ہو جائے۔

لیکن علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس حدیث سے عموم سے سبب والی نمازیں مستثنیٰ ہیں جیسے نماز کسوف' نماز طواف اور تحیۃ المسجد۔ یہ نمازیں ادا کرنا مشروع ہیں خواہ نہی کے اوقات میں ہوں کیونکہ اس بارے میں جو صحیح احادیث وارد ہیں وہ اس عموم سے ان کے استثناء پر دلالت کرتی ہیں۔

کیا نماز میں منہ لپیٹنا یا دیوار سے ٹیک لگانا جائز ہے؟

سوال : کیا نماز میں منہ لپیٹنا یا دیوار یا ستون سے یا ایسی ہی کسی دوسری جگہ سے ٹیک لگانا جائز ہے؟

ابراہیم۔ س۔ المنطقۃ الجنوب

جواب : کسی سبب کے بغیر نماز میں منہ لپیٹنا مکروہ ہے' نہ ہی فرض نماز میں کسی دیوار یا ستون سے ٹیک لگانا جائز ہے۔ کیونکہ طاقت رکھنے والے نمازی پر بغیر ٹیک کے سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے۔

البتہ نفلی نمازوں میں ٹیک لگا لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہیں بیٹھ کر بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور ٹیک لگاتے ہوئے بھی۔ البتہ کھڑے ہو کر نفل ادا کرنا بیٹھ کر ادا کرنے سے افضل ہے۔

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جانتا کہ اس پر کیا ہے . . . کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : مجلۃ الدعوۃ نمبر ۸۲۸ مورخہ ۱۴ ربیع الاول الموافق ۱۱ جنوری ۱۹۸۲ عنوان فتاوی اسلامیہ سوال نمبر ۲ پڑھنے کے بعد :

آپ نے سنت سے جو دلیل پیش کی وہ حدیث ابو جہیم سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لو يعلَم المارُّ بين يدي المُصلِّي : ماذا عليه لكان أن يقِفَ أربعينَ ؛ خيرًا له من أن يمُرَّ بين يدَيه»

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جانتا ہوتا کہ اس پر کیا ہے تو "چالیس" ٹھہر جانا اس کے لئے اس سے بہتر تھا کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا کیا یہ حدیث صحیح لکھی گئی ہے یا اس میں کوئی خطا ہوئی ہے۔ جہاں اس میں یہ اشتباہ پایا جاتا ہے :

« أن يقِفَ خيرًا له من أن يمُرَّ »

مبارک۔ ع۔ م۔ ظہران الجنوب

جواب : یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ وہی ہیں جیسے سوال میں ذکر کئے گئے ہیں البتہ بعض کتب احادیث میں ماذا علیہ کے بعد من الاثم کے الفاظ زیادہ ہیں۔ اگرچہ الفاظ کی یہ زیادتی روایت کے لحاظ سے صحیح نہیں تاہم اس کے معنی درست ہیں۔

ایسے عوامی باغوں میں نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے جنہیں بدبودار پانی سے سیراب کیا جاتا ہے؟

سوال : عوامی باغوں میں نماز کا کیا حکم ہے۔ جن کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انہیں ایسے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے جس میں بدبو پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ میں یہ سمجھتا رہا کہ یہ پانی صاف کیا ہوا ہوتا ہے اور جاری چشمہ وغیرہ سے آتا ہے یا ایسے کنوؤں سے جن تک گندے کنوؤں کا پانی لایا جاتا ہے۔ کیا ایسے باغوں میں نماز ادا کرنے سے لوگوں کو محکمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف سے روکا جائے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ میں درست بات کی وضاحت فرمائیں گے۔

سعد ۔ ع ۔ ا ۔ الریاض

جواب : جب پانی میں بدبو پیدا ہو جائے تو ایسے باغ میں نماز درست نہیں کیونکہ نماز کی صحت کی شرائط میں سے ایک شرط اس جگہ کی طہارت بھی ہے جہاں مسلم نماز ادا کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی پاک موٹی چیز بطور پردہ ہو جائے۔ تو نماز درست ہوگی۔

اور مسلم کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان باغوں میں نماز ادا کرے۔

بلکہ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں جا کر نماز ادا کرے۔ جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے :

﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْءَاصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ ٱلزَّكَوٰةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ ٱللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا۟ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند (تعمیر) کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ لین دین۔ وہ اس دن سے خائف رہتے ہیں جب دل (خوف اور گھبراہٹ سے) الٹ جائیں گے اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی۔ تا کہ اللہ انہیں ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔

(النور : ۳۶-۳۷-۳۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ سمعَ النِّداءَ فلمْ يأتِ ؛ فلا صلاةَ له إلاَّ مِنْ عُذرٍ »

جس نے اذان کی آواز سنی، پھر مسجد نہ آیا، اس کی نماز ادا نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ کوئی شرعی عذر

17748

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أثقلُ الصَّلاة على المنافقين صلاةُ العشاء، وصلاةُ الفجر؛ ولو يعلَمون ما فيهما لأتَوهما ولو حَبْوا »

منافقوں پر بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا (گناہ یا ثواب) ہے تو وہ ضرور مسجد کو آتے خواہ سرین کے بل گھسٹ کر آتے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ سمعَ النِّداءَ فلمْ يأتِ ؛ فلا صلاةَ له إلاَّ منْ عذْر »

جس نے اذان کی آواز سنی پھر مسجد میں نہ آیا تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

اس حدیث کو ابن ماجہ، دار قطنی اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا آیا اور کہنے لگا : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی مسجد تک لانے والا نہیں۔ کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« هلْ تسمَعُ النِّداءَ بالصَّلاة؟ قالَ: نعَمْ ، قالَ: فأجِبْ »

کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ وہ کہنے لگا "ہاں" آپؐ نے فرمایا : "تو پھر مسجد میں آؤ"۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔ تو جب اندھے کے لئے جسے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ تھا، نماز باجماعت کے ترک کا عذر قبول نہ ہوا تو دوسروں سے کیسے ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اے سائل! آپ پر واجب ہے کہ اللہ عزوجل سے ڈرو اور فجر اور دوسری باجماعت نمازوں پر محافظت کرو اور رات کو جلد سوجایا کرو تاکہ تم فجر کی نماز کے لئے اٹھ سکو۔ آپ کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ کوئی شرعی عذر موجود ہو۔ جیسے مرض یا خوف۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق تھامنے اور اس پر جمے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نماز میں حرکتیں زیادہ کرتا ہوں جبکہ میں نے سنا ہے کہ حرکت نماز کو باطل کردیتی ہے۔ تو اب میں کیا کروں؟

سوال : میری مشکل یہ ہے کہ میں نماز میں زیادہ حرکتیں کرتا ہوں۔ جبکہ میں نے اس معنی میں ایک حدیث سنی ہے کہ نماز میں تین سے زیادہ حرکات نماز کو باطل کردیتی ہیں . . . اس حدیث کی صحت کا درجہ کیا ہے؟ اور میں نماز میں کس طرح ان فضول حرکتوں سے نجات حاصل کروں؟

عادل ۔ م ۔ ا

جواب : مومن کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کے سلسلے میں مستعد رہے اور نماز میں ڈرنے کے اثرات اس کے دل اور بدن میں ظاہر ہوں۔ خواہ یہ فرض نماز ہو یا نفل ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

وہ مومن فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں ڈرنے والے ہیں۔ (المومنون : ۱-۲)

اس پر لازم ہے کہ نماز اطمینان کے ساتھ ادا کرے اور یہ بات نماز کے ارکان و فرائض میں سے ہے کیونکہ جس شخص نے نماز کو بگاڑ کر ادا کیا اور اطمینان حاصل نہ کیا اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«ارجِعْ فصلِّ، فإنَّك لمْ تصلِّ»

واپس لوٹ آؤ اور نماز ادا کرو۔ کیونکہ تم نے نماز ادا نہیں کی۔

تین بار اس نے آپ کے یہی بات کہنے پر نماز پڑھی۔ پھر کہنے لگا : اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا' میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا مجھے سکھلا دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

«إذا قمتَ إلى الصَّلاة فأسبغ الوضوءَ، ثمَّ استقبل القبلةَ، فكبِّر، ثمَّ اقرأ ما تيسَّر معكَ من القرآن، ثمَّ اركعْ حتّى تطمئنَّ راكعاً، ثمَّ ارفعْ حتّى تعتدلَ قائماً، ثمَّ اسْجُدْ حتى تطمئنَّ ساجداً، ثمَّ ارفعْ حتّى تطمئنَّ جالساً، ثمَّ اسْجُدْ حتّى تطمئنَّ ساجداً، ثمَّ افعلْ ذلك في صلاتِك كلِّها»

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اچھی طرح اور پوری طرح وضو کرو پھر قبلہ رخ ہو جاؤ' پھر تکبیر کہو پھر جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو' پڑھو۔ پھر ایسے رکوع کرو کہ تمہیں اپنے رکوع پر اطمینان ہو۔ پھر سر اٹھاؤ اور پوری طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ایسے سجدہ کرو کہ تمہیں اپنے سجدہ پر اطمینان ہو پھر سجدہ سے اٹھو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو جس پر تم مطمئن ہو جاؤ۔ پھر اپنی پوری نماز میں ایسا ہی کرو۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : "پھر ام

القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھو اور مزید جو اللہ چاہے"۔

یہ حدیث صحیح ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اطمینان حاصل کرنا نماز کا رکن اور اس کا بہت بڑا فرض ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور جو شخص ٹھونگیں مارے (جلدی جلدی نماز پڑھے) اس کی نماز نہیں ہوتی اور خشوع نماز کا خلاصہ اور اس کی روح ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے اور اس پر حریص ہو۔

رہی اطمینان اور خشوع کے منافی تین حرکات کی حد بندی کی بات' تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ یہ صرف کسی عالم کا کلام ہے جس کے لئے کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

تاہم نماز میں فضول حرکتیں کرنا مکروہ ہے۔ جیسے ناک' داڑھی اور کپڑوں کو حرکت دینا اور ان کاموں میں لگے رہنا اور جب ایسی فضول حرکات زیادہ اور متواتر ہوں تو نماز کو باطل کر دیتی ہیں . . . لیکن اگر حرکات تھوڑی اور معمولی سی ہوں یا اگر زیادہ ہوں اور متواتر نہ ہوں تو ان سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن مومن کے لئے مشروع یہی ہے کہ وہ خشوع پر محافظت کرے اور نماز کو اچھی طرح مکمل کرنے کی حرص رکھتے ہوئے فضول حرکات چھوڑ دے' خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ۔

اور اس بات پر دلائل موجود ہیں کہ نماز میں تھوڑا عمل یا تھوڑی حرکات سے نماز باطل نہیں ہوتی اسی طرح متفرق اور کبھی کبھار کی حرکات سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ "آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے دروازہ کھولا جبکہ آپ نماز ادا کر رہے تھے"۔

نیز ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ (امام تھے) اور اپنی بیٹی زینب کی بیٹی امامہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اسے پیچھے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے" . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

نماز کو باطل کرنے والی باتیں

جب نمازی کی ناک سے خون نکل آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : جب انسان کی ناک سے خون نکل آئے اور وہ نماز ادا کر رہا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : جب خون تھوڑی سی مقدار میں نکل آئے تو وہ معاف ہے' اسے رومال یا ایسی ہی کسی دوسری چیز سے پونچھ ڈالے۔ اگر زیادہ مقدار میں ہو تو وہ نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اس کی صفائی کرے اور علماء کے اختلاف سے باہر ہوتے ہوئے اس کے لئے دوبارہ وضو کرنا مشروع ہے۔ پھر نماز کو نئے سرے سے

شروع کرے۔ جیسا کہ نماز کے دوران حدث ہو جائے' ایسا حدث جو مجمع علیہ (جس پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہو) ہو۔ جیسے کہ ہوا یا بول کا نکلنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ پھر وضو کرے اور نماز کو دہرائے۔

جب نمازی یہ محسوس کرے کہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی؟

سوال : جب میں نماز کے لئے وضو کرتا ہوں تو مجھے وضو کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ذکر سے کوئی چیز نکلی ہے۔ کیا اس صورت میں میں ناپاک ہو جاتا ہوں یا نہیں؟ اور جب میں نماز کی حالت میں یہی بات محسوس کروں تو میری نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

ابراہیم ۔ ی ۔ منطقہ الجنوب

جواب : نمازی کا یہ احساس کہ اس کے آگے یا پیچھے سے کوئی چیز نکلی ہے' اس کے وضو کو باطل نہیں کرتا۔ اس کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی بات کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : "جب تک آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے اپنی نماز وغیرہ سے نہ پھرے"۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

نماز باجماعت کو معمولی سمجھنا

میں بعض دفعہ کام میں پھنسا ہوتا ہوں اور سوتا ہوں تو فجر کی نماز کی ہمت نہیں پاتا گھر میں پڑھ لیتا ہوں۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے؟

سوال : کبھی کبھی میں کام میں پھنسا ہوتا ہوں اور تھکا ہوتا ہوں تو دیر سے سوتا ہوں۔ اس لئے صبح کی نماز باجماعت کی ہمت نہیں پاتا۔ گھر پر پڑھ لیتا ہوں۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے؟

خ ۔ ع ۔ ن ۔ الریاض

جواب : مرد مکلف پر واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جا کر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ادا کرے۔ اس کام میں سستی کرنا جائز نہیں اور فجر کی یا دوسری نماز باجماعت سے پیچھے رہنا نفاق کی صفات سے ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ﴾

منافق اللہ تعالٰی کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ انہیں اس دھوکا میں پھنسا دیتا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور ڈھیلے ڈھالے کھڑے ہوتے ہیں۔ (النساء : ۱۴۲)

ہماری مسجد کے بعض نمازی فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ میں نے بے لوث ہو کر انہیں نصیحت کی' کیا میں محکمہ والوں کو ان کی شکایت کروں؟

سوال : ہماری مسجد کے بعض نمازی فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ (یعنی جماعت میں شامل نہیں ہوتے) میں انہیں کئی بار نصیحت کر چکا ہوں۔ کیا اب میں محکمہ شرعی امور والوں کو ان کی شکایت کروں یا سمجھاتا رہوں؟

م-م-ا-الریاض

جواب : ہم آپ کو انہیں سمجھاتے رہنے کی ہی نصیحت کرتے ہیں۔ آپ جماعت کے چند خاص آدمیوں کو ساتھ لے کر ان پیچھے رہنے والوں کے ہاں جائیں اور انہیں نصیحت کریں اور اس عظیم خطرہ سے آگاہ کریں جو نماز با جماعت سے پیچھے رہنے میں ہے اور یہ کہ یہ اہل نفاق کی نشانی ہے۔ شاید وہ مان جائیں اور راہ راست پر آجائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا :

«أثقَلُ الصَّلاة على المنافقين: صلاةُ العشاء، وصلاةُ الفجر؛ ولو يعلَمون ما فيهما لأتوهُما ولوْ حَبْوا»

منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر وہ جانتے ہوتے کہ ان دونوں میں کیا (گناہ یا ثواب) ہے۔ تو ضرور جماعت میں آتے' خواہ سرین کے بل گھسٹ کر آتے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ سمعَ النِّداءَ فلمْ يأتِ؛ فلا صلاةَ له إلاَّ مِنْ عذر »

جس نے نماز کی اذان سنی پھر مسجد نہ گیا اس کی نماز نہ ہو گی۔ الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

آپ سے ایک اندھے آدمی نے اجازت چاہی کہ اسے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں۔ کیا اس کے لئے گھر میں نماز ادا کر لینے کی رخصت ہے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا :

«هلْ تسمَعُ النِّداءَ بالصَّلاة؟ قالَ: نعَمْ، قالَ: فأجِبْ»

کیا نماز کی اذان سنتے ہو؟ وہ کہنے لگا : ہاں! آپ نے فرمایا۔ تو پھر بات مانو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : "میں تمہارے لئے رخصت نہیں پاتا"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے' فرماتے ہیں : "ہم نے دیکھا کہ ایسے لوگ ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جن کا نفاق معلوم تھا"۔ یعنی نماز با جماعت سے۔

لہٰذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ نماز باجماعت کی محافظت کرے اور اس سے پیچھے رہنے سے بچے اور ائمہ مساجد پر واجب ہے کہ وہ ان پیچھے رہنے والوں کو نصیحت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب

سے ڈراتے رہیں۔ پھر جب نصیحت کارگر نہ ہو تو ان پیچھے رہنے والوں کا معاملہ مرکز ہیئت کو پہنچا دیا جائے جو مسجد کے محلہ میں ہوتا کہ تعلیمات شرعیہ کی رو سے جو بات لازم ہے اس کے لئے وہ مناسب کارروائی کریں۔

اور ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جس میں ان کی صلاح اور اللہ کے غضب اور عذاب سے ان کی نجات ہو۔

ہم اپنی بستی سے ۵۰ کلومیٹر دور شاپنگ کے لئے گئے۔ واپسی پر ہماری مغرب کی نماز فوت ہو گئی کیا ہمارے لئے یہ تاخیر جائز تھی؟

سوال: میں اور میرے چند اہل خانہ شہر کی طرف گئے' جو ہماری بستی سے ۵۰ کیلومیٹر دور تھا تاکہ بعض ضرورت کی اشیاء خرید سکیں۔ مغرب کے قریب ہم واپس ہوئے لیکن رش کی وجہ سے ہمیں نکلتے نکلتے بہت دیر ہو گئی۔ مغرب کا وقت تنگ ہو گیا اور جب ہم گھر پہنچے تو عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ یعنی ہم مغرب کی نماز کا وقت نکل جانے پر پہنچے۔ اس صورت حال میں کیا ہمارے لئے جائز ہے کہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھ لیں' حتیٰ کہ ہم اپنے شہر پہنچ جائیں۔ اس دور کے سفر میں جو مشقت عورتوں کو پہنچتی ہے' اسے بھی ملحوظ رکھا جائے۔

ابراہیم ۔ ع ۔ ح

جواب: اس حال میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ مشقت کو دور کرنے کے لئے گاؤں پہنچنا چاہتے تھے' مغرب کی نماز کو مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر آپ راہ میں ہی کہیں ادا کر لیتے تو زیادہ بہتر تھا۔

میرا ایک ہمسایہ بہت جاگتا ہے اور فجر کی نماز کے وقت سویا رہتا ہے۔ کیا میرے لئے لازم ہے کہ نماز کے لئے اسے جگایا کروں؟

سوال: میرا ایک دوست ہے جو میرے نزدیک ہی رہتا ہے اور مسجد ہم سے بالکل قریب ہے . . . میرا دوست صبح کی نماز کے لئے مسجد نہیں جاتا۔ رات کو ٹیلی ویژن دیکھنے اور تاش کھیلنے میں وقت گزارتا ہے اور صبح کے ایک دو بجے تک جاگتا رہتا ہے اس لئے صبح کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد ادا کرتا ہے۔ میں اسے اکثر ناراض ہوتا رہتا ہوں۔ اس کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وہ اذان نہیں سنتا۔ حالانکہ مسجد ہم سے بالکل قریب ہے اور میں نے اس پر اپنی رغبت بھی ظاہر کی کہ میں اسے صبح کی نماز کے

لئے جگایا کروں گا اور عمداً اس کے ہاں گیا اور اسے جگایا بھی' لیکن پھر بھی اسے مسجد میں نہ دیکھا۔ نماز کے بعد پھر میں اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ سو رہا ہے۔ میں اس سے خفا ہوا تو وہ فضول بہانے بنانے لگا . . . کبھی کبھی مجھے وہ یوں کہنے لگتا ہے کیا تم قیامت کے دن اللہ کے ہاں میری طرف سے مسئول ہو گے کہ میں تمہارا ہمسایہ تھا . . .

میں ذات والا سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں مجھے مستفید فرمائیں گے۔ نیز کیا نماز کے لئے اسے جگانا مجھ پر لازم ہے؟

خلیل۔ا۔خ۔الریاض

جواب : مسلم کے لئے ایسا جاگنا جائز نہیں جس کے نتیجہ میں صبح کی باجماعت نماز یا اس نماز کا وقت ہی ضائع ہو جاتا ہو' خواہ یہ جاگنا قرآن پڑھنے یا علم کے حصول کی بنا پر ہو اور جب یہ جاگنا ٹیلی ویژن دیکھنے' تاش کھیلنے یا ایسی ہی کسی دوسری وجہ سے ہو تو پھر کیا حال ہو گا؟

آپ کا دوست اس کام کی وجہ سے گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق ہے' جیسا کہ وہ حاکموں سے بھی سزا کا مستحق ہے جو اسے اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو اس سے باز رکھیں اور تمام اہل علم کے نزدیک عمداً فجر کی نماز کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا کفر اکبر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« بينَ الرَّجُلِ وبينَ الكُفرِ والشِّرْكِ تركُ الصَّلاة »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفرو شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« العهْدُ الَّذي بيننَا وبينَهم الصَّلاةُ، فمَنْ تَرَكَها فقدْ كفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عہد نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔

اس بارے میں دوسری احادیث و آثار بھی موجود ہیں جو ایسے شخص کے کفر پر دلالت کرتی ہیں جو بلا عذر شرعی' جان بوجھ کر نماز کو اس کے وقت سے موخر کرکے ادا کرتا ہے۔

اور مسلم پر واجب ہے کہ وہ وقت پر نماز ادا کرنے کی محافظت کرے اور جو اسے جگا سکتے ہوں' ان سے مدد طلب کرے' خواہ یہ اس کے گھر والے ہوں یا بھائی ہوں۔ الارم والی گھڑی سے نماز کے وقت جاگنے کے لئے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

اور اے سائل! آپ پر لازم ہے کہ اس سلسلہ میں آپ اپنے دوست کی مدد کریں۔ اسے اکثر

نصیحت کرتے رہیں۔ پھر اگر وہ اپنے اس عمل قبیح پر اکڑ جائے تو یہ معاملہ مرکز ہیئت تک پہنچادیں تاکہ جس سزا کا وہ مستحق ہے وہ پالے . . . ہم سب مسلمانوں کے لئے اللہ تعالٰی سے ہدایت اور راہ حق پر استقامت کی دعا کرتے ہیں۔

دانستہ نماز چھوڑنے کا حکم

سوال : میرا بڑا بھائی نماز ادا نہیں کرتا۔ کیا اس سے صلہ رحمی کروں یا نہیں؟ خیال رہے کہ وہ فقط میرا پدری (سوتیلا) بھائی ہے۔

جواب : جو شخص دیدہ دانستہ نماز چھوڑتا ہے وہ کافر ہے۔ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس کا کفر اکبر ہے جبکہ وہ نماز کے وجوب کا اقراری بھی ہو۔ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ تمام اہل علم کے نزدیک کافر ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« رأسُ الأمرِ الإسلامُ، وعَمُودُه الصَّلاةُ، وذِروةُ سنامِه الْجهادُ في سبيلِ اللّه »

امور دین کا اصل اسلام (شہادتین) ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے اسناد صحیح کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بينَ الرَّجُلِ وبينَ الْكُفرِ والشِّرْكِ تركُ الصَّلاة »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفرو شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« العهْدُ الَّذي بيننَا وبينَهم الصَّلاةُ، فمَنْ تَرَكَها فقدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عہد نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑا' وہ کافر ہوا۔

اس حدیث کو امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔

تارک نماز اس لئے بھی کافر ہے کہ وہ اللہ' اس کے رسول اور اہل علم و ایمان کے اجماع کو جھٹلانے والا ہے۔ لہٰذا اس کا کفر اکبر و اعظم ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو نماز کو معمولی سمجھتے ہوئے اس کا تارک ہے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے حکام پر لازم ہے کہ وہ تارک نماز سے توبہ کرائیں۔ اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا' ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل موجود ہیں۔

نماز کے تارک سے بائیکاٹ لازم ہے اور جب تک وہ اس کام سے باز نہ آئے اس کی دعوت بھی قبول نہ کی جائے۔ تاہم اسے نصیحت کرتے رہنا' حق کی طرف دعوت دینا اور اللہ تعالٰی کی ان سزاؤں سے ڈرانا لازم ہے جو ترک نماز کی بنا پر دنیا اور آخرت میں مترتب ہوتی ہیں۔ شاید وہ توبہ کرلے اور اللہ اسے

معاف فرمادے۔

میرا ایک دوست ہے جو نہ نماز ادا کرتا ہے اور نہ روزے رکھتا ہے۔ کیا اس سے صلہ رحمی کروں یا نہیں؟

سوال : میرا ایک دوست ہے جس سے مجھے گہری محبت ہے۔ مگر یہ دوست نہ فرض نمازیں ادا کرتا ہے اور نہ ہی رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ میں نے اسے نصیحت کی لیکن اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ کیا اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں۔

موسیٰ۔ ح

جواب : اس شخص اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے اللہ کی خاطر بغض و عناد رکھنا لازم ہے' تا آنکہ وہ توبہ کریں۔

کیونکہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق نماز چھوڑ دینا کفر اکبر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«بينَ الرَّجُلِ وبينَ الْكُفرِ والشِّركِ تركُ الصَّلاة »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسلم نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« العهدُ الَّذي بينَنا وبينَهم الصَّلاة، فمَنْ تَرَكَها فقدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عہد نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑا' اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کی امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ تخریج کی ہے اور اس معنی کی احادیث بہت ہیں۔

کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے روزے چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے اور بعض اہل علم ایسے شخص کو بھی کافر ہی سمجھتے ہیں جو شرعی عذر مثلاً بیماری اور سفر کے بغیر رمضان میں روزے نہیں رکھتا۔

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس دوست سے نفرت کریں اور اس وقت تک مقاطعہ کریں' جب تک وہ اللہ کے حضور توبہ نہ کرے اور مسلمان حکام پر واجب ہے کہ جن لوگوں کے متعلق انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ تارک نماز ہیں ان سے توبہ کرائیں اگر توبہ کرلیں تو خیر' ورنہ قتل کردیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے :

﴿ فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا۟ سَبِيلَهُمْ ﴾

پھر اگر وہ توبہ کرلیں' نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ (التوبہ : ۵)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو نماز نہ پڑھے' اس کی راہ نہ چھوڑی جائے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«نُهِيتُ عَنْ قَتلِ المُصَلِّين»

مجھے نماز ادا کرنے والوں کے قتل سے روکا گیا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا' اس کے قتل سے آپ کو نہیں روکا گیا اور کتاب و سنت سے شرعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اور توبہ نہ کرے تو حکام کو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کے دوست کو توبہ کی طرف لائے اور اسے سیدھی راہ دکھائے۔

تارک نماز کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال : مجھے ایک دفعہ کسی ہسپتال میں جانا پڑا۔ میرے ساتھ دو اور آدمی اسی کمرہ میں داخل ہوئے جس میں میں رہتا تھا۔ ہم وہاں تین دن تک رہے۔ اس دوران میں تو نماز ادا کرتا رہا لیکن وہ نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ مسلمان تھے اور میرے شہر کے تھے۔ میں نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ اب مجھ پر کوئی گناہ ہے جو میں نے انہیں نماز کے لئے نہیں کہا؟ اور اگر اس میں گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

معیس۔ع

جواب : انہیں نصیحت کرنا آپ پر واجب تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان پر ترک نماز جیسے منکر عظیم پر گرفت کرنا چاہئے تھی :

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور بھلے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (آل عمران : ۱۰۴)

اور اس معنی میں اور بھی بہت سی آیات آئی ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے بھی :

«مَنْ رأى منكم مُنكَراً فليُغيِّره بيدِه، فإنْ لمْ يستطعْ فبِلسانِه، فإنْ لمْ يستطعْ فبقلبِه، وذلِك أضعفُ الإيمان»

تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے بدل دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ادنیٰ تر درجہ ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

اور جب آپ نے یہ کام نہیں کیا تو اس گناہ سے آپ پر سچی توبہ واجب ہے۔ جو یہ ہے کہ انسان اپنے کیے پر نادم ہو اور اسے کلیتاً چھوڑ دے اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عہد کرے اور یہ کام خلوص نیت سے' اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے کرے اور جو شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے پھر سیدھی راہ چلے تو میں اسے بخش دینے والا ہوں۔ (طٰہٰ : ۸۲)

نماز میں سستی کرنے والے کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال : نماز میں سستی کرنے والے کے ساتھ رہنے کا کیا حکم ہے؟

فہد۔ ع۔ ع۔ الریاض

جواب : نماز میں سستی کرنے والے اور اسی طرح دوسرے کافروں کے ساتھ رہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ترک نماز کفر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« بينَ الرَّجُلِ وبينَ الْكُفرِ والشِّرْكِ تركُ الصَّلاة »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« العهْدُ الَّذي بينَنا وبينَهم الصَّلاة ، فمَنْ تَرَكَها فقدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا' اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کو احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔

میں اپنے بھائی سے الجھ پڑا اور اسے کہا "اے کافر! مجھ سے دور ہو جا"۔ بنیاد یہ تھی کہ وہ تقریبات کے علاوہ کبھی نماز نہیں پڑھتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں اور میرا بھائی کسی مسئلہ میں الجھ پڑے۔ میں نے غصہ کی حالت میں اسے کہہ دیا : اے کافر مجھ سے دور ہو جا"۔ اور اس کی بنیاد یہ تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ صرف اپنے رشتہ داروں کی موجودگی میں تقریبات وغیرہ میں پڑھ لیتا تھا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور آیا یہ بات صحیح ہے کہ وہ کافر ہے۔

ف-ع-ع

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بينَ الرَّجُلِ وبينَ الْكُفرِ والشِّرك تركُ الصَّلاة »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفرو شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا اور امام احمد اور اہل السنن نے اسناد جید کے ساتھ بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے تخریج کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« العهْدُ الَّذي بيننَا وبينَهم الصَّلاةُ، فمَنْ تركَها فقدْ كفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا' اس نے کفر کیا۔

اور اس معنی پر دلالت کرنے والی احادیث بہت ہیں۔ تاہم آپ کو اس صورت حال میں چاہئے یہ تھا کہ اسے کافر کہنے میں جلدی نہ کرتے۔ پہلے اسے نصیحت کرتے اور بتلاتے کہ نماز کو چھوڑ دینا کفر اور گمراہی ہے۔ اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ کرنا واجب ہے۔ اس طرح شاید اسے آپ سے فائدہ پہنچ جاتا اور وہ آپ کی نصیحت قبول کر لیتا۔ ہم اپنے اور سب مسلمانوں کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سب گناہوں سے سچی توبہ کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

"جو نماز میں سستی کرے' اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : ہمیں ایک چٹھی موصول ہوئی جس کا ایک ورق تھا جو لوگوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ اس ورق میں ایک حدیث بھی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تھی اور وہ یہ تھی "جو شخص نماز میں سستی کرے اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا"۔ اس ورق میں اور بھی بہت کچھ تھا۔ آپ سے اس

حدیث کی صحت کے متعلق سوال ہے۔

خالد۔ن۔الریاض

جواب : اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ صحت کے اعتبار سے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان" میں اور حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ لہذا جس شخص کو یہ ورق ملے اسے چاہئے کہ اسے جلا ڈالے اور اگر تقسیم کرنے والے کو دیکھے تو اسے تنبیہہ کردے۔ اس طرح جھوٹے لوگوں کے جھوٹ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حمایت ہوگی۔

نماز کی عظمت شان، سستی کرنے سے بچنے اور جو شخص ایسا کرے اس کی وعید کے متعلق قرآن عظیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا کچھ مذکور ہے جو شافی و کافی ہے اور جھوٹ بکنے والوں کے جھوٹ سے بے نیاز کردیتا ہے۔ جیسے اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں :

﴿حَـٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ﴾

تمام نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی محافظت کرو اور اللہ کے حضور فرمانبردار بن کر کھڑے ہو۔ (البقرہ : ۲۳۸)

نیز فرمایا :

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾

پھر ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔ جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ (مریم : ۵۹)

نیز فرمایا :

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾

سو ایسے نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ (الماعون : ۴-۵)

اور اس معنی میں بہت سی آیات ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«العهدُ الَّذي بيننا وبينَهم الصَّلاةُ، فمَنْ تَرَكَها فقدْ كَفَرَ»

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہے۔ جس نے نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا۔

امام احمد اور اہل سنن نے صحیح اسناد کے ساتھ اس حدیث کو نکالا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«بينَ الرَّجُلِ وبينَ الْكُفرِ والشِّركِ تركُ الصَّلاة»

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفرو شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہؓ سے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

«مَنْ حَافَظَ عليها كانتْ له نوراً، وبرهاناً، ونجاةً يومَ القيامة. ومَنْ لمْ يُحافظْ عليها لمْ تكنْ له نوراً ولا برهاناً ولا نجاةً وحُشِرَ يومَ القيامةِ مع فِرعَونَ، وهامانَ، وقارونَ، وأُبَيّ بن خَلَف»

جس نے نماز کی محافظت کی تو یہ عمل قیامت کے دن اس کے لئے نور اور برہان اور نجات کا باعث ہو گا اور جس نے اس پر محافظت نہ کی اس کے لئے نہ نور ہو گا نہ برہان اور نہ عذاب سے نجات۔ وہ قیامت کے دن فرعون' ہامان' قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ نکالا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں بعض علماء نے کہا ہے کہ نماز کو ضائع کرنے والے کا حشر قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ صرف اس وجہ سے ہو گا کہ :

اگر اس نے ریاست کی وجہ سے نماز کو ضائع کیا تو اسے فرعون سے تشبیہ دی گئی ہے لہٰذا قیامت کے دن وہ فرعون کے ساتھ ہو گا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب وزارت یا کوئی دوسرا عہدہ تھا تو وہ ہامان سے مشابہ ہے۔ قیامت کے دن اس کے ساتھ اس کا حشر ہو گا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب مال و دولت اور خواہشات ہیں تو اسے قارون سے تشبیہ دی گئی ہے جسے اللہ نے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ جس کی وجہ کثرت مال اور خواہشات کی پیروی کے سبب اس کا حق ٹھکرا دینا تھا۔ ایسا آدمی قارون کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب تجارت اور ایسے ہی دوسرے معاملات تھے' تو اسے ابی بن خلف سے تشبیہ دی گئی' جو مکہ کے کافروں میں تاجر تھا۔ لہٰذا قیامت کے دن اس کا حشر ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا اور اسی کے ساتھ وہ جہنم میں جائے گا۔

ہم ان اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے حال سے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے

سوال : کیا اس سونے میں زکوٰۃ واجب ہے' جسے کوئی عورت محض زینت اور استعمال کے لیے رکھتی ہے اور وہ تجارت کے لیے نہ ہو؟

بشیر-ع-الخرج

جواب : عورتوں کے زیور کی زکوۃ میں' جبکہ وہ حد نصاب کو پہنچ جائے اور تجارت کے لیے نہ ہو' اہل علم کے درمیان اختلاف ہے . . . اور صحیح بات یہ ہے کہ جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہے خواہ یہ محض پہننے اور زینت کے لیے ہو۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس کی مقدار ۱۱ 3/7 گنی سعودی ہے۔ اگر زیور اس سے کم مقدار میں ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہو۔ اس صورت میں اس میں زکوۃ مطلق ہوگی۔ یعنی جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے۔ چاندی کا نصاب ۱۴۰ مثقال ہے اور درہموں سے اس کی مقدار ۵۶ ریال ہے۔ اگر چاندی کا زیور اس سے کم مقدار میں ہو تو اس میں زکوۃ نہیں۔ الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہو۔ اس صورت میں اس میں زکوۃ مطلق ہوگی یعنی جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے۔

سونے اور چاندی کے زیور جو پہننے کے لیے تیار کئے گئے ہوں ان میں زکوۃ کے واجب ہونے کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا عموم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ ولافِضَّةٍ لَايُؤدِّي زَكَاتَها إلاَّ إذَا كانَ يومَ القِيامةِ صُفِحَتْ له صَفائِحُ من نارٍ فيكوَى بها جَنْبُه وجَبِينُه وظَهرُه» (الحديث)

جس شخص کے پاس بھی سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی بڑی بڑی تختیاں تیار کی جائیں گی۔ جن سے اس کے پہلو' اس کے ماتھے اور اس کی پشت کو داغا جائے گا۔

اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث یوں ہے :

«إن امرأةً دخلتْ على النَّبي صلَّى اللّهُ عليه وسلَّم، وفي يدِ ابنتِها مَسَكتانِ من ذهب، فقالَ: «أتُعطِين زَكاةَ هذا»، قالتْ: لا. قالَ: «أ يَسرُّكِ أنْ يُسوِّرَكِ اللّه بهما يومَ القِيامةِ سِوارَين مِنْ نارٍ؟»... فألقتْهما، وقالتْ: هُما للّه ولرسُوله»

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا : "کیا ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟" وہ کہنے لگی۔ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عوض قیامت کے دن دو آگ کے کنگن پہنائے؟" . . . اس عورت نے وہ دونوں کڑے آپ کے آگے ڈال دیئے اور کہا یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ انہوں نے سونے کے پازیب پہنے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگیں :

«يا رسُولَ اللّه! أ كَنزٌ هُو؟ فقالَ رسُولُ اللّهِ -صلَّى اللّه عليه وسلَّم-: «مَا بَلَغَ أنْ يُزَكَّى فزُكِّيَ فليسَ بكَنزٍ».

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا یہ کنز (خزانہ) کے حکم میں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر یہ زکوۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوۃ ادا کرو۔ پھر یہ کنز کے حکم میں نہ رہیں گے۔

اس حدیث کو ابوداؤد اور دار قطنی نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ نہیں کہا کہ زیور میں زکوۃ نہیں ہوتی۔

اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا : "زیور میں زکوۃ نہیں" تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کا اصل سے یا احادیث صحیحہ سے معارضہ کرنا جائز نہیں۔

میری بیوی کے پاس سونا ہے، جسے وہ پہنتی ہے۔ کیا اس میں زکوۃ ہے؟

سوال : میری بیوی کے پاس سونا ہے جسے وہ پہنتی ہے اور وہ حد نصاب کو پہنچتا ہے تو کیا اس میں زکوۃ ہے؟ اور کیا زکوۃ کی ادائیگی میرے ذمہ ہے یا میری بیوی کے؟ اور کیا زکوۃ اس سونے سے نکالی جائے یا اس کے برابر نقد قیمت سے ادا ہو جائے گی؟

ابراہیم۔ا۔الریاض

جواب : سونے اور چاندی کے زیور میں زکوۃ واجب ہے جبکہ وہ نصاب کے وزن کو پہنچ جائے اور وہ سونے کے لیے ۲۰ مثقال اور چاندی کے لیے ۱۴۰ مثقال ہے۔ موجودہ صورت میں سونے کے

نصاب کی مقدار ۱۱ 3/4 گنی ہے۔ لہٰذا جب سونے کا زیور اتنی مقدار کو پہنچ جائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس سلسلے میں علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ یہ زیور پہننے کے لیے ہو۔

اور چاندی کے نصاب کی مقدار سعودی ریالوں میں ۵۶ ریال ہے۔ لہٰذا جب چاندی کا زیور اس مقدار تک پہنچ جائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ سونے' چاندی اور سامان تجارت میں زکوٰۃ ربع عشر ہے جو کہ ایک سو میں ڈھائی اور ہزار میں پچیس بنتی ہے۔ اسی طرح اس مقدار سے زیادہ کا حساب کیا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ زیور کی مالکہ کے ذمہ ہے۔ اگر اس کی اجازت سے اس کا خاوند یا کوئی دوسرا آدمی ادا کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں اور زکوٰۃ اسی زیور سے نکالنا ضروری نہیں بلکہ سونے یا چاندی کا موجودہ نرخ شمار کر کے اس کی قیمت کے برابر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ جبکہ اس پر پورا سال گزر چکا ہو۔

کیا سونے کا قلم استعمال کرنا جائز ہے اور کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : مجھے سونے کے قلم تحفہ میں ملے ہیں۔ ان کے استعمال کا کیا حکم ہے اور کیا ان قلموں پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مجھے مستفید فرمائیے اللہ آپ کو مستفید فرمائے۔

ایک سائل

جواب : صحیح تر بات یہ ہے کہ ان کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک میں عموم ہے :

«أُحِلَّ الذَّهبُ والحريرُ لإناثِ أمّتي وحُرِّمَ على ذُكورِهم»

سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں پر حرام کیے گئے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق فرمایا :

«هذان حِلٌّ لإناثِ أمّتي، حرامٌ على ذُكورِهم»

یہ دو چیزیں میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں پر حرام ہیں۔

رہا ان کی زکوٰۃ کا مسئلہ' تو جب یہ قلمیں بذاتہ حد نصاب کو پہنچ جائیں' یا مالک کے پاس اگر اور سونا ہے تو اس کے ساتھ مل کر حد نصاب پورا کر دیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بشرطیکہ ان پر سال گزر چکا ہو۔ اسی طرح اگر اس کے پاس چاندی یا دوسرا سامان تجارت ہے اور یہ سب چیزیں مل کر حد نصاب کو پورا کر دیتی ہیں تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سونا اور چاندی ایک ہی چیز کی طرح ہیں۔ اسی طرح اگر چاندی کی نقدی وغیرہ ہو جو نصاب کو مکمل کر دے تو

اس میں زکوۃ واجب ہوگی . . . .اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک شخص ہر طرح کے سکے اکٹھے کرنے کا شوق رکھتا ہے۔ کیا ان میں زکوۃ ہے؟

سوال : ایک شخص عربی اور غیر عربی ہر طرح کے سکے' محض شوق کے طور پر جمع کرتا ہے ان میں سے کچھ قیمتی ہیں اور کچھ دوسرے بھی۔ کیا سال گزر جانے پر ان میں زکوۃ ہے؟

حسین۔ا۔ع۔الریاض

جواب : جب ان کی قیمت حد نصاب کو پہنچ جائے اور ان پر سال گزر جائے تو ان کی زکوۃ کی ادائیگی لازم ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت کے دلائل میں عموم ہے اور یہ سکے یا پیسے نقدی کے حکم میں ہیں جو کہ چاندی کے سکوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

ایک شخص اپنے بیٹے کی شادی کے لیے رقم جمع کر رہا ہے

کیا اس مال میں اس پر زکوۃ ہے؟

سوال : ایک شخص چند سالوں سے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے رقم جمع کر رہا ہے کیا اس کے اس مال میں زکوۃ ہے؟ یہ خیال رہے کہ اس سے اس کا ارادہ محض اپنے بیٹے کی شادی کرنا ہے؟

ف۔ع۔ع

جواب : اس پر لازم ہے کہ جو کچھ نقدی اس نے جمع کی ہے' اس کی زکوۃ ادا کرے۔ جس پر کہ سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔ اگرچہ اس رقم سے اس کی نیت اپنے بیٹے کی شادی کرنا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ رقم اس کے پاس ہے اس کی ملکیت ہے۔ لہٰذا ہر سال اس کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہے تا آنکہ یہ رقم شادی میں خرچ ہو جائے۔ اس لیے کہ کتاب وسنت کے دلائل میں عموم ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔

میں نے شادی کے لیے مال جمع کیا ہے جو عنقریب خرچ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

کیا اس میں زکوۃ ہے؟

سوال : میں اس وقت حکومت کے ایک محکمہ میں ملازم ہوں اور تقریباً چار ہزار ریال ماہوار تنخواہ پاتا ہوں اور سال بھر میں میں نے سترہ ہزار ریال جمع کیے ہیں جو اس وقت بنک کے چالو کھاتہ میں ہیں۔ میں انشاء اللہ انہیں شوال کے مہینہ میں خرچ کر دوں گا جب میں شادی کروں گا اور تقریباً اس سے دگنی رقم قرضہ کے طور پر لوں گا تا کہ میں شادی کے اخراجات پورے کر سکوں۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا ان سترہ ہزار ریال میں زکوۃ ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان پر تقریباً سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اگر زکوۃ واجب ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟

فوزی۔ح۔ا۔بیشہ

جواب : اس مذکورہ رقم پر جب سال کا عرصہ گزر چکا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ رقم شادی کے لیے محفوظ کی گئی ہو یا قرض کی ادائیگی کے لیے یا مکان کی تعمیر کے لیے یا ایسی ہی کسی دوسری غرض کے لیے ہو۔ کیونکہ نقود اور جو کچھ ان کے قائم مقام ہو' میں زکوۃ کے وجوب پر دلالت کرنے والے دلائل میں عموم ہے۔ شرح زکوۃ چالیسواں حصہ ہے جو ہر ایک ہزار میں پچیس ریال بنتی ہے۔

کیا شادی یا مکان کی تعمیر کے لیے جمع کئے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال : میں اپنی ماہوار تنخواہ سے رقم جمع کر رہا ہوں۔ کیا اس مال میں مجھ پر زکوۃ ہے؟ یہ خیال رہے کہ یہ رقم میں اپنے مکان کی تعمیر کے لیے جمع کر رہا ہوں اور اسی طرح اپنی شادی میں مہر کی ادائیگی کے لیے جمع کر رہا ہوں' جو انشاء اللہ جلد ہونے والی ہے۔

چند سالوں سے میں یہ رقم ایک بنک میں جمع کر رہا ہوں کیونکہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہ مل سکی جہاں میں رقم جمع کروں۔ بنک میرے حساب میں کچھ رقم شامل کر دیتا ہے جو مجھ سے مخصوص نہیں اور اس رقم کو فائدہ کا نام دیا جاتا ہے (جو کہ سود ہوتا ہے) بالآخر میں نے بنک میں جمع کرائی ہوئی اپنی رقم نکلوالی اور یہ فائدہ نہیں لیا۔ اسے بنک والوں کے ہاں ہی چھوڑ دیا جو آج تک میرے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ کیا میں اسے صدقہ کر سکتا ہوں' یا اسے بنک کے لیے چھوڑ دوں' یا اس کا میں کیا کروں اور کیا میں اسے ایسے خاندان کو دے سکتا ہوں جو مال کے لیے سخت محتاج ہیں کیونکہ ان کا کمانے والا کوئی نہیں یا کسی جمعیت خیریہ کو دے دوں؟ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل میں اضافہ فرمائے۔

محمد۔ع۔ع۔جدہ

جواب : جمع شدہ مال شادی کے لیے ہو' مکان کی تعمیر کے لیے یا کسی دوسری غرض کے لیے' جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال کا عرصہ گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے' خواہ یہ سونا ہو یا چاندی یا کرنسی نوٹ ہوں۔ کیونکہ وجوب زکوۃ پر دلالت کرنے والے دلائل میں عموم ہے۔ لہذا بلا استثناء جو چیز بھی حد نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو گی۔

سودی بنکوں میں مال رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اثم و عدوان پر اعانت ہے اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو جائز ہے لیکن اس کا فائدہ نہیں لینا چاہیے۔ رہا وہ فائدہ جو آج تک بنک میں آپ کے نام لکھا موجود ہے جس کے لیے آپ کی طرف سے کوئی شرط نہ تھی' راجح تر بات یہی ہے کہ اس کو آپ لے

کر نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیں۔ جیسے فقراء اور محتاجوں کو دے دیں یا پانی کی سبیلیں اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں جو مسلمانوں کے لیے نافع ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ وہ رقم بنک والوں کے پاس چھوڑ دیں' جو اسے برائی کے کاموں اور کفریہ اعمال میں صرف کریں۔ آپ نے بنک سے اپنی رقم نکلوا کر اچھا کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی ہدایت اور توفیق میں اضافہ کرے۔

گھروں اور بسوں میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص کے پاس دکانیں اور ٹیکسیاں ہیں۔ جن کی آمدنی وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور سال بھر میں کچھ بھی بچا نہیں سکتا۔ کیا اس مال میں اس پر زکوۃ ہے اور ٹیکسیوں اور دکانوں میں کب زکوۃ واجب ہوگی اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟

عبداللہ ۔ ع

جواب : جب یہ دکانیں اور ٹیکسیاں کمائی کا ذریعہ ہوں اور ان کے کرائے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو تو اس میں زکوۃ نہیں۔ مگر جب یہ چیزیں یا ان میں سے کچھ تجارت کے لیے ہوں تو آپ پر زکوۃ واجب ہے۔ یہ زکوۃ تجارتی قیمت پر ہوگی جبکہ اس پر سال کا عرصہ گزر جائے۔ یہی صورت ان غیر منقولہ جائیدادوں کے کرایوں کی ہے جو تجارت کے لیے ہوں' جبکہ ان پر سال کا عرصہ گزر جائے اور اگر آپ اس آمدنی کو سال پورا ہونے سے پیشتر گھر کی ضروریات پر یا نیکی کے کاموں پر یا دوسری ضروریات پر خرچ کر ڈالیں تو پھر آپ پر کوئی زکوۃ نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں جو آیات و احادیث سے دلائل وارد ہیں' ان میں عموم ہے۔

ایک شخص کا اپنے شہر میں مکان ہے جسے کرایہ پر دے رکھا ہے اور جہاں وہ کام کرتا ہے وہاں اس نے مکان کرایہ پر لیا ہوا ہے۔ کیا وہ اپنے مکان کے کرایہ کی زکوۃ ادا کرے؟

سوال : ایک شخص کا کسی شہر میں اپنا مکان ہے۔ وہ اس میں رہتا نہیں بلکہ اسے کرایہ پر چڑھایا ہوا ہے اور جہاں وہ رہتا ہے وہاں اس نے مکان کرایہ پر لیا ہوا ہے۔ جس کا کرایہ اس کے اپنے ملکیتی مکان سے کم ہے تو کیا اس کے ملکیتی مکان پر زکوۃ ہوگی؟

قاریہ

جواب : اس کے اپنے ملکیتی مکان پر زکوۃ نہیں۔ کیونکہ اس نے اسے فروخت کرنے کے لیے نہیں بنایا لیکن اس مکان کے کرایہ پر زکوۃ ہوگی جبکہ اس پر سال گزر جائے اور اس سے پیشتر اس نے اسے خرچ نہ کیا ہو۔

کیا گھروں کے کرایوں میں زکوۃ ہے؟

سوال : ایک آدمی کے پاس بہت سے مکان ہیں۔ جنہیں اس نے کرایہ پر دیا ہوا ہے اور وہ ان سے سال بھر میں بہت سا مال اکٹھا کرلیتا ہے۔ کیا اس مال پر زکوۃ ہے اور وہ کب واجب ہوگی اور اس کی ادائیگی کی مقدار کیا ہوگی؟

محسن ۔م ۔ح ۔ سلطنت عمان

جواب : جب مکان یا دکان کے کرایہ یا ان کے علاوہ دوسری نقود پر سال بھر کا عرصہ گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو اور کرایہ پر دینے والا شخص سال گزرنے سے پہلے جو کچھ اپنی ضروریات میں خرچ کرڈالے اس میں زکوۃ نہیں ہوگی۔

ایسے اموال میں مسلمانوں کے اجماع کے مطابق شرح زکوۃ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ہے اور سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے اور اس کی مقدار سعودی افرنگی گنی کے حساب سے ۳/۷ ۱۱ گنی ہے۔ اور چاندی کا نصاب ۱۴۰ مثقال ہے اور اس کی مقدار ریالوں کے حساب سے ۵۶ سعودی ریال ہے۔

میں نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی۔ پھر اسے بیچ ڈالا۔ کیا اس میں زکوۃ ہے؟

سوال : میرے پاس زمین کا ایک قطعہ ہے۔ جسے میں نے مکان بنانے کی غرض سے خریدا تھا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے اسے بیچنے کی ضرورت پڑگئی۔ کیا مجھ پر اس مدت کے لیے زکوۃ ہے جس میں میں نے اس قطعہ کو فروخت کے لیے پیش نہیں کیا؟

سعید ۔ع ۔ا ۔ الجوۃ

جواب : جو کچھ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے اگر یہ درست ہے تو آپ پر اس مدت کے لیے کوئی زکوۃ نہیں' جو بیع سے پہلے گزری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کا تقاضا کرنے والی علت مفقود تھی اور وہ ہے بیع کا قصد جبکہ آپ بیع کا قصد نہیں رکھتے تھے۔

میرا ایک زمین کا ٹکڑا ہے جس پر میں نہ تعمیر کی طاقت رکھتا ہوں نہ اس سے استفادہ کرسکتا ہوں۔ تو کیا اس میں زکوۃ ہے؟

سوال : اگر کسی کے پاس ایک قطعہ زمین ہو اور وہ اس پر مکان تعمیر کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو' نہ ہی اس سے استفادہ کرسکتا ہو تو کیا اس میں زکوۃ واجب ہوگی؟

قاریہ

جواب : جب یہ قطعہ بیع کے لیے رکھا ہوا ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہے اور اگر بیع کے لیے نہ

ہو یا اس میں تردد ہو اور کوئی بات طے شدہ نہ ہو یا وہ کرایہ پر دینے کے لیے ہو تو اس میں زکوۃ نہیں جیسا کہ اہل علم کی اس بارے میں صراحت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ :

« أَنْ نُخرِجَ الصَّدَقَةَ مِمَّا نَعُدُّه للبَيْعِ »

ہم ہر اس مال سے زکوۃ نکالیں' جسے ہم فروختنی مال شمار کرتے تھے۔

ماہوار تنخواہ میں زکوۃ کا حکم

سوال : میں ملازم ہوں اور میری تنخواہ تین ہزار ریال ہے۔ کیا مجھ پر زکوۃ واجب ہے اور اس کی مقدار کیا ہوگی جبکہ میں اس سے تھوڑی سی رقم یعنی چھ سو ریال خرچ کرتا ہوں۔

ابراہیم ۔ س ۔ منطقہ الجنوب

جواب : جب اس تنخواہ کی رقم پر سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو آپ پر زکوۃ واجب ہے اور اگر اس سے کم رہے تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

ایسے مال کی زکوۃ کیسے نکالی جائے جو وقفوں سے جمع ہوئی ہو؟

سوال : اگر کوئی شخص مال کا ایک حصہ ایک وقت جمع کرے پھر کچھ مدت بعد اس کا دوسرا حصہ جمع کرے تو اس طرح جمع شدہ مال کی زکوۃ کیسے نکالے؟

مریم ۔ م ۔ الریاض

جواب : جب نقدی وغیرہ یا سامان تجارت پر سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوۃ نکالے۔ اسی طرح جس مال (یعنی کل مال کے جس حصہ پر) سال گزر جائے' اس کی زکوۃ نکالا جائے۔ اگر وہ کل مال کی زکوۃ ادا کر دے جبکہ سال صرف مال کے پہلے حصہ پر ہی گزرا ہو' تو بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ سال گزرنے سے پیشتر زکوۃ ادا کر دینا جائز ہے۔ مثلاً وہ رمضان ۱۴۰۳ھ میں دس ہزار کا مالک تھا۔ پھر ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ میں مزید دس ہزار کا مالک ہو گیا تو وہ پہلے دس ہزار کی زکوۃ رمضان ۱۴۰۴ھ میں ادا کرے گا اور دوسرے دس ہزار کی ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ میں۔ اب اگر وہ پورے بیس ہزار کی زکوۃ رمضان ۱۴۰۴ھ میں ادا کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے دوسرے دس ہزار کی زکوۃ' زکوۃ کے واجب ہونے سے پہلے نکال دی۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

میرے پاس کچھ رقم ہے جو کسی نے مسجد کے لیے تبرعاً دی تھی یہ رقم میرے پاس سال بھر رہی۔ کیا اس میں زکوۃ ہے؟

سوال : میرے پاس کچھ رقم ہے جو اہل خیر نے مسجد کی تعمیر کے لیے دی تھی۔ یہ رقم سال سے

زیادہ عرصہ میرے پاس رہی۔ کیا اس میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

سعید۔ ع۔ ا۔ الجوۃ

جواب : اس مال میں مطلقاً زکوۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اہل خیر نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ آپ پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ آپ جلد از جلد اسے اس کے مصرف میں لائیں۔

کچھ لوگوں نے باہمی تعاون کے لئے آپس میں کچھ رقم اکٹھی کی۔ کیا اس رقم میں زکوۃ ہے؟

سوال : ایک جماعت کے ہر فرد نے کچھ مال ادا کیا اور اس غرض سے مال اکٹھا کیا کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے (اللہ ایسا نہ کرے) یا عام حالات میں کسی کو ضرورت پیش آجائے تو اس مال سے استفادہ کیا جا سکے۔ اس رقم پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کیا اس مال پر زکوۃ ہے؟

سعید۔ ع۔ الجوۃ

جواب : یہ اور اس سے ملتے جلتے اموال جو لوگوں نے مصالح عامہ کے لیے اور آپس میں بھلائی پر تعاون کے لیے تبرعا دیئے ہوں' ان میں زکوۃ نہیں۔ کیونکہ یہ اموال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مالکوں کی ملکیت سے نکل چکے ہیں اور ان کے منافع میں ان کے اغنیاء اور فقراء سب مشترک ہیں کہ ان سے پیش آنے والے حوادث کا علاج ہو سکے۔ گویا اب وہ ان مالکوں کی ملکیت سے خارج سمجھے جائیں گے اور یہ مجموعی صدقات کے حکم میں ہیں جو اسی غرض اور مقصد میں خرچ کئے جائیں گے جس کے لیے یہ جمع کئے گئے ہیں۔

ہم نے ایک تعاونی صندوق بنایا ہے۔ کیا اس میں موجود رقم پر زکوۃ ہے؟

سوال : ہمارے ہاں جامعہ ملک سعود میں طلبہ کے لیے ایک صندوق ہے۔ جو مالی تعاون کے لیے رکھا گیا ہے۔ یہ فنڈ جامعہ سے پورا کیا جاتا ہے اور اس کا تھوڑا سا حصہ بالاقساط طلباء سے لیا جاتا ہے اور اس صندوق کی رقم سے حاجت مند طلباء کی اعانت کی جاتی ہے۔ کیا اس صندوق میں موجودہ رقم پر زکوۃ ہے؟

ایک سائل

جواب : مذکورہ صندوق کے مال اور اسی سے ملتے جلتے دوسرے اموال میں زکوۃ نہیں۔ کیونکہ وہ ایسا مال ہے جس کا کوئی مالک نہیں بلکہ وہ بھلائی کے کاموں کے لیے تمام وقف کردہ اموال کی طرح تیار کیا گیا ہے۔

ایک شخص کے پاس چاندی کے سو عربی ریال ہیں جس کی اس نے عرصہ بیس سال سے زکوۃ ادا نہیں کی۔ وہ کیا کرے؟

سوال : ایک شخص کے پاس چاندی کے ایک سو عربی ریال موجود ہیں۔ یہ وہ سکے ہیں جو ملک عبدالعزیز کے عہد میں رائج تھے۔ ان سکوں کی تقریباً عرصہ بیس سال یا اس سے زیادہ مدت سے زکوۃ ادا نہیں کی گئی۔ کیا ان ریالوں میں زکوۃ واجب ہے؟ اور اس کی مقدار کیا ہو گی؟ کیا موجودہ کرنسی نوٹوں سے ان کی قیمت لگا کر نوٹوں میں ان کی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے؟

ابواحمد

جواب : گزشتہ مدت کی زکوۃ اس پر لازم ہے۔ خواہ وہ ان چاندی کے ریالوں سے ہی ادا کرے اور چاہے تو ان کی قیمت نکال کر کرنسی نوٹوں سے ادا کرے۔

مصارف زکوۃ

مسکین کون ہے جسے زکوۃ دینا چاہئے؟ نیز مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟

سوال : مسکین کی کیا تعریف ہے' جسے زکوۃ دی جا سکتی ہو؟ نیز مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟

محمد۔ع۔ا

جواب : مسکین وہ فقیر ہے جو اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتا ہو اور فقیر اس سے زیادہ حاجت مند کو کہتے ہیں اور یہ دونوں اہل زکوۃ کی اقسام ہیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا ﴾

صدقات (زکوۃ و خیرات) تو فقراء ' مساکین اور اس پر کام کرنے والوں کے لیے ہے۔

(التوبہ : ٦٠)

اور جس شخص کی آمدنی اتنی ہو کہ اس کے کھانے' پینے' پوشاک اور رہائش کو کافی ہو' خواہ یہ وقف سے ہو یا کمائی سے ہو یا وظیفہ یا اسی طرح کا کوئی اور آمدنی کا ذریعہ ہو تو اسے نہ فقیر کہا جا سکتا ہے اور نہ مسکین۔ ایسے شخص کو زکوۃ نہیں لگ سکتی۔

رشتہ داروں کو زکوۃ دینے کے متعلق حکم

سوال : کیا ایک بھائی کا دوسرے محتاج بھائی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ جو عیال دار ہے اور کام تو کرتا ہے لیکن اس کی آمدنی کفایت نہیں کرتی؟

اسی طرح فقیر چچا کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

اسی طرح عورت اپنے مال کی زکوۃ اپنے بھائی یا چچا یا بہن کو دے سکتی ہے؟ عبداللطیف۔ ز

جواب : اگر کوئی مرد یا عورت اپنی زکوۃ اپنے فقیر بھائی یا فقیر بہن یا فقیر چچا یا فقیر پھوپھی اور باقی فقیر رشتہ داروں کو ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلائل میں عموم پایا جاتا ہے۔ بلکہ رشتہ داروں کو زکوۃ ادا کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الصَّدَقَةُ فِي المِسكينِ صَدقةٌ، وفي ذي الرَّحِم صَدَقةٌ وصِلَةٌ »

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے جبکہ اولوالارحام کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

ماسوائے والدین کے' کہ انہیں زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔ خواہ کتنے اوپر تک چلے جائیں اور اولاد کے' خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں خواہ وہ کتنا نیچے تک چلے جائیں' انہیں زکوۃ نہیں دی جاسکتی اگرچہ وہ فقیر ہوں۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے مال سے ان پر خرچ کرے جبکہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہو اور اس کے سوا کوئی موجود نہ ہو جو ان پر خرچ کرکے ان کی گزر اوقات کا ذریعہ بنے۔

کیا میں اپنے مال کی زکوۃ سے اپنی والدہ اور اپنے بھائی کو دے سکتا ہوں؟

سوال : میرے پاس اتنا مال ہے جس میں زکوۃ واجب ہے۔ اس رقم میں ایک قسم وہ ہے جو مجھ پر قرض ہے جو میں نے موسسہ عامہ سے جو بلاسود پیشگی قرضے دیتا ہے' لیا تھا۔ اس قرضہ پر اور باقی رقم پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ تو کیا اس رقم پر بھی زکوۃ واجب ہوگی جو میرے ذمہ قرضہ ہے؟

کیا میں اس مال سے اپنی والدہ کو کچھ رقم دے سکتا ہوں۔ اس خیال سے کہ وہ زکوۃ ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ میرا والد اس پر خرچ کرتا ہے اور الحمدللہ اس کی حالت ٹھیک ٹھاک ہے۔ اسی طرح میرا ایک بھائی ہے جو کام کرنے پر قادر ہے لیکن ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی اور وہ (اللہ اسے ہدایت دے) اکثر نمازوں کی محافظت نہیں کرتا۔ کیا میں اسے زکوۃ میں سے کچھ دے سکتا ہوں؟ مجھے مستفید فرمایئے۔ اللہ آپ کا نگہبان ہو۔

خالد۔ ن۔ ظہران الجنوب

جواب : جو رقم آپ کے پاس موجود ہے' اس پوری رقم کی زکوۃ نکالنا آپ پر واجب ہے جبکہ اس پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور علماء کے دو اقوال سے میں صحیح تر قول کے مطابق موسسہ کا قرضہ اس ادائیگی میں مانع نہیں۔

لیکن اگر آپ موسسہ کا قرضہ سال پورا ہونے سے بیشتر ادا کر دیتے ہیں تو جو کچھ قرضہ کی ادائیگی میں صرف ہو جاتا اس پر زکوۃ نہ ہوتی۔ زکوۃ صرف اس مال پر ہوتی جو سال گزرنے پر قرضہ کی ادائیگی کے بعد باقی رہ جاتا اور وہ نصاب کی حد کو پہنچتا۔

چاندی کا کم سے کم نصاب اور جو کچھ سعودی عرب کی موجودہ کرنسی کے حساب سے بنتا ہے وہ ۵۶ ریال ہے۔

آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آپ زکوۃ میں سے اپنی والدہ کو کچھ دیں۔ کیونکہ والدین میں سے کسی کو بھی زکوۃ نہیں لگتی۔ علاوہ ازیں وہ غنی ہے۔ جس پر آپ کا والد خرچ کرتا ہے۔

رہا تمہارا بھائی! تو جب تک وہ تارک نماز ہے' زکوۃ اسے بھی نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ نماز ارکان اسلام میں شہادتین کے بعد سب سے بڑا رکن ہے۔ اس لیے بھی کہ نماز کو عمداً چھوڑنا کفر اکبر ہے اور اس لیے بھی زکوۃ اسے نہیں لگ سکتی کہ وہ طاقتور اور کمانے کے قابل ہے اور اگر اس پر کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا باپ اس کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ خرچ اخراجات کے پہلو سے وہی جواب دہ ہے۔ جب تک کہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے اور حق کی راہ دکھلائے اور اپنے نفس' شیطان اور برے دوستوں کے شر سے پناہ میں رکھے۔

میں ملازم ہوں' تنخواہ پاتا ہوں۔ میں نے سنا کہ ایک تاجر صدقہ تقسیم کرتا ہے۔ میں اس کے ہاں گیا تو اس نے مجھے بھی مال دیا۔ کیا وہ مال میرے لیے جائز ہے؟

سوال : میں ملازم ہوں اور مجھے تقریباً تین ہزار ریال ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ کسی تقریب کے موقعہ پر میں نے سنا کہ ایک تاجر صدقہ تقسیم کرتا ہے۔ میں اس کے ہاں گیا تو اس نے مجھے بھی کچھ رقم دے دی۔ کیا یہ مال میرے لیے حلال ہے؟

ق۔م۔س۔الریاض

جواب : اگر آپ کی تنخواہ سے آپ کی اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں اور خرچ معمول کے مطابق ہو' جس میں اسراف و تبذیر نہ ہو تو آپ کے لیے زکوۃ حلال ہے' ورنہ

نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی دین کی سمجھ عطا فرمائے اور اپنے فضل سے آپ کو بے نیاز کرے۔

کیا وکیل فقیر اپنے موکل کے صدقہ سے کچھ لے سکتا ہے؟

سوال : میں فقیر ہوں اور ایک غنی کے ہاں کام کرتا ہوں۔ اس نے میری امانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مجھ پر اعتماد کیا اور اپنے مال کی زکوۃ سے ایک کثیر رقم مجھے دی تا کہ جہاں ہم لوگ رہتے ہیں' وہاں کے فقراء میں اس رقم کو بانٹ دوں۔ میں نے اپنے آپ کو ہی اس رقم کے لیے محتاج دیکھا اور اپنے پاس ہی رکھ لی۔ کیا اس میں مجھ پر گناہ ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں فقیر اور اس رقم کا محتاج ہوں۔ جبکہ یہ غنی اس منطقہ کے فقیروں کو اپنے مال سے بہت کچھ دیتا رہتا ہے۔

جواب : آپ کا یہ کام جائز نہیں' بلکہ یہ خیانت ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور مال کا تاوان ادا کریں اور اسے زکوۃ کے مستحق مسلمان فقراء میں اس آدمی کی جانب سے ادا کریں جس نے آپ کو وکیل بنایا تھا۔ جب تم یہ کام کر چکو تو پھر آپ کو چاہئے کہ اسے اطلاع دیں اور اسے کہیں کہ میں فقیر ہوں۔ اپنی زکوۃ سے میری بھی مدد کرو۔

کیا زکوۃ کا مال ایک فقیر کو دینا افضل ہے یا زیادہ لوگوں کو؟

سوال : جب انسان اپنے مال کی زکوۃ نکالے اور وہ تھوڑی سی ہو مثلاً جیسے دو سو ریال تو کیا اسے ایک ہی محتاج خاندان کو دینا افضل ہے یا کئی ایک متفرق محتاج خاندانوں کو؟ مجھے مستفید فرمایئے۔ جزاکم اللہ خیرا

قاریہ

جواب : زکوۃ اگر تھوڑی ہو تو ایک ہی محتاج خاندان کو دے دینا اولیٰ اور افضل ہے۔ کیونکہ زیادہ خاندانوں میں بانٹنے سے اس کا نفع کم رہ جائے گا۔

کیا خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مال سے بیوی کے مال کی زکوۃ ادا کرے؟

سوال : کیا یہ جائز ہے کہ میرا خاوند میرے مال کی زکوۃ اپنے پاس سے ادا کرے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اسی نے مجھے وہ مال دیا ہے . . . اور کیا یہ جائز ہے کہ میں زکوۃ اپنے بھتیجے کو دوں جو نوجوان ہے اور شادی کی فکر میں ہے . . . ؟ مجھے مستفید فرمایئے۔

ف۔م۔ا۔الریاض

جواب : تمہارے مال میں زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے یا اس سے

زیادہ ہو۔ خواہ یہ مال سونا ہو یا چاندی۔ یا اموال زکوۃ میں سے کوئی دوسرا مال ہو جب تمہارے کہنے پر تمہارا خاوند تمہاری طرف سے زکوۃ ادا کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ زکوۃ شادی کے اخراجات میں امداد کے طور پر اپنے بھتیجے کو دے سکتی ہیں جبکہ وہ اپنی محنت سے اخراجات پورے کرنے سے عاجز ہو . . . اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے' جو اسے پسند ہے۔

وکیل اس شرط کا پابند ہوتا ہے جو موکل لگائے۔ بشرطیکہ وہ شرط شریعت مطہرہ کے موافق ہو

سوال : میرے ایک بھائی نے مجھے زکوۃ کا مال دیا اور کہا کہ میں یہ مال سوڈان کے لوگوں کو پہنچادوں' بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کے قولا اور عملا پابند ہوں۔ ان کا میرے ساتھ کوئی قریبی رشتہ نہ ہو اور یہ کہ وہ محتاج اور زکوۃ کے مستحق ہوں۔

اور میرے ہاں ایسے لوگ ہیں جو قریبی اور جانے پہچانے ہیں لیکن ان میں یہ تمام شرطیں پوری نہیں پائی جاتیں اور رقم بدستور میرے قبضہ میں ہے . . . مجھے مطلع فرمایئے کہ میں اس کا کیا کروں؟ کیا اسے دینے والے کو واپس لوٹا دوں یا جن لوگوں کو میں مستحق دیکھوں' ان میں بانٹ دوں' خواہ یہ شرائط پوری نہ ہو سکیں۔

محمد۔ ا۔ ع۔ عنیزہ

جواب : جس شخص نے آپ کو وکیل بنایا ہے' آپ کو چاہئے کہ اسی کی ہدایت کے مطابق زکوۃ کا مال ان لوگوں کو ادا کریں اور اگر ان میں وہ صفات پوری طرح نہ پائی جائیں' تو مال موکل کو واپس کردیجئے۔ تا کہ جسے وہ مستحق سمجھے خود اس پر صرف کرے۔ جس مصرف میں صاحب مال نے وصیت کی ہے اس کے علاوہ آپ اسے دوسرے مصرف میں نہیں لاسکتے۔ کیونکہ وکیل اس شرط کا پابند ہوتا ہے' جو موکل نے لگائی ہو۔ بشرطیکہ وہ شرط شریعت مطہرہ کے موافق ہو۔

ایک شخص نے مسجد کی ایک معینہ جہت کی تعمیر کے لیے مال دیا۔ کیا اس مال کو مسجد کے کسی دوسرے کام میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

سوال : ایک شخص نے مسجد کی کمیٹی کو کچھ مال دیا اور کہا کہ مثلا اس مال سے طہارت خانے بنائے جائیں لیکن بعد میں کمیٹی کی کثرت رائے یہ ہوگئی کہ وہ یہ رقم کسی دوسرے کام میں استعمال کرلے'

جس کو صاحب مال نے مخصص نہیں کیا تھا۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

خالد ۔ ح ۔ الریاض

جواب : بہتر اور محتاط صورت تو یہی ہے کہ رقم دینے والے نے جس خاص کام کے لیے رقم دی ہے' اسی کام میں خرچ ہو جبکہ وہ کام مشروع ہو۔ جیسا کہ طہارت خانے اور وضو کرنے کی جگہیں یا کوئی اور مباح کام ہو۔ لیکن اگر تعمیر مسجد کمیٹی یہ دیکھے کہ اس کام سے مسجد کی تعمیر زیادہ ضروری ہے اور وہ اس میں خرچ کر دے تو اس میں بھی انشاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نفع کے لحاظ سے تعمیر مسجد کا کام بہرحال مسجد کے ارد گرد وضو کی جگہیں بنانے سے افضل و اعظم ہے اور یہاں یہی بات ہے۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر ہی مقصود اول ہے اور طہارت خانوں کی تعمیر تو نمازیوں کی کثرت اور نماز کی ادائیگی کی سہولت کی خاطر وسائل و اعانت کے باب سے ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

روزہ رکھنا اور چھوڑنا اقامت والے شہر کے تابع ہو گا

سوال : میں مشرقی ایشیا سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہمارے ہاں ہجری مہینہ سعودی عرب کی مملکت سے ایک دن بعد ہوتا ہے اور ہم طالب علم اس سال رمضان کے مہینہ میں اپنے وطن کو سفر کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : "چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی ختم کرو" . . . تا آخر حدیث۔

اور ہم نے مملکت سعودیہ میں روزے شروع کئے۔ پھر ہم ماہ رمضان میں اپنے ملک کو جائیں گے اور یہ ممکن ہے کہ ہم رمضان کے آخر تک اکتیس دن روزے رکھیں۔

میرا سوال یہ ہے کہ ہمارے روزوں کے متعلق کیا حکم ہے اور ہم کتنے دن روزے رکھیں؟

ابوبکر۔م۔ج

جواب : آپ سعودی عرب میں یا کسی اور جگہ روزے رکھیں۔ پھر باقی ماہ کے روزے اپنے ملک میں رکھیں تو جب وہاں کے لوگ روزے چھوڑیں تب آپ بھی چھوڑیں' خواہ یہ تیس دن سے زیادہ ہو جائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«الصَّوْمُ يومَ تَصُومُون، والإفطارُ يومَ تُفطِرُون»

جس دن تم روزے شروع کرو وہ روزہ کا دن ہے اور جس دن روزے چھوڑو وہ افطار کا دن ہے۔

تاہم اگر تم انتیس دن روزے پورے نہ کر سکو تو تمہارے لئے انتیسویں دن کا روزہ ضروری ہے۔ کیونکہ قمری مہینہ ۲۹ دن سے کم کا نہیں ہو سکتا۔

ہم غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل ہوائی جہاز پر سوار ہوئے۔ گھنٹہ گزر گیا لیکن سورج غروب نہ ہوا۔ کیا ہم روزہ چھوڑ دیں یا غروب آفتاب کا انتظار کریں؟

سوال : ہم رمضان کے مہینہ میں مغرب کی اذان سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل باذن اللہ تعالیٰ ریاض سے ہوائی جہاز کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی اور ہم سعودیہ کی فضاؤں

میں تھے۔ تو کیا ہم روزہ چھوڑ دیں۔ جب کہ ہم سورج دیکھ رہے تھے جو خاصا بلند تھا اور ہم فضا میں تھے۔ یا ہم روزہ رکھے رہیں اور اپنے ملک جاکر روزہ چھوڑیں یا ہم محض سعودیہ کی اذان کے وقت کے مطابق روزہ چھوڑ سکتے ہیں؟

قاری

جواب : جب طیارہ ریاض سے بلند ہوا اور مثلاً وہ غروب آفتاب سے پہلے مغرب ہی کی طرف روانہ ہوا تو جب تک سورج غروب نہ ہو آپ روزہ رکھے رہیں گے۔ آپ خواہ فضا میں ہوں یا اپنے ملک میں اتریں' سورج غروب ہونے پر ہی آپ روزہ چھوڑیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إذا أقبَلَ الليلُ من هٰهُنا، وأدبرَ النَّهارُ من هٰهُنا وَغَرَبَتِ الشَّمس فقدْ أفطَرَ الصَّائمُ»

جب ادھر رات بڑھ آئے اور ادھر سے دن پیچھے ہٹ جائے تو اس وقت روزہ دار روزہ چھوڑے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

جس شخص کو ماہ رمضان ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : آپ کی ذات والا سے اس شخص کے بارے میں حکم کے متعلق سوال ہے جسے ماہ رمضان کے ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو' وہ کیا کرے ؟

جواب : جس شخص کو ماہ رمضان کے ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ باقی دن ان چیزوں سے پرہیز رکھے جو روزہ نہ ہونے کی صورت میں حلال ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ رمضان کا دن ہے اور مقیم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مفطرات میں سے کوئی چیز کھائے۔ لیکن اسے اس روزہ کی قضا دینا ہوگی کیونکہ اس نے فجر سے پہلے روزوں کی رات نہیں گزاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

«من لَم يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَلاَ صِيَامَ لَهُ»

جس نے طلوع فجر سے پہلے روزے (کی نیت نہ کرلی اس کا روزہ نہیں۔

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مغنی میں اس کے موافق نقل کیا ہے اور یہ عام فقہاء کا قول ہے . . . اور اس سے مراد فرضی روزے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے حدیث شریف سے ذکر کیا ہے۔

رہے نفلی روزے' تو وہ دن کے دوران نیت سے بھی جائز ہیں۔ بشرطیکہ مفطرات سے کوئی چیز نہ کھائی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند ہو اور ان سے

ان کے روزے اور ان کا قیام قبول فرمائے۔ وہ سننے والا ہے' قریب ہے . . . وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

میں ہسپتال میں علاج کروا رہا ہوں اور ایسی دوا کھالیتا ہوں جو شدید بھوک کا سبب بن جاتی ہے۔ کیا میں روزہ چھوڑ دوں یا صبر کیے رہوں؟

سوال : میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں ہوں اور تقریباً عرصہ پانچ سال سے اب تک مستشفی ملک فیصل میں خصوصی علاج کرا رہا ہوں۔ پچھلے سال ماہ رمضان میں ڈاکٹر نے حکم دیا کہ میری ورید میں کیمیاوی علاج دیا جائے اور میں روزہ دار تھا اور یہ علاج بڑا قوی' معدہ اور تمام جسم پر اثر انداز ہونے والا تھا۔ ایک دن جب میں یہ علاج کرا رہا تھا تو مجھے سخت بھوک محسوس ہوئی جبکہ ابھی فجر کو تقریباً سات گھنٹے گزرے تھے۔ عصر کے قریب مجھے اتنی درد ہوئی کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ میں مرجاؤں گا' لیکن میں نے مغرب کی اذان تک روزہ نہ چھوڑا . . . اور اس سال ماہ رمضان میں انشاء اللہ ڈاکٹر مجھے یہی علاج دینے کا حکم دے گا۔ کیا اس دن میں روزہ چھوڑ دوں یا نہ چھوڑوں؟ اور اگر میں روزہ نہ چھوڑوں تو کیا اس دن کی قضا مجھے دینا پڑے گی؟ اور کیا ورید میں خون لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس علاج سے جس کا میں نے ذکر کیا ہے (روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟) مجھے مطلع فرمایئے۔ جزاکم اللہ خیرا

ج ۔ ع ۔ ا ۔ الریاض

جواب : ماہ رمضان میں مریض کے لئے روزہ نہ رکھنا مشروع ہے جب کہ روزہ اسے نقصان دیتا ہو یا اس پر گراں گزرتا ہو یا دن کے وقت اسے علاج کی خاطر گولیاں کھانے یا دوائی پینے کی ضرورت پیش آئے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾

اور جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے۔ (البقرہ : ۱۸۵)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤتىٰ رُخَصُهُ كما يَكْرَهُ أَنْ تُؤتىٰ مَعْصِيَتُه »

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے۔ جیسے وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

اور ایک دوسری روایت میں کہا

«كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ»

(جیسے وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے ضروری (واجبی) احکام پر عمل کیا جائے) کے الفاظ ہیں۔

رہی تحلیل یا کسی دوسرے مقصد کے لئے ورید میں خون لینے کی بات' تو صحیح قول یہی ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر زیادہ خون لینا پڑے تو بہتر یہ ہے کہ اسے رات تک موخر کر دیا جائے۔ اگر دن کو کرے تو پھر محتاط روش یہ ہے کہ اسے حجامت (پچھنے لگوانا) کی مانند قرار دے کر اس کی قضا دے۔

میں ایک مریضہ ہوں۔ میں نے رمضان کے کچھ روزے نہیں رکھے اور میں ان کی قضا کی طاقت بھی نہیں رکھتی۔ ان کا کفارہ کیا ہے؟

سوال : میں ایک شادی شدہ مریضہ ہوں۔ میں نے گزشتہ رمضان میں بعض روزے چھوڑے ہیں اور اپنے مرض کی وجہ سے ان کی قضا نہیں دے سکتی۔ ان کا کفارہ کیا ہو گا؟ اسی طرح اس سال بھی میں رمضان کے روزہ نہ رکھ سکوں گی۔ ان کا کفارہ کیا ہو گا؟

مریم - م - الریاض

جواب : ایسا مریض جس پر روزے شاق ہوں اسے روزہ نہ رکھنا مشروع ہے۔ جب اللہ اسے شفا دے اس کی قضا دے دے جو اس کے ذمہ ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

اور جو تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ (البقرہ : ۱۸۵)

لہٰذا اے سائلہ! آپ پر روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے تنگی نہیں اور اس مہینہ میں بھی' جب تک مرض باقی ہے' روزہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ روزہ چھوڑنا مریض اور مسافر کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے۔ جیسے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

آپ پر کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ کو مرض سے نجات دے تو پھر ان کی قضاء لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفا دے اور ہماری اور آپ کی بیماریاں دور کرے۔

اگر رمضان میں دن کے وقت روزہ دار کو احتلام ہو جائے تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

سوال : جب رمضان میں دن کے وقت روزہ دار کو احتلام ہو جائے تو کیا وہ اس کے روزہ کو باطل کر دے گا یا نہیں؟ اور کیا اس پر جلد غسل واجب ہے؟

عمر - م - ا - الریاض

جواب : احتلام روزہ کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یہ بات روزہ دار کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ البتہ اس صورت میں اس پر غسل واجب ہے' جبکہ منی نکلی ہوئی دیکھ لے۔

اگر اسے نماز فجر کے بعد احتلام ہو اور وہ ظہر کی نماز کے وقت تک غسل کو موخر کرلے تو بھی کوئی حرج نہیں . . . اسی طرح اگر وہ رات کو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور طلوع فجر کے بعد غسل کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ جماع سے جنبی حالت میں صبح کرتے پھر نہاتے اور روزہ رکھتے۔

حیض اور نفاس والی عورتوں کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر وہ رات کو پاک ہو جائیں اور طلوع فجر کے بعد نہائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ان کا روزہ صحیح ہوگا . . . لیکن انہیں اور اسی طرح جنبی کو بھی یہ جائز نہیں کہ وہ طلوع آفتاب یا نماز فجر کو موخر کرے۔ بلکہ ان سب پر واجب ہے کہ نہانے میں جلدی کریں تا کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کو اپنے وقت پر ادا کرسکیں۔

اور مرد پر لازم ہے کہ جنابت کے غسل سے جلد فارغ ہو تا کہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرسکے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا احتلام سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور جب انسان کے جسم سے خون بہہ نکلے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کیا قے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟

سوال : میں نے روزہ رکھا تھا اور مسجد میں سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ مجھے احتلام ہوا ہے۔ کیا احتلام روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں نے غسل نہیں کیا اور نہانے کے بغیر ہی نماز ادا کرلی۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ مجھے سر میں پتھر لگا۔ جس سے میرے سر سے خون بہہ نکلا۔ کیا خون کی وجہ سے میرا روزہ ٹوٹ گیا۔

اسی طرح کیا قے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ مجھے مستفید فرمائیں گے۔

م - د - ا

جواب : احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بندے کے بس کی بات نہیں۔ لیکن جب منی نکلے تو اس پر غسل جنابت لازم ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب احتلام والا پانی یعنی منی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے۔

اور یہ جو آپ نے بلا غسل نماز ادا کی۔ یہ آپ سے غلطی ہوئی ہے اور بہت بری بات ہے۔ اب آپ پر لازم ہے کہ اس نماز کو دہرائیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توبہ بھی کریں۔

اور جو پتھر آپ کے سر پر لگا' جس سے خون بہہ نکلا' تو اس سے آپ کا روزہ باطل نہیں ہو گا۔
اور جو قے آپ کے اندر سے نکلی۔ اس میں بھی آپ کا کچھ اختیار نہ تھا' لہذا آپ کا روزہ باطل نہیں ہوا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ ذَرَعَه القَيءُ؛ فلاقضاءَ عليه ، ومَنِ اسْتَقَاءَ؛ فعليه القضاءُ»

جسے بے اختیار قے آئی' اس پر روزہ کی قضاء نہیں اور جس نے عمداً قے کی' اس پر قضاء ہے۔
اس حدیث کو احمد اور اہل سنن نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

نصف شعبان کے روزوں کا حکم

سوال : نصف شعبان یعنی ۱۳' ۱۴ اور ۱۵ شعبان کے روزوں کا کیا حکم ہے؟

خالد - ی - مکۃ المکرمہ

جواب : ہر مہینہ میں ان تین دنوں کے روزے مستحب ہیں۔ خواہ یہ شعبان کے ہوں یا کسی اور مہینہ کے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو ان کا حکم دیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ابوالدردا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو ان کی وصیت فرمائی اور جو شخص بعض مہینوں میں یہ روزے رکھ لے اور بعض چھوڑ دے یا کبھی رکھ لے اور کبھی چھوڑ دے تو بھی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ یہ نفلی روزے ہیں' فرضی نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اگر کسی کو میسر آسکے تو ہر ماہ ان دنوں کے روزے رکھتا رہے۔

صدقہ فطر کی قیمت؟

سوال : صدقہ فطر کی کیا قیمت ہے؟

مریم - م - الریاض

جواب : غالباً اس سے سائلہ کی مراد رمضان کا صدقہ فطر ہے اس میں واجب شہر یا علاقہ والوں کی عام خوراک کا ایک صاع ہے۔ خواہ یہ چاول ہوں یا گندم' کھجور یا اور کوئی غلہ وغیرہ اور یہ صدقہ مسلمانوں کے ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' چھوٹا ہو یا بڑا' کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔
یہ صدقہ عید کی نماز کی طرف روانگی سے پیشتر ادا کر دینا لازم ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیلو کے حساب سے اس کی مقدار تقریباً تین کیلو بنتی ہے۔

مواقیت (احرام کے مقامات)

جدہ میقات نہیں

سوال : ہوائی جہاز کے ذریعہ حج پر آنے والوں کو بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ جدہ سے احرام باندھیں جبکہ بعض دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں راہ صواب کیا ہے؟ فتویٰ عنایت فرمایئے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب : تمام حجاج پر' خواہ وہ فضائی راستے سے آئیں یا بحری راستے سے یا خشکی کی راستے سے آئیں' واجب ہے کہ جب وہ بری راستہ سے مقررہ میقات پر سے گزریں یا فضائی اور بحری سفر کی صورت میں اس میقات کے بالمقابل آجائیں تو احرام باندھ لیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میقات مقرر کیے تو فرمایا :

«هُنَّ لَهُنَّ ولِمَنْ أتى عليهِنَّ من غيرِ أهلِهِنَّ مِمَّنْ أرَادَ الحجَّ والعُمْرَةَ» .

یہ مقامات وہاں کے رہنے والوں کے لئے ہیں اور ان کے لئے بھی جو وہاں سے گزر کر آئیں' وہاں کے مقیمی نہ ہوں۔ جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔

اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے۔

رہی جدہ کی بات' تو وہ اہل جدہ کے لئے تو میقات ہے مگر دور سے آنے والوں کے لئے میقات نہیں۔ ہاں اگر وہ اس حال میں جدہ آئیں کہ ان کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو اور بعد میں حج یا عمرہ کا ارادہ پیدا ہو جائے تو پھر جدہ ہی ان کے لئے میقات ہو گا۔

تین (قسم کے) حج

سوال : بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حج قران اور حج افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے منسوخ ہو چکے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حج تمتع کرنے کے سلسلہ میں دیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : یہ قول باطل ہے۔ صحت کے لحاظ سے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ علماء کا اس بات پر اجماع

ہے کہ حج تین قسم کا ہے۔ افراد' قران' اور تمتع۔ جو شخص حج کرے اس کا احرام باندھنا بھی صحیح اور اس کا حج بھی صحیح ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ لیکن اگر وہ اس کے بجائے عمرہ کا ارادہ کرلے تو یہ اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو' جنہوں نے حج افراد کا احرام باندھا تھا یا حج اور عمرہ کو ملا کر قران کا احرام باندھا تھا لیکن ان کے ساتھ قربانی نہ تھی' یہ حکم دیا کہ وہ اس احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے لیں۔ پھر طواف اور سعی کریں' بال کتروائیں اور احرام کھول دیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احرام کو باطل نہیں کہا بلکہ انہیں افضل عمل کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا۔ یہ کوئی افراد حج کا نسخ نہیں تھا بلکہ یہ تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے عمل کی طرف راہنمائی تھی جو اس سے افضل و اکمل تھا . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کسی شخص نے اپنے لئے حج کی نیت کی' بعد میں اسے خیال آیا کہ وہ اپنے کسی قریبی کے لئے نیت کرلے۔ کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟

سوال : کسی شخص نے اپنے لئے حج کی نیت کی اور وہ خود پہلے حج کرچکا تھا۔ جب وہ عرفہ میں تھا تو اسے خیال آیا کہ وہ اپنے کسی قریبی کے لئے حج کی نیت بدل لے۔ اس کا کیا حکم ہے اور کیا اسے یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب : انسان جب اپنے لئے حج کا احرام باندھ لے تو پھر وہ نیت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ نہ راستے میں' نہ عرفات میں اور نہ کسی اور جگہ۔ بلکہ یہ حج اسی کے لئے لازم ہے۔ اس کے باپ یا ماں یا کسی دوسرے کے لئے بدل نہیں سکتا۔ اسی کے لئے متعین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔ (البقرہ : ۱۹۶)

گویا جب اس نے اپنے لئے احرام باندھا تو اپنے لئے ہی اسے پورا کرنا واجب ہوگیا اور اگر وہ کسی دوسرے کے لئے احرام باندھتا تو اسے دوسرے کے لئے ہی پورا کرتا۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد وہ اس میں تبدیلی نہیں کرسکتا' اگرچہ وہ اپنی طرف سے حج پہلے کرچکا ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنے والدین کی طرف سے حج کروں یا کوئی ایسا آدمی تیار کروں جو ان دونوں کی طرف سے حج کرے۔ میرے لئے کون سی بات مشروع ہے؟

سوال : میں چھوٹا سا تھا کہ میری والدہ فوت ہو گئی۔ میں نے ایک شخص کو حج کا خرچہ دے کر والدہ کی طرف سے حج کے لئے پابند کیا۔ نیز میرا والد بھی فوت ہو چکا ہے۔ میں ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتا۔ میں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سنا ہے کہ اس نے حج کیا تھا۔
سوال یہ ہے کہ آیا میں اپنی والدہ کے حج کے لئے کسی دوسرے کو بھیج سکتا ہوں یا یہ ضروری ہے کہ میں خود ہی اس کی طرف سے حج کروں؟ نیز کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کر سکتا ہوں جبکہ میں نے سنا ہے کہ اس نے حج کیا تھا؟ میں توقع رکھتا ہوں کے آپ مجھے مستفید فرمائیں گے۔ شکریہ!

معس - ع - جدہ

جواب : اگر آپ خود ان کی طرف سے حج کریں اور مناسک حج ادا کرنے میں شرعی احکام کا پوری طرح خیال رکھیں تو یہ بہت بہتر بات ہے اور اگر کسی دیندار اور امانت دار آدمی کو بھیج دیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔
اور بہتر یہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے حج اور عمرہ کریں اور اگر اس معاملہ میں کسی کو نائب بنائیں تو اسے بھی یہی کہیں کہ وہ ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرے اور یہ کام آپ کی طرف سے ان کے لئے نیکی اور احسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے۔

ایک عورت نے حج کے مناسک خود ادا کئے مگر رمی جمار کے لئے کسی دوسرے کو وکیل مقرر کیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک عورت نے حج ادا کیا اور اس کے تمام مناسک خود ادا کیے۔ مگر رمی الجمار کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنایا۔ کیونکہ اس کے ساتھ چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ یہ اس کا فرض حج تھا۔

نھید - ا - القصیم

جواب : اس معاملہ میں اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ وکیل کی طرف سے رمی الجمار اسے کافی ہے۔ کیونکہ رمی جمار کے وقت بہت ہجوم ہوتا ہے جو عورتوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا۔

عرفہ کا وقوف

سوال : اگر حاجی عرفہ کی حدود سے باہر' لیکن اس سے کہیں قریب ہی وقوف کرے تا آنکہ سورج غروب ہو جائے اور وہ واپس چلا آئے تو اس کے حج کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب : اگر عرفہ میں وقوف کے اوقات میں کوئی حاجی وہاں وقوف نہیں کرتا تو اس کا کوئی حج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : الحج عرفة (عرفہ کا وقوف ہی حج ہے)۔ لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے رات کے دوران عرفہ کا وقوف پالے اس نے حج پالیا اور عرفہ میں وقوف کا وقت عرفہ کے دن زوال آفتاب سے لے کر اگلے (قربانی والے) دن کی طلوع فجر تک ہے۔ اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

رہا زوال سے پہلے عرفہ میں وقوف' تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے اور اکثر اس وقوف کو کافی نہیں سمجھتے جب تک وہ زوال کے بعد یا رات کو وقوف نہ کرے جس شخص نے زوال کے بعد یا رات کو وقوف کیا تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ نماز ظہر اور عصر کی جمع تقدیم کے بعد غروب آفتاب تک وقوف کرے اور جس شخص نے دن کو وقوف کیا اسے غروب آفتاب سے پہلے وہاں سے واپس مڑنا جائز نہیں اور اگر وہ ایسا کرے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر قربانی لازم ہے کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا۔

جو شخص دن کو وقوف کرتا ہے اس کے لئے دن اور رات کے وقوف کو جمع کرنے کی یہی صورت ہے۔

منیٰ سے باہر رات گزارنے کا حکم

سوال : اگر کسی حاجی کو منیٰ میں رات گزارنے کو جگہ نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ اور اگر وہ منیٰ سے باہر رات گزارے تو اس پر کچھ پابندی ہے؟

جواب : اگر حاجی منیٰ میں رات بسر کرنے کے لئے جگہ کی تلاش میں پوری سعی کرنے کے بعد بھی جگہ نہ پاسکے تو وہ منیٰ سے باہر قیام کرلے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرو' جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ١٦)

اور منیٰ میں جگہ نہ پاسکنے کی وجہ سے اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

کیا تمتع یا قران کی قربانی عرفات میں ذبح کرنا جائز ہے؟

سوال : کسی حاجی نے اپنی قربانی ایام تشریق کے دوران عرفات میں ذبح کر ڈالی اور وہاں کے لوگوں میں ہی اسے تقسیم کر دیا۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر وہ اس کا حکم نہ جانتا ہو یا عمداً اس نے ایسا کیا ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟

اور اگر وہ اپنی قربانی ذبح تو عرفات میں کرے مگر اس کا گوشت حرم کی حدود میں تقسیم کرے تو کیا یہ جائز ہے اور وہ کونسی جگہ ہے۔ جس کے علاوہ کسی دوسری جگہ قربانی کرنا جائز نہیں؟ شکریہ!

عبداللہ ۔ ن ۔ الدلم

جواب : تمتع یا قران کی قربانی حرم کے علاوہ کسی اور مقام پر جائز نہیں اور اگر کسی نے کسی اور مقام مثلاً عرفات یا جدہ یا کسی دوسرے مقام پر ذبح کی تو وہ کفایت نہ کرے گی' اگرچہ اس کا گوشت حرم میں ہی تقسیم کیا جائے۔ اسے حرم میں دوسری قربانی کرنا پڑے گی اور اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس مسئلہ کو جانتا تھا یا نہ جانتا تھا۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حرم میں ذبح کی اور فرمایا :

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُم»

اپنے حج کے ارکان مجھ سے سیکھ لو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حرم میں ہی اپنی قربانی ذبح کی۔

ممنوعاتِ احرام

احرام باندھے ہوئے کے سر سے بال گرنے کا حکم

سوال : اگر عورت نے احرام باندھا ہو اور بے اختیار اس کے سر سے بال گر جائیں تو وہ کیا کرے؟

جواب : اگر کسی محرم کے سر سے بال گر جائیں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور یہ بات وضو کرتے وقت سر کا مسح کرنے سے ہو یا سر دھونے سے ہو' اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر مرد کی داڑھی سے یا اس کی مونچھوں سے یا ناخنوں سے کچھ گر جائے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں جبکہ اس نے عمداً ایسا نہ کیا ہو۔ ممنوع بات صرف یہ ہے کہ وہ احرام کی حالت میں دانستہ اپنے بال یا اپنے ناخن کاٹے۔ اسی طرح عورت بھی دانستہ کچھ نہ کاٹے۔ پھر اگر بلا ارادہ بال گر جاتے ہیں تو وہ مردہ بال ہوتے ہیں جو حرکت کے وقت گر جاتے ہیں۔ ان کے گرنے کا کچھ نقصان نہیں۔

اپنے گھر کو لوٹنے والے مسافر کے لئے طواف وداع

سوال : جب حاجی عمرہ ادا کر لے۔ پھر اس کے بعد اپنے اقرباء کی زیارت کے لئے حرم سے باہر جانا چاہے تو کیا اس کے لئے طواف وداع لازم ہے یا اس معاملہ میں اسے کچھ کرنا ضروری ہے؟

جواب : عمرہ کرنے والا جب حرم سے باہر مکہ کے گردو نواح میں جانے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے طواف وداع ضروری نہیں اور یہی صورت حاجی کی ہے۔ لیکن جب اپنے گھر والوں یا دوسرے لوگوں کی طرف سفر کا ارادہ کرے تو طواف وداع اس کے لئے جائز ہے۔ لیکن واجب نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے عمرہ سے احرام کھولا اور منیٰ اور عرفات کی طرف نکلے' انہیں طواف وداع کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب حاجی لوگ اپنے گھر والوں یا دوسرے لوگوں کی طرف مکہ کو چھوڑتے ہوئے سفر کریں تو ان کے لئے طواف وداع ضروری ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

« أُمِرَ النَّاسُ أن يكونَ آخِرُ عَهْدِهم بالبيتِ ؛ إلَّا أنَّه خُفِّفَ عنِ الْمَرْأةِ الحَائضِ »

لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ پر ہو۔ الا یہ کہ حائضہ عورت کو اس میں گنجائش ہے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول **امر الناس** کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا۔ اسی لئے ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لا يَنفِرَنَّ أحَدٌ مِنكُم حَتَّى يكونَ آخِرُ عَهْدِه بالبَيْتِ »

تم میں سے کوئی شخص دوڑ نہ جائے تاآنکہ اس کا آخری عہد بیت اللہ کے ساتھ ہو۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حائضہ عورت کے لئے نہ حج میں طواف وداع ہے اور نہ عمرہ میں۔ اسی طرح نفاس والی عورت کا بھی اہل علم کے ہاں ایسا ہی حکم ہے۔

حج سے متعلقہ مسائل

کعبہ کے رکن یمانی کو چھونے کا حکم؟

سوال : طواف کے دوران کعبہ شریف کے جنوب مغربی رکن کی طرف اشارہ کرنے یا اسے چھونے کا کیا حکم ہے؟ اس کے نزدیک کتنی تکبیریں کہنا چاہئیں اور حجر اسود کے نزدیک کتنی؟ ہمیں مستفید فرمایئے۔

عبدالرحمٰن۔ ع۔ ا

جواب : طواف کرنے والے کے لئے ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا جائز ہے۔ جیسا کہ اس کے لئے بالخصوص حجر اسود کو ہر چکر میں بوسہ دینا اور چھونا مستحب ہے۔ حتیٰ کہ آخری چکر میں بھی اگر اسے بغیر مشقت یہ بات میسر آ سکے اور اگر مشقت ہو تو اسے دھکم پیل کرنا جائز نہیں۔ اس صورت میں حجر اسود کی طرف ہاتھ سے یا چھڑی وغیرہ سے اشارہ کرلے اور تکبیر کہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے' رکن یمانی کے متعلق کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہوئی جو اس کی طرف اشارہ کرنے پر دلالت کرتی ہو۔ اسے صرف چھونا ہی کافی ہے اگر یہ بغیر مشقت کے ممکن ہو اور چومنا نہیں چاہئے اور ساتھ یہ پڑھے :

بِسْمِ اللّه، واللّه أكبرُ یا اللّه أكبرُ

اور اگر مشقت ہو تو اسے چھونا مشروع نہیں۔ اپنے طواف میں بغیر اشارہ یا تکبیر کے آگے چلا جائے۔ کیونکہ یہ بات نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی ہے' نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب التحقيقُ والإيضاحُ لكثيرٍ مِنْ مَسَائِلِ الحجِّ والعُمْرَةِ والزِّيارةِ. میں واضح کردیا ہے۔

رہی تکبیر تو وہ صرف ایک بار کہنا چاہئے اور مجھے کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو تکبیر کے زیادہ بار کہنے پر دلالت کرتی ہو۔ حاجی اپنے پورے طواف میں جو شرعی اذکار اور دعائیں آسانی سے پڑھ سکتا ہو' پڑھے اور ہر چکر کو اسی دعا پر ختم کرے۔ جس پر ختم کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مستند دعا یہ ہے :

﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْـَٔاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ﴾

طواف اور سعی میں تمام اذکار اور دعائیں پڑھنا مستحب ہے' واجب نہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان دونوں میں کونسا عمل افضل ہے
نفلی حج یا اسی رقم کا افغان مجاہدین کے لئے چندہ دینا

سوال : جو شخص اپنا فرضی حج ادا کرچکا ہو اور دوسری بار حج کرسکتا ہو تو کیا اسے دوسری بار حج کرنے کے عوض یہ جائز ہوگا کہ وہ حج کے اخراجات کی رقم افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے لئے دے دے۔ جبکہ دوسری بار حج کرنا نفلی عبادت ہے اور جہاد کے لئے چندہ دینا فرض ہے؟ ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔

عبداللہ ۔ ا ۔ حائل

جواب : جو شخص فریضہ حج ادا کرچکا ہو' اس کے لئے افضل یہی ہے کہ دوسرے حج کی رقم فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے چندہ میں دے دے۔ جیسا کہ افغان مجاہدین اور وہ مہاجرین جو پاکستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا : "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا"۔ سائل نے پوچھا : "پھر اس کے بعد کونسا؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اللہ کی راہ میں جہاد"۔ سائل نے پوچھا : "پھر اس کے بعد کونسا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "حج مبرور"۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو جہاد کے بعد قرار دیا۔ جس سے مراد نفلی حج ہی ہو سکتا ہے کیونکہ استطاعت کی صورت میں تو فرضی حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

«مَنْ جَهَّزَ غازياً فقدْ غزَا ، ومَنْ خَلَّفَه في أهلِه بخيرٍ فقدْ غزَا »

جس نے کسی غازی کو سامان مہیا کیا تو اس نے جہاد کیا اور جس نے غازی کے گھر والوں کی ٹھیک طرح دیکھ بھال کی' تو اس نے جہاد کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ افغان مجاہدین اور ان جیسے دوسرے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اپنے بھائیوں سے مالی تعاون کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دو مذکور حدیثوں اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں کی بنا پر نفلی حج کی نسبت اتنی رقم جہاد میں خرچ کردینا افضل ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

مکہ میں اقامت کے دوران حاجی کے لیے قصر صلوٰۃ کا حکم

سوال : مکہ میں اقامت کے دوران حاجی کے لئے قصر نماز کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ وہ چار دن سے زیادہ مکہ میں رہے۔

خالد ۔ ی ۔ مکہ المکرمہ

جواب : جب حاجی کی مکہ میں اقامت چار دن یا اس سے کم ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ چار رکعت والی نمازوں کی دو دو رکعتیں پڑھے کیونکہ حج الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ البتہ جب چار دن سے زیادہ رہنے کا ارادہ رکھتا ہو تو محتاط روش یہی ہے کہ چار رکعتیں نماز ادا کرے اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

میں نے حج افراد کا احرام باندھا تھا لیکن میرے ساتھی مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ چلا جاؤں اور واپس آکر عمرہ ادا کرلوں؟

سوال : میں ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے گیا اور حج افراد کا احرام باندھا۔ میرے ساتھی مدینہ کی طرف سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیا میں مدینہ چلا جاؤں اور چند دن بعد مکہ آکر عمرہ ادا کرلوں؟

جواب : جب کوئی شخص جماعت کے ساتھ حج کرے اور حج افراد کا احرام باندھے۔ پھر ان کے ساتھ زیارت کے لیے سفر کرے تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے لے اور اسی کے لیے طواف اور سعی کرے اور بال کتروائے۔ پھر احرام کھول دے۔ پھر حج کے موقع پر احرام باندھ لے۔ اس طرح اس کا یہ حج تمتع ہوگا اور حج تمتع کی قربانی اس پر لازم ہوگی۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا تھا' جن کے ساتھ قربانی نہیں تھی۔

کیا یہ درست ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت نہ کرنے سے حج ناقص رہ جاتا ہے؟

سوال : بعض حاجی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب تک حاجی مسجد نبوی کی زیارت نہ کرے' ان کا حج ناقص ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب : زیارت مسجد نبوی سنت ہے' واجب نہیں' نہ ہی اس کا حج کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ ہر سال مسجد نبوی کی زیارت کی جائے لیکن یہ حج کے وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إلاَّ إلى ثلاثةِ مَسَاجِدَ: المسجدِ الحرامِ، ومسجِدِيْ هذا، والمسجدِ الأقصى» (متفق عليه)

تین مساجد کے علاوہ کسی مقام کی طرف ثواب (زیارت' فضیلت) کی غرض سے سفر نہ کیا جائے' مسجد الحرام کی طرف' میری اس مسجد کی طرف اور مسجد اقصیٰ کی طرف۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صلاةٌ في مسجدِي هذا، خيرٌ من ألفِ صلاةٍ فيمَا سِوَاه إلاَّ المسجدَ الحرامَ»

میری اس مسجد میں ایک نماز' مسجد حرام کے علاوہ باقی مقامات پر ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

اور جب مسجد نبوی کی زیارت کی جائے تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ ریاض الجنہ میں دو رکعت نماز نفل ادا کی جائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھا جائے۔ جیسا کہ جنت البقیع کی زیارت اور اس جگہ مدفون صحابہ وغیرہم کے لیے سلام اور دعا اور رحمتہ اللہ علیہ کہنا مشروع ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سکھلایا کرتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو یوں کہیں:

«السَّلامُ عليكُم أهلَ الدِّيارِ مِنَ الْمؤمنينَ والمُسلِمينَ، وإنَّا إنْ شاءَ اللّهُ بِكُم لاحِقُون. نسألُ اللّهَ لنا ولكُم العَافيةَ»

اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ جنت البقیع کی زیارت کرتے تو یوں فرماتے:

«يَرْحَمُ اللّهُ المُستقدمينَ منّا والمُستأخرين، اللّهمَّ اغفِرْ لأهْلِ بقيعِ الغَرْقَدِ»

اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے چلے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں' سب پر رحم فرمائے۔ اے اللہ بقیع غرقد والوں کو معاف فرما۔

اور جو شخص مسجد نبوی کی زیارت کرے اس کے لیے یہ بھی مشروع ہے کہ مسجد قبا کی زیارت کرے اور اس میں دو رکعت نفل ادا کرے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن وہاں جاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے گھر میں اچھی طرح طہارت کرے پھر مسجد کو آئے اور اس میں نماز ادا کرے تو عمرہ کی مانند ہے"۔

یہی وہ مقامات ہیں جن کی مدینہ منورہ میں زیارت کرنا چاہیے۔ رہیں سات مساجد اور مسجد قبلتین اور ایسے ہی دوسرے مقامات جن کی زیارت کے متعلق بعض مولفین نے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ ان کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی دلیل ہے اور مومن کے لیے دائمی طور پر بدعت کو چھوڑتے ہوئے صرف سنت

کی اتباع ہے ۔ ۔ ۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حج کے دوران حائضہ اور نفاس والی عورتیں

ایک عورت نے حج کا ارادہ کیا لیکن یوم ترویہ کو اسے نفاس کا خون آگیا۔ اب وہ کیا کرے؟

سوال : ایک نفاس والی کو یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) کو نفاس کا خون اترنا شروع ہوا۔ اس نے طواف اور سعی کے سوا حج کے باقی ارکان ادا کر لیے۔ وہ یہ دیکھتی رہی کہ آغاز نفاس سے دس دن بعد پاک ہو جائے گی۔ کیا وہ اس وقت طہارت کرے' نہائے اور حج کا باقی رکن یعنی طواف ادا کرے؟

جواب : ہاں۔ مثال کے طور پر جب آٹھویں دن وہ نفاس والی ہو جائے تو وہ حج کرے' لوگوں کے ساتھ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرے اور جو کچھ دوسرے لوگ کرتے ہیں مثلاً رمی الجمار' بال کتروانا اور قربانی کرنا' وغیرہ' وہ سب کچھ کرے۔ اب اس کے ذمہ صرف طواف اور سعی باقی رہ جائے گی جسے وہ اپنے پاک ہونے تک موخر کر دے۔ پھر جب دس یا زیادہ یا کم دنوں کے بعد پاک ہو جائے تو نہائے' نماز ادا کرے' روزے رکھے طواف و سعی کرے۔

نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ دس دن یا اس سے کم یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کی انتہا (زیادہ سے زیادہ مدت) چالیس دن ہے۔ جب چالیس دن گزر جائیں اور خون نہ رکے تو ایسی عورت کو اپنے آپ کو پاکیزہ عورتوں کی طرح شمار کرنا چاہیے۔ وہ نہائے' نماز ادا کرے اور روزے رکھے اور جو خون بعد میں آئے اسے صحیح قول کے مطابق بگڑا ہوا خون سمجھے۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی وہ نماز ادا کرے' روزہ رکھے اور وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہے لیکن ایسے خون سے روئی وغیرہ رکھ کر بچنے کی کوشش کرے۔ ہر نماز کے لیے اس کے وقت پر وضو کرے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بنت جحش کو ایسی ہی وصیت کی تھی۔

حائضہ عورت احرام کی دو رکعتیں کیسے ادا کرے اور کیا وہ قرآن پڑھ سکتی ہے؟

سوال : حائضہ عورت احرام کی دو رکعت کیسے ادا کرے؟ اور کیا ایسی عورت کے لیے دل میں قرآن کریم کی آیات پڑھنا جائز ہے؟

جواب : (۱) حائضہ احرام کی دو رکعت ادا نہ کرے بلکہ ان رکعتوں کے بغیر ہی احرام باندھ لے۔ احرام کی رکعتیں جمہور کے نزدیک سنت ہیں۔ بعض اہل علم انہیں مستحب نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی مخصوص روایت نہیں اور جمہور انہیں مستحب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا :

« أتاني آتٍ مِن رَبِّي، فقالَ: صلِّ في هذا الوَادي المُبارَكِ، وقُلْ عمرةً في حجةٍ »

میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا۔ اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو اور کہو عمرہ حج کے اندر ہے۔

یعنی آنے والا حجۃ الوداع کے موقع پر وادی عقیق میں آیا تھا اور صحابہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے نماز ادا کی پھر احرام باندھا۔ لہٰذا جمہور اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ نماز کے بعد احرام باندھا جائے خواہ یہ نماز فرضی ہو یا نفلی ہو۔ وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور حیض و نفاس والی عورتیں نماز ادا کرنے والوں سے نہیں۔ وہ نماز ادا کئے بغیر ہی احرام باندھ لیں اور ان دو رکعتوں کی قضاء بھی مشروع نہیں۔

(ب) صحیح قول کے مطابق حائضہ عورت کو قرآن کو لفظاً ادا کرنا جائز ہے اور دل میں اسے دہرانا تو سب کے نزدیک ہی جائز ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں کہ آیا وہ زبان سے ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم اسے حرام سمجھتے ہیں اور ان باتوں کو حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کی قراءت کریں یا قرآن کو چھوئیں۔ نہ وہ دل میں پڑھ سکتی ہیں اور نہ قرآن سے تا آنکہ وہ غسل کر لیں۔ اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ ایسی عورتوں کے لیے دل میں قرآن پڑھنا جائز ہے' قرآن سے پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کی مدت لمبی ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے متعلق کوئی صریح حکم وارد نہیں' جس میں اس کی ممانعت ہو' بخلاف جنبی کے کہ اس کے لیے سب کچھ ممنوع ہے تا آنکہ وہ غسل نہ کر لے اور غسل پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم نہ کر لے۔ دلیل کے لحاظ سے یہی بات راجح تر ہے۔

ایک عورت طواف افاضہ کر رہی تھی کہ اسے خون اتر آیا۔ اس نے اپنے ولی کو نہ بتلایا حتیٰ کہ اپنے ملک واپس آگئی۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک عورت حج کے لیے روانہ ہوئی۔ آغاز سفر سے پانچ دن بعد اسے ماہواری آگئی۔ میقات پر پہنچنے کے بعد اس نے غسل کر لیا اور احرام باندھ لیا' جب کہ وہ حیض کی وجہ سے پاک نہ تھی۔ جب وہ مکہ پہنچی تو حرم سے باہر ہی رہی اور حج یا عمرہ کے شعائر میں سے کچھ بھی نہ کیا۔ وہ دو دن منیٰ میں رہی پھر وہ پاک ہو گئی اور اس نے غسل کیا اور پاکیزگی کی حالت میں اس نے عمرہ کے تمام مناسک سرانجام دیئے۔ پھر جب وہ حج کے لیے طواف افاضہ کر رہی تھی تو اسے پھر خون آگیا مگر وہ شرما گئی اور مناسک حج پورے کر لئے اور اپنے ولی کو اس وقت اطلاع دی جب وہ واپس اپنے وطن پہنچ گئے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

فہید۔ ا۔ القصیم

جواب : اگر بات ایسی ہی ہے جیسا کہ سائل نے بیان کیا ہے تو اس عورت پر لازم ہے کہ وہ مکہ جائے

کیا۔ وہ کہتے ہیں :

«لقدْ رَأيتُ النَّاسَ في عَهْدِ رسولِ اللّهِ صلّى اللّهُ عليه وسلَّمَ يَبتاعُونَ جِزافاً -يعني الطَّعامَ- يُضْرَبُون أنْ يَبيعُوه في مكانِهم حتّى يُؤْوُه إلى رِحالِهم»

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ غلہ کے ڈھیر کا سودا کر لیتے اور اسی جگہ بیچ دینے پر انہیں مار پڑتی تھی۔ تا آنکہ وہ اس ڈھیر کو اپنے ٹھکانوں تک نہ لے جائیں۔

اور اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں۔

بیع میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں میں قیمت زیادہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے

سوال : بیع میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں پر قیمت زیادہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

احمد۔م۔ا

جواب : معلوم مدت والی بیع جائز ہے جبکہ اس بیع میں معتبر شرائط پائی جاتی ہوں۔ اسی طرح قیمت کی قسطیں کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اقساط معروف اور مدت معلوم ہو۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ﴾

اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے ادھار پر لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (البقرہ : ۲۸۲)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أسْلَفَ في شيْءٍ فلْيُسْلِفْ في كَيْلٍ معلومٍ، ووَزْنٍ معلومٍ، إلى أجَلٍ معلومٍ»

جب کوئی شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے تو ناپ تول اور مدت معین کر کے کرے۔

اور بریرہ رضی اللہ عنہا سے متعلق جو صحیحین میں ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں سے نو اوقیہ میں خرید لیا کہ ہر سال ایک اوقیہ (چاندی) ادا کی جائے گی اور یہی قسطوں والی بیع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو معیوب نہیں سمجھا بلکہ خاموش رہے اور اس سے منع نہیں کیا اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ قسطوں میں قیمت نقد کے برابر ہو یا مدت کی وجہ سے زیادہ ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا ایک بکری کی بیع دو ادھار بکریوں سے جائز ہے؟

سوال : کیا ایک بکری کی بیع دو یا تین بکریوں سے جائز ہے جو مثال کے طور پر بیس سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد ملیں؟

سعید۔ع۔ا۔الجوۃ

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ایک معین حاضر جانور کی بیع ایک یا زیادہ

جانوروں سے ادھار پر جائز ہے۔ مدت معلوم ہونی چاہیے۔ خواہ یہ تھوڑی ہو یا زیادہ یا قسطوں والی ہو جبکہ قیمت اور دوسری صفات طے کرلی جائیں جو اسے معین کرسکیں۔ اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ فروختنی چیز جانور ہو یا کوئی دوسری چیز۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ :

«أنّه اشترى البعيرَ بالبعيرَين إلى إبلِ الصَّدَقةِ»

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاضر اونٹ اس شرط پر خریدا کہ جب زکوۃ کے اونٹ آئیں گے تو اس کے عوض دو اونٹ دے دیں گے۔

اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

سود

جو شخص حالات سے مجبور ہو کر بنک یا کرنسی ایکس چینج میں کام کرے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جسے اس کے حالات بنکوں میں یا مملکت میں موجود مقامی کرنسی ایکس چینج میں کام کرنے پر مجبور کردیں۔ جیسے بنک الاھلی التجاری' بنک الریاض' بنک الجزیرہ' بنک العربی الوطنی' شرکہ الراجحی برائے مبادلہ و تجارت' مکتب الکعکی برائے تبادلہ' بنک السعودی الامریکی اور ان کے علاوہ دوسرے مقامی بنک ہیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ بنک اپنے گاہکوں کے لیے سیونگ اکاونٹ کھولتے ہیں اور کلرک جو تحریر کا کام کرتے ہیں۔ جیسے حسابات لکھنے والا' پڑتال کرنے والا' نگرانی کرنے والا یا ان کے علاوہ ادارہ کے دوسرے کام کرنے والوں کو یہ بنک کئی مراعات دیتے ہیں جو ملازموں کو ان بنکوں کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ جیسے بدل سکن (کرایہ رہائش) جو تقریباً بارہ ہزار ریال کے لگ بھگ ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے اور سال کے آخر میں دو ماہ کی تنخواہ۔ تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بیوع—م—ا

جواب : سودی بنکوں میں کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' کھلانے والے' اس کو لکھنے والے اور دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

اور اس لحاظ سے بھی ناجائز ہے کہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر تعاون ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

بنکوں کے ملازمین جو تنخواہ لیتے ہیں وہ حلال ہے یا حرام؟

سوال : عام بنکوں کے ملازمین اور بالخصوص عربی بنکوں کے ملازمین جو تنخواہ پاتے ہیں وہ حلال ہے یا حرام۔ جبکہ میں نے سنا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ یہ بنک بعض معاملات میں سودی لین دین کرتے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے مستفید فرمائیں گے کیونکہ میں خود بھی کسی بنک میں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟

فوزی۔ح۔ا۔بیشہ

جواب : جو بنک سودی لین دین کرتے ہیں ان میں کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں بنک والوں کے لیے گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ"

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔(المائدہ : ۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' ایسی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا : "ھم سواء"(یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

بنکوں کی ملازمت کا حکم

سوال : میرا چچا زاد بھائی بنک الجزیرہ میں ملازم ہے۔ کیا اس کے لیے یہ ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فتویٰ دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا دے . . . میں نے اپنے بھائیوں سے سنا ہے کہ بنک کی ملازمت جائز نہیں۔

عمری۔ع۔ا۔جدہ

جواب : سودی کاروبار کرنے والے بنکوں میں ملازمت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ کام گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔(المائدہ : ۲)

اور یہ تو معلوم ہے کہ سود بہت بڑے بڑے گناہوں میں سے ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے تعاون جائز نہیں . . . نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سود کھانے والے' کھلانے والے' اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے۔
نیز فرمایا کہ یہ سب لوگ اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔
اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔

سودی بنکوں کی ملازمت

سوال : میرا چچا زاد بھائی بنک الجزیرہ میں کلرک ہے۔ اسے بعض علماء نے فتویٰ دیا کہ وہ یہ ملازمت چھوڑ دے اور بنک کے علاوہ کوئی اور کام تلاش کرے۔ آپ کو اللہ بہتر جزا عطا فرمائے۔ ہمیں مستفید فرمایئے کہ آیا یہ ملازمت جائز ہے یا نہیں ؟

عمری-ع-ع-جدہ

جواب : جس شخص نے اسے مذکورہ فتویٰ دیا' اس نے بہت اچھا کام کیا۔ کیونکہ سودی بنکوں کی ملازمت جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ گناہ اور سرکشی پر بنک کی اعانت ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔(المائدہ : ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ "آپ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں' سب پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔

بنکوں سے ڈیلنگ

ہم غیر اسلامی ممالک میں پڑھاتے ہیں اور اپنی نقدی بنکوں میں رکھتے ہیں کیا ہم اس پر فائدہ لے سکتے ہیں یا ہم باطل کی اعانت کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیں ؟

سوال : ہم غیر مسلموں کے ملکوں میں رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں وافر مال و دولت سے نوازا ہے۔ جس کی حفاظت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مال کو کسی امریکی بنک میں رکھیں۔ لہٰذا ہم سود لیے بغیر اپنی رقوم ان بنکوں میں رکھتے ہیں۔ بنکوں والے اس بات پر بہت خوش ہیں اور ہمیں بے وقوف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم جو سودی رقم ان کے ہاں چھوڑ دیتے ہیں' اسے وہ عیسائیت کی نشر و اشاعت پر صرف کرتے ہیں . . . جبکہ یہ مال مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ ہم اس مال سے خود کیوں نہ فائدہ اٹھائیں۔ اس سے مسلمان فقراء کی مدد کریں یا مساجد اور اسلامی مدارس تعمیر کریں۔ اگر کوئی مسلمان یہ فائدہ لے لے تو کیا وہ گنہگار ہو گا جبکہ وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دے۔ جیسے مجاہدین کو چندہ دے دے۔

محمد ۔ ع ۔ ی ۔ امریکہ

جواب : سودی بنکوں میں اپنی رقوم رکھنا ناجائز ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس بنک کو قائم کرنے والے مسلم ہیں یا غیر مسلم۔ کیونکہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے اگرچہ سود نہ لیا جائے۔ لیکن جب کوئی شخص رقم کی حفاظت کے لیے یہ کام کرنے پر مجبور ہو اور سود نہ لے تو انشاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾

اور جو کچھ اللہ نے تم پر حرام کیا ہے' اسے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی بات پر مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام : ۱۱۹)

اور اگر سود لیتا ہے تو یہ کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ سود بڑے بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب کریم میں اور اپنے امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرام قرار دیا ہے اور بتلایا کہ مٹا دینے کی چیز ہے اور جو شخص اس کے درپے ہوا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔ مالدار لوگ یہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے اموال سے نیکی اور احسان کی راہوں میں اور مجاہدین کی مدد میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام پر اجر عطا فرمائے گا اور اس کے عوض عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾

جو لوگ اپنے اموال رات کو اور دن کو' خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے ہاں ان کے لیے اجر ہے۔ انہیں نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ : ۲۷۴)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴾

جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اللہ اس کا عوض عطا فرمائے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (سبا : ۳۹)

یہ آیات زکوۃ و صدقات سب کو عام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «مَا نَقَصَ مالٌ مِنْ صَدَقَةٍ ، وما زَادَ اللّهُ عَبْداً بعَفْوٍ إلاَّ عِزّاً، و ما تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّهِ إلاَّ رَفَعَه »

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص معاف کر دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو اللہ کی

خاطر تواضع سے پیش آئے' اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔

نیز یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَا مِنْ يَوم يُصْبِحُ فيه النَّاسُ إلاَّ ويَنْزِلُ فيه مَلَكَان: أَحَدُهما يقولُ: اللّهمَّ أَعْطِ مُنْفِقاً خلَفاً والثاني يقولُ: اللّهمَّ أَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً»

کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ اس میں صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو عطا فرما۔ اور دوسرا کہتا ہے۔ اے اللہ! بخیل کے مال کو غارت کر۔

نیکی کے کاموں میں اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کی فضیلت میں آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اگر صاحب مال سودی رقم لیتا ہے' خواہ لاعلمی کی بنا پر لے یا نرم روی کی بنا پر' پھر اللہ اسے نیک بختی کی راہ دکھلادے تو وہ ایسے مال کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کردے اور اپنے پاس ایسے مال سے کچھ نہ رکھے کیونکہ سود جس مال میں مل جائے اسے بھی مٹادے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَـٰتِ﴾

اللہ تعالیٰ سود کا زور توڑتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (البقرہ : ۲۷۶)

اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا مملکت عربیہ سعودیہ میں کام کرنے والے بنکوں کے حصے خریدنا جائز ہے ؟

سوال : کیا مملکت سعودیہ عربیہ میں کام کرنے والے بنکوں کے حصے خریدنا جائز ہے۔ جیسے سعودی امریکی بنک یا الائیڈ کمرشل سعودی بنک۔ جس نے اب عوام میں اپنے حصص فروخت کرنے کا اعلان کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے بنکوں سے؟

عبدالمحسن۔ ا

جواب : سودی بنکوں کے حصے خریدنا جائز نہیں۔ جیسا کہ سودی بنکوں اور دوسرے سودی اداروں سے معاملات جائز نہیں۔ کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی پر تعاون ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے :

﴿وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔ (المائدہ : ۲)

بنکوں کے حصے خریدنے کا حکم

سوال : بنکوں کے حصے خریدنے اور کچھ مدت بعد انہیں بیچ دینے کا کیا حکم ہے جبکہ مثال کے طور پر ایک ہزار کے حصے تین ہزار کے ہو جائیں اور کیا اسے سود ہی سمجھا جائے گا؟

ناصر۔ع۔ا۔الخرج

جواب : بنکوں کے حصوں کی خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ یہ نقدی کی نقدی سے بیع ہے۔جس میں نہ برابر برابر ہونے کی شرط پائی جاتی ہے اور نہ قبضہ میں لینے کی اور اس لیے بھی کہ سودی اداروں کے ساتھ تعاون جائز نہیں۔نہ ہی ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔(المائدہ : ۲)

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ "آپ نے سود لینے والے' دینے والے' اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور آپ صرف اپنا راس المال ہی لے سکتے ہیں۔

آپ کو اور دوسرے سب مسلمانوں کو میری یہی نصیحت ہے کہ وہ ہر طرح کے سودی معاملات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور گزشتہ معاملات پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں کیونکہ سودی معاملات دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔تو جس شخص کو اپنے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی وہ باز آ گیا تو پہلے جو ہو چکا

وہ اس کا اور (قیامت کو) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر سود لینے لگا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود کرتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ (البقرۃ ۲۷۵-۲۷۶)

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو (سود چھوڑ دو) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ دوسروں کا نقصان نہ تمہارا نقصان۔ (البقرۃ-۲۷۸-۲۷۹)

اور جیسا کہ پہلے حدیث شریف گزر چکی ہے۔

سودی بنکوں میں امانت رکھنے کا حکم

سوال : اگر کسی کے پاس کچھ نقد رقم ہو اور وہ حفاظت کی خاطر اسے امانت کے طور پر کسی بنک میں رکھے اور سال کا عرصہ گزرنے پر اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ آپ کو بہتر جزاء عطا فرمائے۔

عمری-س-ع-جدہ

جواب : سودی بنکوں میں امانت رکھنا جائز نہیں' خواہ وہ اس پر سود نہ لے۔ کیونکہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اس کام پر مجبور ہو اور سود نہ لے اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے سودی بنک کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ پائے تو مجبوری کی بنا پر (انشاء اللہ) اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا ٱضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے اسے تفصیل سے بیان کر دیا ہے الا یہ کہ تم کسی بات پر مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام : ۱۱۹)

اور جب کوئی اسلامی بنک یا امانت رکھنے کی جگہ پا لے جس میں گناہ اور سرکشی پر تعاون کی صورت نہ ہو تو اپنا مال اس میں امانت رکھے۔ اب اس کے لیے سودی بنک میں امانت رکھنا جائز نہ ہو گا۔

ایسی کمپنیوں سے تعاون کا حکم جو سودی لین دین کرتی ہیں

سوال : میں شرکہ تجاریہ (تجارتی کمپنی) کے ہاں اکاؤنٹنٹ ہوں۔ یہ کمپنی سودی بنک سے قرضے لینے پر مجبور ہوتی ہے۔ مجھے معاہدہ قرض کا ایک فارم ملتا ہے جس سے بنک کے رجسٹروں میں کمپنی کا مقروض ہونا ثابت ہو سکے . . . . کیا میں سود کی تحریر لکھنے والا سمجھا جاؤں گا اور میرے لیے اس کمپنی میں کام کرنا جائز نہ ہو گا۔ یعنی کیا میں کمپنی سے عقد کی رو سے گنہگار سمجھا جاؤں گا۔ جبکہ میرا ایسا معاہدہ نہ تھا؟

عبداللطیف۔ ز

جواب : سودی معاملات میں مذکورہ کمپنی سے تعاون جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ "یہ سب لوگ گناہ میں ایک جیسے ہیں"۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ نیز اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں عموم ہے :

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔ (مائدہ۔۲)

سودی بنکوں کی معرفت نقدی بھیجنے کا حکم

سوال : ہم ترکی مزدور ہیں جو سعودی عرب میں کام کرتے ہیں۔ ہمارا ملک ترکی ہے۔ آپ سے مخفی نہیں کہ ترکی حکومت نظام کے لحاظ سے جرمنی کا نظام اختیار کیے ہوئے ہے۔ ان ملکوں میں سود عام اور انتہائی حیران کن شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ حتیٰ کہ ایک سال میں ۵۰ فیصد تک جا پہنچتا ہے اور ہم یہاں اس بات پر مجبور ہیں کہ ترکی میں اپنے گھر والوں کو بنکوں کی وساطت سے رقوم ارسال کریں۔ جو کہ سود کے اڈے ہیں۔

اسی طرح ہم چوری، ضائع ہو جانے اور بعض دوسرے خطرات کی وجہ سے اپنی رقوم انہی بنکوں میں رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم آپ کی خدمت میں دو اہم سوال پیش کرتے ہیں جن کا تعلق ہم سے ہے۔ آپ ہمارے اس معاملہ کے متعلق فتویٰ مرحمت فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا دے۔

پہلا سوال : کیا ہم ان بنکوں سے سود لے سکتے ہیں جسے ہم فقراء پر صدقہ کریں اور اس سے عام بھلائی کی عمارات تعمیر کریں . . . بجائے اس کے کہ ہم یہ رقم بنک والوں کے لیے چھوڑ دیں؟

دوسرا سوال : جب یہ چیز ناجائز ہو تو کیا ہم اپنی رقم کی چوری اور ضائع ہونے سے حفاظت کی مجبوری کی خاطر ان بنکوں میں رکھ سکتے ہیں جبکہ ہم سود نہ لیں؟ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ بنک ان رقوم کو سودی مصرف میں لگائے رکھتے ہیں۔

عبداللہ۔ م۔ الترکی

جواب : جب سودی بنکوں ہی کی وساطت سے رقوم بھیجنے کی مجبوری ہو تو اس میں انشاء اللہ کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

بے شک اللہ نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی بات کے لیے مجبور ہو جاؤ (الانعام : ۱۱۹)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں بنکوں کے ذریعہ رقوم بھیجنا عوام کی مجبوری ہے۔ اسی طرح حفاظت کی خاطر بھی رقم بنک میں جمع کرانا ایک مجبوری ہے جبکہ اس میں فائدہ (سود) کی شرط نہ رکھی جائے۔ اور اگر بنک والے بغیر شرط یا معاہدہ کے صاحب مال کو سود ادا کریں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں تا کہ وہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جاسکے۔ جیسے فقراء اور قرض میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی امداد وغیرہ وغیرہ۔ صاحب مال ایسی رقم کو نہ اپنی ملکیت بنائے اور نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھائے۔ بلکہ وہ ایسے مال کے حکم میں ہے جس کے چھوڑنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے باوجودیکہ یہ ناجائز ذریعہ آمدنی ہے۔ لہٰذا اسے ایسے کاموں میں خرچ کرنا جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے' کافروں کے ہاں چھوڑنے سے بہتر ہے' جو اس رقم سے ایسے کاموں پر اعانت کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں اگر اسلامی بنکوں یا کسی مباح ذریعہ سے رقم ارسال کرنا ممکن ہو تو پھر سودی بنکوں کے ذریعہ رقوم بھیجنا جائز نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر اسلامی بنک یا اسلامی منڈی میسر آجائے تو مجبوری زائل ہونے کی بنا پر سودی بنکوں میں رقوم جمع کرانا جائز نہ رہے گا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایسے ادارے میں رقم جمع کرانے کا حکم جو سودی لین دین نہیں کرتے

سوال : آج کل حوادث بکثرت ہونے لگے ہیں اور دیت کی ادائیگی بہت مشکل امر ہے۔ ہم کچھ ساتھیوں نے اتفاق کیا اور نقد رقم اکٹھی کی جسے ہم نے راجی بنک میں امانت کے طور پر رکھ دیا اور اس رقم پر ایک مدت گزر گئی۔ کیا ہم پر اس کا کچھ گناہ ہے؟ . . . یہ خیال رہے کہ جب اس رقم پر سال گزر گیا تو ہم نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔ کیا ہم اسے اسی بنک میں رہنے دیں۔ ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔

عمری ۔ ع ۔ ا ۔ جدہ

جواب : مصرف راجی کے ہاں رقم پڑی رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہاں سود پر اعانت نہیں کی جاتی۔

کسی بنک نے مجھ پر طلبہ کا صندوق پیش کیا کہ ان کے اموال محفوظ رہیں۔ اس کے عوض بنک معونۃ (امداد) کرتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے؟

سوال : کسی بنک نے طلبہ کے فنڈ کے اموال کی حفاظت کے عوض مسئولین (یعنی طلبہ) کو کچھ رقم پیش کی جسے بنک والے معونۃ (امداد) کہتے ہیں اور یہ رقم دراصل وہ زائد رقم ہے جو بنک اموال کی حفاظت کے علاوہ پیش کرتا ہے۔ بنک اس فنڈ کی رقم کو اپنے استعمال میں لاتا اور اس سے سرمایہ کاری کرتا ہے . . . کیا اس قسم کے بنک میں رقم جمع کرانا جائز ہے؟

سائل

جواب : یہ کام جائز نہیں۔ کیونکہ یہ خالص سود ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بنک کے فائدہ کے عوض صندوق کے اموال میں تصرف کرتا ہے اور وہ فائدہ صندوق (رکھنے والے) کو دے دیتا ہے اور بنک نے اس معلوم فائدہ کا نام معونۃ (امداد) صرف فریب کاری' دھوکہ بازی اور سود کو چھپانے کے لیے رکھ لیا ہے۔ اور سود' سود ہی ہے خواہ لوگ اس کا کوئی بھی نام رکھ لیں . . . اور مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

متفرق معاملات

کیا دکان یا مکان وغیرہ کسی حرام چیز کی بیع یا حرام کام کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے؟

سوال : میرے پاس شارع عام پر کچھ دکانیں ہیں۔ ان میں سے کچھ تو میں نے کرایہ پر دے دی ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ چند دن ہوئے میرا ایک ہم وطن آیا جو مجھ سے ایک دکان کرایہ پر لینا چاہتا تھا تاکہ وہاں ویڈیو کی بیع کی دکان کھولے لیکن اس کو دکان کرایہ پر دینے میں مجھے کچھ تردد ہوا۔ کیا میرے لیے اپنی دکانوں کو کسی حرام چیز کی بیع کے لیے دینا جائز ہے اور کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟

صالح۔م۔الریاض

جواب : اس شخص کو دکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں' جو حرام چیزوں کی بیع یا کسی حرام کام کے لیے کرایہ پر لینا چاہتا ہو۔ جیسے تمباکو اور حرام قسم کی فلمیں بیچنے' داڑھی مونڈنے اور ایسی ہی دوسری غرض کے لیے لے رہا ہو۔ کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو۔(المائدہ : ۲)

قرض کی ادائیگی کا حکم جبکہ کرنسی کی قیمت میں اختلاف ہو

سوال : مجھے مستفید فرمائیے۔ میں نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر ایک غیر مسلم سے کچھ رقم قرض لی کہ میں اس کے عوض اسے اتنی مالیت کی آزاد یعنی غیر ملکی کرنسی ادا کروں گا۔ جب میں سعودیہ میں اپنے کام پر واپس آؤں گا۔ جب میں کچھ عرصہ بعد واپس آیا تو آزاد کرنسی کی قیمت چڑھ چکی تھی۔ اب وہ اس رقم سے دگنی بنتی ہے جو میں نے اس سے قرض لی تھی۔ اب کیا میں اسے کرنسی کے اس فرق کے باوجود آزاد کرنسی میں رقم بھیجوں؟ یا صرف اتنی ہی بھیجوں جو میں نے اس سے قرض لی تھی؟

ح۔ع۔م۔الریاض

جواب : یہ قرض درست نہیں۔ کیونکہ درحقیقت یہ موجودہ کرنسی کی دوسری کرنسی سے ادھار بیع ہے اور یہ معاملہ سودی ہے۔ کیونکہ ایک کرنسی کی دوسری کرنسی سے دست بدست بیع ہی جائز ہو سکتی ہے۔ آپ کے لیے ضروری یہی ہے کہ آپ صرف وہی رقم واپس کریں جو اس سے قرض لی تھی اور اس بات پر سچی توبہ بھی کرلیں جو یہ سودی معاملہ چل نکلا تھا۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کسی کو اس شرط پر قرض دینے کا کیا حکم ہے کہ وہ مستقبل میں اتنا ہی قرض مجھے بھی دے گا ؟

سوال : کسی شخص کو اس شرط پر قرض دینے کا کیا حکم ہے کہ وہ ایک معینہ مدت کے بعد رقم واپس کرے پھر وہ آپ کو اتنی ہی رقم اتنی مدت کے لیے قرض دے۔ کیا یہ معاملہ اس حدیث کے تحت آتا ہے : (ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے' وہ سود ہے) . . . . یہ خیال رہے کہ میں نے اس سے کسی زیادتی کا مطالبہ نہیں کیا؟

عبدالرحمٰن۔ن۔الریاض

جواب : یہ قرض اس لیے جائز نہیں کہ اس میں نفع کی شرط ہے اور وہ نفع بعد والا قرض ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرض جس میں کسی منفعت کی شرط ہو' وہ سود ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت نے جو فتویٰ دیا وہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ رہی وہ حدیث جس کا ذکر کیا گیا ہے کہ "ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے وہ سود ہے" تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ ایسے قرض کے ممنوع ہونے کا انحصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتویٰ اور اہل علم کے اجماع پر ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک شخص نے میرے پاس بطور امانت کچھ مال رکھا۔ اسے بتلائے بغیر میں نے اس مال سے سرمایہ کاری کی اور جب وہ آیا تو میں نے صرف اس کا مال اسے واپس کر دیا۔ تو کیا یہ نفع میرے لیے حلال ہے ؟

سوال : کسی شخص نے میرے پاس نقد رقم بطور امانت رکھی۔ میں نے اس رقم سے فائدہ حاصل کرنا چاہا اور اس سے سرمایہ کاری کی اور جب صاحب مال آیا تو اسے اس کا پورے کا پورا مال واپس دے دیا اور میں نے اس مال سے جو فائدہ اٹھایا تھا' وہ اسے نہیں بتلایا۔ کیا میرا یہ تصرف جائز تھا یا نہیں؟

ق۔م۔س۔الریاض

جواب : جب کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھے تو آپ اس کی اجازت کے بغیر اس رقم میں تصرف نہیں کر سکتے . . .

پھر جب آپ نے اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر لیا تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس سے معذرت کر لیں۔ اگر وہ معذرت قبول کر لے یا معافی دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے مال کا نفع اسے دیں یا اس کے نصف یا کم و بیش پر سمجھوتہ کر لیں اور مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے۔ مگر ایسی نہ ہو جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنا دے۔

بہبود فنڈ کے لیے مجھے امین بنایا گیا۔ میں نے اس رقم سے ادھار لیا۔ پھر یہ ادھار واپس کر دیا۔ کیا اس میں مجھ پر کچھ گناہ ہے ؟

سوال : اہل خیر نے مجھ پر اعتماد کیا اور مدرسہ ثانویہ کی تعمیر کے لیے چندہ کے صندوق کے لیے مجھے امین بنایا۔ دریں اثنا مجھے اپنے ذاتی مکان کی تعمیر کے لیے رقم کی ضرورت پڑ گئی تو میں نے اس صندوق سے لے لی۔ پھر مدرسہ کی تعمیر کے اختتام سے پیشتر ہی میں نے وہ رقم جو میرے ذمہ تھی' مدرسہ کی خاص کمیٹی کے حوالہ کر دی اور یہ کہہ دیا کہ رقم ایک محسنہ عورت نے دی ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رقم میرے ذمہ تھی لیکن میں شرم کے مارے حقیقت کا اظہار نہ کر سکا۔ کیا یہ رقم لینے میں مجھ پر کچھ گناہ ہے۔ یہ خیال رہے کہ میں وہ رقم بے باق کر چکا ہوں؟ اور اب توبہ کا کیا طریقہ ہے۔ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے۔

قاری

جواب : جو شخص کسی بھی طرح کے مال یا کسی مشروع کا امین بنایا جائے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے اس مال میں تصرف کرے۔ اس پر اس مال کی اس وقت تک حفاظت واجب ہے جب تک

کہ وہ اپنے مصرف میں صرف نہ ہو جائے۔ آپ نے جو یہ کام کیا' پھر امانت میں خیانت کی وجہ سے ان کے سامنے جھوٹ بولا' آپ پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازم ہے۔ اور جو شخص سچی توبہ کرے' اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾

اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کرو۔ (التحریم : ۸)

نیز فرمایا :

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اور اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اور سچی توبہ ان باتوں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے سابقہ گناہوں پر نادم ہو۔ اللہ سبحانہ سے ڈرتے ہوئے اور اس کی عظمت کی خاطر اسے یکسر چھوڑ دے اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عہد کرے اور اگر توبہ کرنے والے نے ان لوگوں سے ناانصافیاں کی ہیں تو ان کا مداوا کرے خواہ یہ ناانصافیاں خون میں ہوں یا مال میں یا عزت میں ہوں۔ یا ان لوگوں سے معاف کروائے اور اگر اس نے لوگوں پر غیبت کی قسم سے زیادتی کی ہو اور ڈرتا ہو کہ اور زیادہ نقصان ہو گا تو پھر انہیں نہ بتلائے اور ان کے لیے دعا و استغفار کرے اور غیبت کر کے لوگوں سے اس کی جو برائیاں بیان کر چکا' اس کے عوض اب لوگوں سے اس کی خوبیاں ظاہر کرے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یتیم کے مال کے احکام

سوال : ایک یتیم کے گھر والے فوت ہو گئے تو ہم نے اس کی حفاظت و پرورش کا ذمہ لیا۔ اس کے دو چچا تھے اور جو شخص ان سے بھلائی کرنا چاہتا' اسے کچھ پیسے دے دیتے اور وہ ہماری آمدنی ہوتی تھی۔ یہ خیال رہے کہ جو کچھ ہمیں آمدنی ہوتی وہ اس (پر خرچ) سے زیادہ ہوتی تھی اور ہم اسے اپنے گھر کا ایک فرد شمار کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

محمد ی ۔ ع ۔ ع ۔ جدہ

جواب : اس یتیم کو جو صدقات دیئے جاتے ہیں' آپ وہ لے لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ یہ صدقات اس خرچ کے برابر یا کم ہوں جو آپ نے اس یتیم پر کیا ہو اور اگر وہ صدقات اس کے خرچ سے زیادہ ہوں تو آپ پر لازم ہے کہ وہ زائد رقم اس یتیم کے لیے محفوظ رکھیں۔ آپ کو اس کی پرورش اور اس پر احسان کی بنا پر بہت بڑے اجر کی خوشخبری ہو۔

سوسائٹی میں رشوت کا اثر

سوال : اس سوسائٹی کا حال کیسا ہے جس میں رشوت عام ہو؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ظہور پذیر ہوں تو سوسائٹی میں افتراق کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس سوسائٹی کے افراد کے درمیان محبت کے رشتے منقطع ہو جاتے ہیں جو بغض و عداوت اور بھلائی کے کاموں پر عدم تعاون کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جب کسی معاشرہ میں رشوت اور دوسرے گناہ پیدا ہو جائیں تو ان کے برے اثرات یہ ہوتے ہیں کہ اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے اور فروغ پاتے ہیں۔ اچھے اخلاق ختم ہو جاتے ہیں۔ سوسائٹی کے کچھ لوگ دوسروں سے باہمی دشمنی کی بنا پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ رشوت' چوری' خیانت' معاملات میں دھوکہ دہی' جھوٹی شہادت اور اسی طرح کے دوسرے ظلم کے کاموں اور سرکشی سے دوسروں کے حقوق دبانے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کاموں میں سے ہر نوع بدترین جرم ہے۔

اور یہی باتیں پروردگار کے غضب اور مسلمانوں میں بغض و عداوت کے اسباب ہیں اور انہی باتوں سے اللہ کا عذاب عام ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ؛ أَوشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ»

لوگ جب کوئی بری بات دیکھیں پھر اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر عذاب نازل کرے۔

اس حدیث کو امام احمد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

رشوت کا برا اثر

سوال : مسلمانوں کے مصالح' باہمی سلوک اور معاملات کے بگاڑ میں رشوت کیونکر اثر انداز ہوتی ہے؟

جواب : اس سوال کے جواب کی وضاحت سابقہ سوال کے جواب میں ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے مصالح پر رشوت کے یہ آثار بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ کمزوروں پر ظلم ہوتا ہے اور رشوت کی بنا پر بلاوجہ ان کے حقوق کو ہضم کیا جاتا' پامال کیا جاتا یا اس کے حصول میں تاخیر کی جاتی ہے۔ رشوت کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جو قاضی یا ملازم وغیرہ رشوت لیتا ہے اس کا اخلاق تباہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی خواہش کے لیے رشوت دینے والے کو غالب کرتا ہے اور جو رشوت نہ دے اس کا حق یا تو دبایا جاتا ہے یا کلیتہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اسی لیے رشوت لینے والے کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب سے سابقہ پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دیر تو کرتا ہے' غفلت نہیں کرتا اور کبھی فوراً آخرت سے پہلے دنیا میں ہی

ظالم کو سزا دے دیتا ہے . . . جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ عِندَ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يُعَجِّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنيا مع ما يَدَّخِرُهُ له فِي الآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ، وقطيعةِ الرَّحِمِ »

اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام گناہوں میں سے دو گناہ ایسے ہیں جو اس لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے۔ پھر آخرت میں بھی اسے ان کی سزا دے گا اور وہ ہیں' زیادتی کرنا اور قطع رحمی کرنا۔

اور بلا شبہ رشوت اور ظلم کی تمام قسمیں زیادتی میں شامل ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :

﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلْقُرَىٰ وَهِيَ ظَٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾

اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے۔ (ھود : ۱۰۲)

رشوت کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

سوال : رشوت کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

جواب : رشوت نص اور اجماع کی رو سے حرام ہے اور رشوت وہ مال ہے جو حاکم وغیرہ کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ حق سے رخ موڑ کر رشوت دینے والے کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت کی سودا بازی کرنے والے یعنی دلال پر بھی لعنت فرمائی جو ان دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور بلاشک وہ گنہگار ہے اور مذمت' عیب اور سزا کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ گناہ اور سرکشی کے کاموں پر معاون ہے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ﴾

اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

مسلم کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں ؟

سوال : مسلم کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب : رشوت اور اللہ کی نافرمانی کے دوسرے کام ایمان کمزور کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کو غصہ دلاتے ہیں۔ نیز بندے پر شیطان کو مسلط کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ دوسرے گناہوں میں جا پڑتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے کہ رشوت اور دوسرے گناہوں سے بچے۔ ساتھ ہی جن سے رشوت لی ہے اگر ممکن ہو تو انہیں واپس کردے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اتنی رقم فقراء وغیرہ میں صدقہ کرے اور ساتھ ہی سچی توبہ بھی کرے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا۔

امتحانات میں بددیانتی کا کیا حکم ہے؟

سوال : امتحان کے دوران بددیانتی سے کام لینے کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں نے بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ وہ بددیانتی کرتے ہیں۔ میں انہیں سمجھاتا ہوں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

خالد۔ ی۔ مکۃ المکرمہ

جواب : بددیانتی امتحانات میں ہو یا عبادات اور معاملات میں' حرام ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ غَشَّنا فليسَ مِنَّا »

جس نے ہم سے بددیانتی کی وہ ہم سے نہیں۔

اس لیے کہ بددیانتی سے دنیا اور آخرت میں بہت سے نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سے بچنا اور دوسروں کو اسے چھوڑنے کی وصیت کرتے رہنا واجب ہے۔

کیا یہ حدیث «مَنْ غَشَّنا فليسَ مِنَّا» (جس نے ہم سے بددیانتی کی وہ ہم سے نہیں) امتحانات کو بھی شامل ہے

سوال : میں ریاض شہر کے ایک کالج کا طالب علم ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض طلبہ امتحانات میں بددیانتی کرتے ہیں۔ "بالخصوص بعض مضمونوں میں۔ جن میں سے ایک انگریزی زبان کا مضمون ہے اور جب میں ان سے سختی سے کہتا ہوں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ انگریزی زبان کے پرچے میں بددیانتی کرلینا حرام نہیں اور بعض بزرگوں نے ایسا فتویٰ بھی دیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس کام اور اس فتویٰ کے بارے میں مجھے مستفید

فرمائیں گے۔

محمد۔ع۔ب۔الریاض

جواب : یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

«مَنْ غَشَّنا فلیسَ مِنَّا »

جس نے ہم سے بد دیانتی (دھوکہ) کی' اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ بد دیانتی کا حکم جیسے معاملات کے بارے میں عام ہے' اسی طرح امتحان میں بد دیانتی اور انگریزی زبان کے پرچے وغیرہ سب کو عام ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے عموم اور اس معنی میں جو دوسری احادیث آئی ہیں ان کی بنا پر کسی طالب علم لڑکے یا لڑکی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی مضمون میں بد دیانتی سے کام لے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وقف اور وصایا

میری والدہ کا وقف کردہ مکان گر چکا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ اسے بیچ کر نیکی کے کاموں میں لگادوں؟

سوال : میری والدہ نے ایک مکان وقف کیا تھا۔ اس مکان پر ایک طویل مدت گزر چکی ہے۔ حتیٰ کہ وہ سکونت کے قابل نہیں رہا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس وقف کو منتقل کردوں۔ اس مکان کو بیچ دوں اور اس کی قیمت مسجد میں لگادوں یا نیکی کی جمعیت کو دے دوں یا دوسرے بھلائی کے کاموں میں صرف کردوں۔ کیا میرے لیے یہ جائز ہوگا؟

زید۔م۔الریاض

جواب : آپ کو وقف میں نہ تصرف کرنے کا حق ہے اور نہ اس معین مقصد میں تبدیلی کا حق ہے' جو وقف کرنے والے نے معین کیا ہو۔ لیکن جب اس وقف کے مصالح ختم ہوجائیں تو اس جیسی چیز میں تبدیل کرنا جائز ہے یا جو اس چیز کے قائم مقام ہو۔ خواہ زمین ہو یا دکان یا کھجور کا باغ۔ اور اس کی آمدنی اسی مد میں خرچ کی جائے جس مد میں مذکورہ مکان کی آمدنی خرچ ہوتی تھی اور یہ کام شہر میں موجود وقف کے محکمہ کی وساطت سے ہونا چاہیے۔

کیا ایسی عمارت کا وقف جائز ہے جو بنک سے قرض لے کر بنائی گئی ہو ؟

سوال : کیا ترقیاتی بنک سے قرض لے کر بنائی ہوئی عمارت کو وقف کرنا جائز ہے۔ جو ہمیشہ کے لیے بنک کے آگے گروی رہتی ہے؟

علی۔ع۔الریاض

جواب : اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ جو ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا قبضہ کے بغیر رہن ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ قبضہ کے بغیر رہن ہوتا ہی نہیں' وہ یہ کہتا ہے کہ ان تصرفات سے وقف وغیرہ صحیح ہوتا ہے جو ملکیت کو بدل سکیں۔ کیونکہ رہن باقبضہ نہیں اور جو اس بات کا قائل ہے کہ رہن لازم ہوجاتا ہے اگرچہ مرہونہ چیز قبضہ میں نہ ہو۔ وہ ایسے وقف کو نیز

دوسری ملکیت کو بدل سکنے والے تصرفات کو درست نہیں قرار دیتے۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ محتاط روش یہی ہے کہ جب تک بنک کا حساب بے باک نہ کیا جائے اسے وقف نہ کیا جائے۔ تاکہ اس میں علماء کے اختلاف کی بات ہی نہ رہے اور اس حدیث شریف پر عمل ہوسکے اَلْمُسْلِمُوْن علی شُروطِهم .
(یعنی مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنا لازم ہے)۔

ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کے گھر کی آمدنی سے ہر سال حج اور قربانی کی جائے۔ تو کیا وصیت کردہ حج واجب العمل ہوگا؟

سوال : ایک شخص نے فوت ہوتے وقت وصیت کی کہ اس کے ایک مکان کی آمدنی سے ہر سال حج کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک سال چھوڑ کر کیا جائے اور اگر آمدنی اس سے بڑھ جائے تو وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس حج کی وصیت کی گئی ہے کیا وہ لازماً واجب العمل ہے۔ جبکہ اس کام میں حج کے لیے نائب بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو صرف مادی عوض (پیسے) کے لیے حج کر رہا ہے . . . تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس کے عوض اتنا ہی مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔ جیسے مسجد کی تعمیر یا ایسے ہی دوسرے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ابو احمد

جواب : وصیت کرنے والے نے جس کام کی وصیت کی ہو' اسی کام کو عمل میں لانا واجب ہے۔ کیونکہ حج اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور وکیل پر لازم ہے کہ اس کام میں پوری کوشش کرے اور حج کے لیے نائب ایسے آدمی کو بنائے جو بظاہر نیک بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کی وجہ سے حج میں رغبت بھی رکھتا ہو' نہ کہ مال کی وجہ سے۔ اور دل کے رازوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اس کا بدلہ دیتا ہے۔

کیا جائداد کے لیے بنک کے قرضہ کو ایسا ہی قرضہ سمجھا جائے گا جس کی بے باقی متوفی پر لازم ہوتی ہے ؟

سوال : میرے فوت شدہ والد کے ذمہ جائداد کے لیے بنک کا قرضہ تھا۔ کیا اسے ایسا قرضہ ہی سمجھا جائے جس کی بے باقی لازم ہوتی ہے؟

جواب : ہاں وہ ایسا ہی قرضہ ہے اور آپ پر واجب ہے کہ اس کے ترکہ سے بنک کے قرضہ کی ادائیگی کریں۔ جیسا کہ اس بارے میں قابل اتباع تعلیمات ہیں۔

میراث

ایک فرضی مسئلہ کی تقسیم

سوال : ایک شخص مر گیا اور باپ' ایک بیٹی' ایک حقیقی بھائی' ایک حقیقی بہن اور چند پدری بھائی چھوڑ گیا۔ اس کی میراث کیسے تقسیم ہو گی؟

عبداللہ۔ا۔حائل

جواب : ترکہ دو حصوں میں تقسیم ہو گا۔ آدھا بیٹی کے لیے فرضی حصہ اور آدھا باپ کے لیے فرضی اور تعصیبی (حصہ فرضی اور باقی بطور عصبہ) اور بہن بھائیوں کے لیے کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ اہل علم کے اجماع کی رو سے باپ کی موجودگی میں محروم ہیں۔ لیکن اگر متوفی کے ذمہ قرضہ ثابت ہو تو ورثہ کی تقسیم سے پیشتر اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ پھر جو کچھ بچ رہے' وہ مذکورہ وارثوں میں تقسیم ہو گا۔

اسی طرح اگر میت نے کوئی شرعی وصیت کی ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی یا اس سے کم ہو تو ورثاء میں ورثہ کی تقسیم سے پیشتر ترکہ سے اس کا نکالنا بھی واجب ہے۔ میت کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور اس نے زیادہ کی وصیت کی ہو تو وہ صرف مکلف اور نیک ورثاء کی رضامندی سے ہی نافذ ہو سکتی ہے۔ ورنہ زائد حصہ نافذ نہ ہو گا اور وارثوں میں تقسیم سے قبل قرضہ اور وصیت کی ادائیگی پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ إلى أن قال سبحانه مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ ﴾

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے --- تا آنکہ فرمایا --- یہ تقسیم وصیت کے بعد ہو گی جو میت نے کی ہو۔ یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ (النساء : ۱۱)

فرضی مسئلہ جس میں اہل علم کا اختلاف ہے

سوال : ایک میت نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں اور ان کے لیے زرعی زمین وقف کی۔ جس کی خرید و فروخت نہ ہو سکے اور کہا یہ زمین اس کی اولاد' اولاد کی اولاد اور جو ان سے پیدا ہوں سب کے لیے ہے۔

اب کیا وقف والے کی اولاد کی بیٹیوں (یعنی پوتیوں' پڑپوتیوں) کے لیے بھی اس وقف شدہ زمین میں ورثہ

ہو گا یا نہیں؟ اسی طرح اس کی بیٹیوں کی اولاد (یعنی نواسے' نواسیاں) بھی اس میں وارث ہوں گے یا نہیں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

ع-ع-ز- القنفذہ

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا بیٹیوں کی اولاد بھی اولاد در اولاد میں شامل ہے یا نہیں اور اس میں دو اقوال ہیں۔ اس مسئلہ میں عدالت شرعیہ کا فیصلہ انشاء اللہ درست رہے گا۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان متنازعہ فیہ مسائل سے ہے جن میں اختلاف زیادہ ہے اور اس کا حل عدالت کا فیصلہ ہی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

ایک عورت نے اپنے چچازاد بھائی سے نکاح کیا لیکن دخول سے پہلے ہی وہ فوت ہو گیا۔ کیا اس عورت پر عدت ہے؟ اور کیا وہ ورثہ پائے گی؟

سوال : میری ایک بہن ہے جب وہ ۱۴ سال کی ہوئی تو اس کا اپنے چچازاد بھائی سے نکاح ہوا لیکن رخصتی نہ ہوئی اور شوہر رضائے الٰہی سے فوت ہو گیا۔ مجھے مطلع فرمائیے کہ آیا میری بہن پر پوری عدت ہے یا نصف ہے یا کچھ بھی نہیں؟ نیز کیا وہ اس کے ترکہ سے ورثہ پائے گی۔ یہ خیال رہے کہ نہ وہ اسے شادی کے طور پر لینے آیا اور نہ ہی اسے زیور یا کوئی اور چیز دی . . . ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

منصور-ع- الریاض

جواب : اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر داخل ہونے سے پیشتر فوت ہو جائے تو بیوی پر عدت بھی ہے اور وہ خاوند کے ترکہ میں وارث بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویاں چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔ (البقرہ : ۲۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا کہ آیا اس عورت پر خاوند داخل ہوا تھا یا نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس آیت میں حکم علی الاطلاق ہے' جو سب عورتوں کے لیے عام ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لاتُحِدُّ امرأةٌ علی میتٍ فوقَ ثلاثةِ أیّامٍ، إلاّ علی زَوجٍ، فإنَّها تُحِدُّ علیه أربعةَ أشهُرٍ وعشرا »

کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے۔ مگر اپنے خاوند پر وہ چار ماہ اور دس دن سوگ منائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات میں فرق نہیں کیا کہ وہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾

اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں۔ اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا حصہ چوتھائی (لیکن یہ تقسیم) وصیت کے بعد ہوگی جو انہوں نے کی ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جو مال تم چھوڑ مرو اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو اس کا آٹھواں حصہ۔ وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو' یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد۔ (النساء : ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مدخولہ اور غیر مدخولہ کے درمیان فرق نہیں کیا۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام بیویاں اپنے خاوندوں کی وارث ہوں گی خواہ وہ مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ۔ جب تک کہ اس میں کوئی دوسرا شرعی عذر مانع نہ ہو۔ جیسے غلامی یا قتل اور دین کا اختلاف۔

نکاح

اگر کسی لڑکی کا ولی اسے شادی سے محروم رکھنے کی غرض سے شادی سے انکار کردے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : جب کوئی شخص کسی لڑکی سے منگنی کے لیے پیش رفت کرے لیکن اس لڑکی کا ولی اس لڑکی کو شادی سے محروم رکھنے کی غرض سے شادی میں دینے سے انکار کردے تو اس بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟

خ-ل- مہیا

جواب : اولیاء پر واجب ہے کہ وہ اپنے زیر ولایت عورتوں کی شادی میں جلدی کریں۔ اگر کفو میں ان کی منگنی ہو جائے اور وہ اس رشتہ پر راضی ہوں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے :

«إذا خَطَبَ إليكم مَنْ تَرْضَونَ دينَه وخُلُقَه فزوِّجوه، إلاَّ تفعَلُوا، تكُنْ فتنةٌ في الأرضِ وفسادٌ كبيرٌ»

جب کوئی شخص تمہیں منگنی کے لیے کہے جس کے دین اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے شادی

کردو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

اور اگر لڑکیاں اپنے چچیرے بھائیوں یا کسی دوسرے سے نکاح پر راضی ہوں تو ان کو ان کے نکاح سے روکنا جائز نہیں۔ نہ ہی زیادہ مال کے مطالبہ یا کسی دوسری ایسی غرض سے نکاح روکنا جائز ہے جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں کیا۔ اور حکام اور قاضیوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کا ہاتھ پکڑیں جو اپنے ماتحت لڑکیوں کے نکاح میں روک بنا ہوا ہو اور دوسرے رشتہ داروں کو الاقرب فالا قرب کی بنیاد پر نکاح کر دینے کی اجازت دیں تا کہ ظلم کو بھی روکا جاسکے اور عدل و انصاف کا نفاذ ہو اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس کام میں جا پڑنے سے بچایا جاسکے۔ جسے اللہ نے ان پر حرام کیا ہے۔ جس کے اسباب ان کے اولیاء کا روک بنا اور ظلم ہے۔ ہم اللہ سے سب لوگوں کے لیے ہدایت اور نفسانی خواہشات کو حق کی خاطر قربان کر دینے کی دعا مانگتے ہیں۔

منگنی چاہنے والا اگر کفو ہے تو اسے روکنا معروف کام نہیں

سوال : میں اپنی مشکل کا حل چاہتی ہوں کہ میں ۲۴ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہوں۔ ایک نوجوان نے میرے رشتہ کے لیے پیش رفت کی۔ وہ جامعہ کی تعلیم مکمل کر چکا ہے اور دیندار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے باپ نے اس بات پر موافقت کی۔ میرے باپ نے ایک مجلس میں مجھے حاضر ہونے کو کہا تا کہ میں اس نوجوان کو دیکھ لوں اور وہ مجھے دیکھ لے۔ میں نے اسے پسند کر لیا اور اس نے مجھے پسند کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ہمارے دین حنیف میں اس بات پر نص موجود ہے کہ میں اسے دیکھ لوں اور وہ مجھے دیکھ لے۔ جب میری والدہ کو معلوم ہوا کہ وہ نوجوان دیندار خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے اس نوجوان پر اور میرے والد پر دنیا کھڑی کر دی اور قسم کھالی کہ جو بھی صورت ہو میں اس کام کو نہ ہونے دوں گی۔ میرے والد نے اس کے ساتھ بتیرے جتن کیے لیکن سب بے سود . . . کیا میرے لیے یہ حق ہے کہ میں شرع سے مطالبہ کروں کہ وہ میرے معاملہ میں دخل اندازی کرے؟

مولوۃ۔ح۔ع

جواب : اگر فی الواقع وہی بات ہے جس کا سائلہ نے ذکر کیا ہے تو اس کی ماں کو اس معاملہ میں اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ یہ بات اس پر حرام ہے اور اے سائلہ! اس معاملہ میں تم پر اپنی ماں کی اطاعت لازم نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔

اور ایسے منگنی والے کو جو کفو ہو، رد کرنا معروف کام نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إذا خَطَبَ إليكُم مَنْ تَرْضَونَ دينَه وخُلُقَه فزوِّجُوه ، إلاّ تفعَلُوا ؛ تكُنْ فتنةٌ في الأرضِ وفسادٌ كبيرٌ »

جب تم سے کوئی ایسا رشتہ طلب کرے جس کا دین اور خلق تمہیں پسند ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

اور اگر آپ کو یہ معاملہ شرعی عدالت میں لے جانا پڑے تو اس میں بھی آپ پر کوئی تنگی نہیں۔

لوگ حق مہر میں غلو کرتے اور بڑی بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں کیا ایسے اموال حلال ہیں یا حرام؟

سوال : میں بھی اور تمام لوگ دیکھ رہے ہیں کہ اکثر لوگ حق مہر کے معاملہ میں غلو کرتے اور اپنی بیٹیوں کی شادی کے نزدیک بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نیز بعض دوسری اشیاء دینے کی شرط لگاتے ہیں . . . کیا ایسے اموال جو لیے جاتے ہیں وہ حلال ہیں یا حرام؟

بشیر۔ ع۔ الخرج

جواب : مشروع بات یہ ہے کہ مہر میں تخفیف اور اس کی رقم تھوڑی ہو اور اس بارے میں بہت سی وارد احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے اور شادی کو آسان بنانا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی عفت پر حریص ہونا چاہیے۔ اور لڑکیوں کے اولیاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے لیے اموال کی شرط لگائیں۔ کیونکہ اس معاملہ میں ان کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ حق اگر ہے تو وہ صرف عورت کا ہے۔ یا پھر خاص کر اس کے باپ کا۔ وہ ایسی شرط لگا سکتا ہے جس سے اس کی بیٹی کو تکلیف نہ ہو تاہم وہ اس شادی میں تاخیر نہ کرے اور اگر وہ اس شرط کو بھی چھوڑ دے تو یہ اس کے لیے بہتر اور افضل ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کرایا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا۔ (النور : ۳۲)

اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« خيرُ الصَّداقِ أيْسَرُه »

بہتر حق مہر وہ ہے جو زیادہ آسان ہو۔

اس حدیث کو ابو داؤد نے نکالا اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا اور آپ کے کسی صحابی نے اس سے شادی کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو فرمایا :

« اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَماً مِنْ حَدِيدٍ »

حق مہر کے لیے کچھ لاؤ۔ خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔

پھر جب اس صحابی کو یہ بھی نہ ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز پر اس کا نکاح کر دیا کہ قرآن کی جو سورتیں اسے یاد ہیں' وہ اس عورت کو سکھلا دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے حق مہر پانچ سو درہم تھے۔ جو آج کل کے حساب سے تقریباً ایک سو تیس ریال بنتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے چار سو درہم تھے تو تقریباً سو ریال بنتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہترین روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

اور جب بھی ایسی تکالیف کم اور آسان ہوں گی' مردوں اور عورتوں کی پاک دامنی سہل ہو گی۔ فواحش اور منکرات کم ہوں گے اور امت زیادہ ہو گی۔

اور جب یہ تکالیف بڑی ہوں گی اور لوگ حق مہر کے معاملہ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی رغبت کریں گے۔ شادیاں کم ہوں گی' زنا عام ہو گا' نوجوان مرد اور عورتیں مجرد رہیں گے۔ الا یہ کہ جسے اللہ بچانا چاہے۔

لہٰذا ہر جگہ کے تمام مسلمانوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ نکاح میں آسانی اور سہولت پیدا کریں اور اس معاملہ میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ لمبے چوڑے حق مہر کے مطالبہ سے پوری پوری پرہیز کریں۔ نیز ولیموں کے تکلفات سے بچتے ہوئے صرف شرعی ولیمہ پر اکتفا کریں جس میں زوجین زیادہ تکلف نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے حال کو درست فرمائے اور انہیں ہر بات میں سنت سے تمسک کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک شخص نے اپنی بیٹی دوسرے کو بیاہ دی اور اس کے عوض اس کی بہن یا بیٹی سے شادی کر لی اور حق مہر کسی کو بھی نہ دیا گیا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص نے اپنی بیٹی دوسرے شخص کو بیاہ دی کہ اس کے عوض دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن پہلے سے بیاہ دے گا اور ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی علامتی مہر نہ دیا گیا۔ کیا اس طرح ایک لڑکی کی دوسری لڑکی کے مقابل شادی جائز ہے۔ یا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان علامتی حق مہر مقرر ہو؟

س۔ع۔المالکی

جواب : کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا اپنی بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کے زیر ولایت ہو اس شرط پر بیاہ دے کہ دوسرا شخص یا اس کا بیٹا اپنی بیٹی یا اپنی بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کے زیر ولایت ہو بیاہ دے گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس کا نام شغار رکھا ہے اور بعض لوگوں نے اس کا نام نکاح بدل رکھا ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس میں مہر کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نکاح سے منع کیا اور اسے شغار کا نام دیا اور اپنے الفاظ میں اس کی تفسیر یوں کی کہ : "کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن دوسرے کو اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کو اس سے بیاہ دے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کا ذکر نہیں کیا جو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ نہی دونوں صورتوں میں ایسے سب نکاحوں کو عام ہے۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے اور مسند اور سنن ابوداؤد میں سند جید کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امیر مدینہ نے آپ کو دو آدمیوں کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے نکاح شغار کیا ہے اور دونوں نکاحوں میں مہر کا نام بھی لیا ہے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ کو جواب لکھا اور اسے حکم دیا کہ ان دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور کہا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور اس لیے بھی کہ یہ شرط ان کے ولیوں کی طرف سے عورتوں پر ظلم کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ انہیں ایسی بات پر مجبور کرتے ہیں جو عورتوں کو ناپسند ہوتی ہے۔ انہوں نے ان عورتوں کو فروختنی مال بنا رکھا ہے۔ اپنی رغبت اور اپنی مصلحتوں کے مطابق جیسے چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں اور لوگ فی الواقع ایسا کچھ ہی کرتے ہیں مگر جسے اللہ چاہے (تو بچا لے)۔

البتہ جو شغار کی تفسیر کے بارے میں ابن عمر کی حدیث میں آیا ہے کہ نکاح شغار یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی اس شرط پر دوسرے کو بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا اور ان دونوں کا مہر نہ ہو تو یہ نافع کا کلام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شغار سے متعلق تفسیر بہرحال نافع کی تفسیر پر مقدم ہے۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا متعدد بیویوں میں عدل شرط ہے؟

سوال : متعدد بیویوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بیاہ میں عدل شرط ہے اگر یہ جائز ہے تو کیا شب بسری اور جماع میں مساوات کا عدل بھی اس میں شامل ہے؟

نیز اس شخص کا کیا حکم ہے جو متعدد بیویوں سے صرف تفاخر اور خوشحالی کا ارادہ رکھتا ہے۔ باوجودیکہ وہ عدل پر قدرت رکھتا ہے؟

حمدان۔ع۔ا

جواب : تعد دازدواج سنت ہے جو شخص اس کی قوت رکھتا ہو اور اس سے اس کا ارادہ اپنی شرمگاہ کی عفت' نظر نیچے رکھنا' اولاد کی کثرت یا اس بنا پر امت کو جرأت دلانا ہو۔ تاکہ لوگ ان چیزوں کو اختیار کرکے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان چیزوں سے بے نیاز ہو جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور تاکہ لوگ امت اسلامیہ کی کثرت کے اسباب اپنائیں اور زمین میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی کثرت ہو یا ایسے ہی دوسرے پاکیزہ مقاصد ہیں۔

اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول حجت ہے :

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾

اور اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو' تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا ڈر ہو کہ تم ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس طرح تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔ (النساء : ۳)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تمہارے لیے اللہ کے رسول کی پیروی ہی بہترین روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان عدل کرتے اور فرماتے :

« اللَّهُمَّ هذا قَسْمِي فيما أَمْلِكُ، فلاَ تَلُمْنِي فيما تَمْلِكُ ولا أَمْلِكُ »

اے اللہ! یہ میری ان باتوں میں تقسیم ہے جن کی میں قدرت رکھتا ہوں اور جن باتوں کی قدرت تو رکھتا ہے' میں نہیں رکھتا ان میں قصوروار نہ ٹھہرانا۔

اس حدیث کو اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد یہ ہے کہ عدل ان باتوں میں واجب ہے جو انسان کے اپنے بس میں ہیں۔ جیسے خرچہ دینا اور شب بسری وغیرہ۔ رہی محبت اور جماع' تو یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر کے طور پر جو سنت صحیحہ وارد ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے کسی مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چار سے زیادہ بیویوں کو جمع کرے۔

حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا حکم

سوال : حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا کیا حکم ہے۔ حتیٰ کہ ایسی قسم' حلف اٹھانے والے کی عادت بن جائے؟

ل-ر-ن-الریاض

جواب : کسی چیز کو حرام کرنے کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ خواہ کسی حرام کام کے متعلق کہے کہ میں یہ ضرور کروں گا۔ یا یوں کہے : مجھ پر حرام ہے اگر میں ایسا کروں' یا یوں کہے۔ میں ایسا نہ کروں گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ﴾

اے نبی! تم وہ چیز کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے؟(التحریم : ۱)

نیز اپنی بیویوں سے ظہار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا :

﴿ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ﴾

اور یہ لوگ سخت ناپسندیدہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ (المجادلہ : ۲)

اور اس لیے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بغیر کسی کی قسم اٹھانے سے منع کیا اور فرمایا :

« مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ »

جس نے اللہ کے بغیر کسی کی قسم اٹھائی۔ اس نے شرک کیا۔

اور بلاشبہ کسی حرام چیز کے متعلق انسان کا یہ کہنا کہ میں ایسا ضرور کروں گا' اللہ کے بغیر قسم اٹھانے کی ہی ایک قسم ہے۔

رہا طلاق کا معاملہ' تو اس کے متعلق قسم اٹھانا مکروہ ہے۔ جیسے یوں کہے۔ "مجھ پر طلاق" میں ایسا ضرور کروں گا' یا اگر میں ایسا کروں تو تجھ پر طلاق ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے سے کبھی طلاق واقع ہو بھی جاتی ہے' جو شرعی سبب کے بغیر ہو تو اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔ اور یہ بات صرف غصہ یا کسی معاملہ میں تیزی دکھلانے کی وجہ سے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ : الطَّلَاقُ .

اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے قابل نفرت چیز طلاق ہے۔

اور اگر یوں کہے کہ طلاق ہے میں ایسا ضرور کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا تو یہ ناپسندیدہ بات ہے جو جائز نہیں کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک شخص نے یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی "آئندہ سال اس پر طلاق"۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی بھول کر یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی کہ "آئندہ سال اس پر طلاق میں یہ کچھ خریدوں گا"۔ اور جب وہ نہ خریدے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی . . . اور اگر وہ نہیں خریدتا تو اس پر کیا تاوان ہے؟ یہ خیال رہے کہ اس کو کبھی طلاق کی قسم اٹھانے کی عادت نہ تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے۔

ن۔ ر۔ ن۔ الریاض

جواب : اس طرح کے کلام میں خاوند کی نیت کے حساب سے اس کے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اگر خاوند کا مقصد اس چیز کے خریدنے پر اپنے نفس کو ابھارنا اور ترغیب دلانا تھا اور اپنی بیوی سے جدائی کا قصد نہ تھا۔ اگرچہ اس نے ضرورت کی وہ چیز نہ خریدی ہو جس کا اس نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔ تو یہ طلاق اہل علم کے اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق قسم کے حکم میں ہوگی اور اس پر کفارہ لازم ہے۔ جو کہ دس مسکینوں کا کھانا ہے۔ ہر مسکین کے لیے اس علاقہ کی خوراک سے نصف صاع ہے۔ خواہ یہ کھجور ہو یا کوئی اور چیز ہو اور اس کی مقدار تقریباً کیلو ہے اور اگر وہ دس مسکینوں کو رات کو کھانا کھلائے یا صبح کا کھانا کھلا دے یا انہیں اتنی پوشاک دے دے جس میں نماز ادا ہو سکتی ہو تو یہ کافی ہے۔

البتہ اگر اس کا ارادہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہی تھا جبکہ اس نے وہ ضرورت کی چیز نہیں خریدی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے ایک طلاق سمجھا جائے گا جبکہ اس نے فی الواقع وہی الفاظ کہے ہوں جو سوال میں مذکور ہیں۔

مومن کو چاہیے کہ وہ ایسی مشتبہ باتوں میں طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اکثر اہل علم صرف اتنی بات پر ہی طلاق واقع کر دیتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ »

جو شخص شبہات سے بچا رہا' اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اگر شادی شدہ آدمی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے؟

سوال : جب ایک شخص زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے . . . ؟

ساری۔ع۔ا لقصیم

جواب : ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حرام نہیں ہوتا اور ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازمی ہے اور توبہ سچی ہو پھر اس کے بعد ایمان صادق اور نیک اعمال کیے جائیں۔ سچی توبہ صرف اس صورت میں ہوگی کہ توبہ کرنے والا وہ گناہ مطلقاً چھوڑ دے۔ گزشتہ فعل پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے' اسے بزرگ سمجھتے ہوئے' اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے آئندہ وہ کام کبھی نہ کرنے کا پختہ عزم کرے . . . ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ﴾

جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم رہے تو میں اسے بخشنے والا ہوں۔ (طٰہٰ : ۸۲)

نیز فرمایا :

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔ (التحریم : ۸)

نیز فرمایا :

﴿وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اور زنا بہت بڑی حرام چیز اور بڑے بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو' ناحق قتل کرنے والوں کو اور زانیوں کو ان کے ان بڑے بڑے جرائم اور قبیح افعال کی وجہ سے قیامت کے دن دگنے عذاب اور جہنم میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہنے کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو اللہ نے مار ڈالنا حرام کیا

ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق سے۔ نہ ہی بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن عذاب اس کے لیے دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے۔ (الفرقان۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰)

لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم بے حیائی اور اس کے وسائل سے ممکنہ حد تک بچے اور گزشتہ افعال پر سچی توبہ کرنے میں جلدی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کو معاف فرماتے اور انہیں بخش دیتے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اگر عورت اپنے خاوند کو حرام کرے یا اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم

سوال : جب عورت اپنے خاوند سے یوں کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جیسے میرا باپ' یا اس پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ چاہے . . . یا اس کے بالعکس صورت ہو۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جاری۔ ع۔ سبت الطلایا

جواب : اگر عورت اپنے خاوند کو حرام قرار دے یا اسے اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے' ظہار کا نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی نص کی رو سے ظہار صرف مرد ہی اپنی عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ اور عورت پر قسم کا کفارہ لازم ہے جو دس مسکینوں کا کھانا ہے۔ ہر مسکین کو اس شہر کی غذا سے نصف صاع دینا ہو گا جس کی مقدار ڈیڑھ کیلو ہے یا وہ عورت دس مسکینوں کو صبح کا یا شام کا کھانا کھلا دے یا انہیں ایسی پوشاک دے جو کم از کم نماز ادا کرنے کو کافی ہو تو کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم پختہ کر لو (پھر پورا نہ کرو) ان پر مواخذہ کرے گا۔ تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھالو (اور اسے پورا نہ کرو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ (المائدہ : ۸۹)

اور اگر عورت اس چیز کو حرام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا ہے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر مرد اس چیز کو حرام کرتا ہے جو اللہ نے اس کی بیوی کے سوا اس کے لیے حلال کی ہے تو اس

کا حکم بھی قسم کا حکم ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ تَبۡتَغِي مَرۡضَاتَ أَزۡوَٰجِكَۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ۝١ قَدۡ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ أَيۡمَٰنِكُمۡۚ وَٱللَّهُ مَوۡلَىٰكُمۡۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡحَكِيمُ ﴾

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے اسے حرام کیوں کرتے ہو؟ کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (التحریم : ۱-۲)

مگر جب مرد اپنی بیوی کو حرام کرے گا تو اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق اس کا حکم ظہار کا حکم ہو گا۔ جبکہ یہ تحریم ایفائے وعدہ کی صورت میں ہو یا کسی شرط سے مشروط ہو۔ جس سے مقصود ا یگیخت' ممانعت' تصدیق یا تکذیب نہ ہو۔ جیسے وہ یوں کہے : تو مجھ پر حرام ہے یا میری بیوی مجھ پر حرام ہے یا محرم ہے جبکہ رمضان آجائے یا ایسی ہی کوئی بات کہے تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق "تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت" کا حکم ہو گا اور یہ حکم علماء کے صحیح تر قول کے مطابق ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور یہ کہنا حرام' مکروہ بات اور جھوٹ ہے اور ایسا کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازم ہے اور ظہار کا کفارہ رجوع کرنے سے پیشتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ مجادلہ میں فرماتے ہیں :

﴿ ٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَٰتِهِمۡۖ إِنۡ أُمَّهَٰتُهُمۡ إِلَّا ٱلَّٰٓـِٔي وَلَدۡنَهُمۡۚ وَإِنَّهُمۡ لَيَقُولُونَ مُنكَرٗا مِّنَ ٱلۡقَوۡلِ وَزُورٗاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٞ ﴾

تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (بن جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ (المجادلہ : ۲)

پھر فرمایا :

﴿ وَٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُواْ فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ مِّن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۚ ذَٰلِكُمۡ تُوعَظُونَ بِهِۦۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ۝٣ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۖ فَمَن لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَإِطۡعَامُ سِتِّينَ مِسۡكِينٗاۚ ﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں۔ پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (انہیں) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہو گا۔ اس حکم سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے اور جس شخص کو غلام میسر نہ آئے تو وہ ہم بستر ہونے سے پہلے متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور جو یہ بھی نہ کر سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (المجادلہ : ۳-۴)

اور جب کوئی شخص غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے سے عاجز ہو تو اس پر ہر مسکین کے لئے شہر کی

خوراک سے نصف صاع طعام دینا واجب ہے۔

اور اگر عورت اپنے خاوند پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو یہ بات اس عورت پر حرام ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرے اور اپنے خاوند سے معافی مانگے اور اس بات سے اس کا خاوند اس پر حرام نہیں ہو جاتا اور اس کلام کا اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

اسی طرح اگر مرد عورت پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو جاتی البتہ اس کلام کی وجہ سے اس پر توبہ لازم ہے اور اس بیوی سے معافی بھی مانگے جس پر اس نے لعنت کی تھی۔ کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان مرد یا عورت پر خواہ اس کی بیوی ہو یا کوئی اور ہو' لعنت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ بڑے گناہوں سے ہے۔ اسی طرح عورت کا اپنے خاوند یا کسی دوسرے مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَعْنُ المُؤمنِ كقَتْلِه »

مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إنَّ اللَّعَّانينَ لايكونونَ شُهَداءَ ولا شُفَعاءَ يومَ القيامةِ »

لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔

نیز فرمایا :

« سِبابُ المسلمِ فُسُوقٌ وقِتالُه كفرٌ »

مسلم کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

ایک کلمہ سے تین طلاقوں کا حکم

سوال : ایک ہی مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق کو یا متفرق تین بار تین طلاق کہنے کو حرام اور ایسا کرنے والے کے گنہگار ہونے کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اکثر علماء نے اس میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں' دوسرے کہتے ہیں کہ ایک ہی واقع ہو گی اور ایک دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایک بھی واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ طلاق بدعی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مشروع کی تھی' اس کے مخالف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ حکم صحیح کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو؟ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے تین طلاقوں کو ایک بنا دیا تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ پھر انہیں اس بات پر سخت غم لگ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ "تم نے طلاق کیسے دی تھی"۔ رکانہ کہنے لگے۔ تین طلاق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : "کیا ایک ہی مجلس میں؟" رکانہ نے جواب دیا! "ہاں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "یہ ایک ہی طلاق ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو اس سے رجوع کر لے"۔ چنانچہ رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

سلیمان۔م۔ طیبہ کالج ریاض

جواب : اس مسئلہ میں درست بات یہ ہے کہ اگر مرد ایک کلمہ سے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہو گی۔ جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں : "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ لوگ اس معاملہ میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ تو اب کیوں نہ ہم اسے تین طلاق ہی نافذ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے لوگوں پر تین طلاقیں ہی نافذ کر دیں"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت اور کئی دوسروں نے بھی اس بات کو اختیار کیا ہے اور امام محمد بن اسحاق صاحب السیرۃ بھی اس بات کے قائل ہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی یہی بات اختیار کی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ہی یہ بات بھی پسند کی ہے کہ دوسری اور تیسری طلاق صرف نکاح یا رجعت کے بعد ہی واقع ہوں گی اور اس کی کئی وجوہ بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن میں دلائل شرعیہ سے ایسی کوئی چیز نہیں جانتا جو ان کے دوسرے قول کی تائید کرتی ہو۔ نہ ہی میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسی چیز جانتا ہوں جو اس کی مؤید ہو اور درست بات یہی ہے کہ جب ایک ہی کلمہ سے تین طلاق کہا جائے تو اسے اسی حد تک محدود رکھا جائے (یعنی ایک ہی طلاق سمجھا جائے)۔

رہی ابو رکانہ والی حدیث تو وہ اس موضوع میں صریح نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں بھی کلام ہے جو معروف ہے کہ داؤد بن حصین عکرمہ سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت کو ایک جماعت نے کمزور قرار دیا ہے۔ جیسا کہ یہ بات تقریب اور تہذیب اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں داؤد بن حصین کے بیان سے معلوم ہو سکتی ہے۔

میرے بھائی نے اپنی بیوی سے کہا "اسے طلاق ہے" پھر اس نے کسی قاضی سے پوچھا تو اس نے کہا تمہیں اس سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

سوال : میرے حقیقی بھائی نے شادی کی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ایک طویل مباحثہ ہوا' جو اس بات پر منتج ہوا کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ "تجھے طلاق ہے"۔
وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ ایک ہفتہ بعد میرا بھائی ایک قاضی کے ہاں گیا اور پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اپنی بیوی سے رجوع کرنے کے بارے میں پوچھا۔ قاضی نے اسے جواب دیا کہ اس کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ پہلی طلاق تھی جو میرے بھائی نے اپنی بیوی کو دی تھی۔
میں اس صورت حال میں فضیلت ماب سے شرعی حکم کی وضاحت کی توقع رکھتا ہوں۔

غ رم ـ ا ـ د ما م

جواب : اگر واقع یہی ہے' جو سائل نے بیان کیا ہے کہ اس کے بھائی نے اپنی بیوی کو صرف ایک ہی طلاق دی اور اس کے علاوہ کوئی طلاق نہیں دی۔ تو جب تک وہ عدت میں ہے اس وقت تک خاوند اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے جبکہ طلاق کسی عوض کے بغیر ہو اور اس کا خاوند اس سے پیشتر اس سے صحبت کر چکا ہو۔
البتہ اگر یہ طلاق عوض والی (خلع) ہو یا وہ عورت غیر مدخولہ ہو تو مراجعت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ معتبر شرعی شرائط کے مطابق اس کا نئے سرے سے نکاح ہو۔
اسی طرح اگر مدخولہ عورت رجوع کرنے سے پیشتر عدت سے نکل جائے تو وہ بھی نئے نکاح کے بغیر حلال نہ ہو گی۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے ایک بار طلاق کی مطلقہ ہو یا جیسے عوض پر دو طلاقیں پا چکی ہو۔

اور جو دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں وہ معلوم ہیں۔ اس میں ہم نے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی جس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جب گزر بسر دشوار ہو جائے اور عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : اگر عورت طلاق کا مطالبہ کرے' تو شرع کا کیا حکم ہے جبکہ گزر بسر دشوار ہو جائے۔ جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

اولاً : میرا خاوند جاہل ہے اور میرا حق نہیں پہچانتا۔ مجھے اور میرے والدین پر لعنت کرتا رہتا ہے۔ اس نے میرا نام یہودیہ' نصرانیہ اور رافضیہ رکھا ہے لیکن میں اپنے بچوں کی وجہ سے اس کی بد اخلاقی پر صبر کرتی ہوں لیکن جب میں التہاب المفاصل (جوڑوں کے درد) کے مرض میں مبتلا ہو گئی تو ایسی باتوں پر صبر کرنا میرے بس

سے باہر ہوگیا اور مجھے اس کی باتوں سے سخت تکلیف ہونے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے اس سے کلام کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ لہٰذا میں نے اس سے طلاق طلب کی تو اس نے انکار کردیا۔ یہ خیال رہے کہ یہ تقریباً چھ سال کی بات ہے کہ میں اس کے گھر میں اپنے بچوں کے پاس رہ رہی ہوں۔ میں اس کے نزدیک ایسے ہی ہوں جیسے مطلقہ یا اجنبی۔ لیکن وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ میں فضیلت مآب سے اپنے سوال کے جواب کی توقع رکھتی ہوں۔

ل-ع-م-الریاض

جواب : اگر خاوند کا یہ حال ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے' تو طلاق کے مطالبہ میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے برے رہن سہن اور بد کلامی جیسی زیادتیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے کچھ مال دے دیں تاکہ وہ آپ کو طلاق دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان باتوں پر صبر کریں۔ ساتھ ہی اچھے انداز میں اسے نصیحت کرتی رہیں اور اپنے بچوں کی خاطر اور اس کے آپ پر اور آپ کے بال بچوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتی رہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس میں آپ کے لیے اجر اور انجام کی بہتری ہوگی اور ہم تمہارے خاوند کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور استقامت کی دعا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ وہ نماز ادا کرتا ہو اور دین کو گالی نہ دیتا ہو۔

اور اگر وہ نماز ادا نہیں کرتا اور دین کو گالی دیتا ہے تو وہ کافر ہے اور آپ کے لیے اس کے ساتھ رہنا اور اپنے آپ کو اس کے قبضہ میں دینا جائز نہیں کیونکہ اسلام کو گالی دینا یا اس سے استہزاء کفر اور گمراہی ہے اور اہل علم کے اجماع کے مطابق دین سے ارتداد ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

آپ کہہ دیجئے کیا تم اللہ' اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ۔ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ (التوبہ : آیت ۶۵)

اور اس لیے بھی (آپ کو خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے) کہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق نماز چھوڑنا کفر اکبر ہے اگرچہ وہ اس کے وجوب کا منکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«بينَ الرجلِ وبين الكفرِ والشركِ تركُ الصلاةِ»

آدمی اور کفر و شرک کے درمیان نماز کا ترک ہے۔

اور امام احمد اور اہل السنن نے بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذي بيننَا وبينَهم الصَّلاةُ، فمَنْ تركَها فقدْ كفرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے۔ لہٰذا جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔

اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے' کتاب و سنت میں اس پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں۔ واللهُ الْمُسْتَعانُ.

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرد کا اپنی بیوی کو یہ حق دینا ثابت ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکے؟

سوال : شریعت اسلامیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے لیکن علماء کی اکثریت نے خاوند کے اپنے اس حق کو اپنی بیوی کو دے دینے میں یعنی اپنے آپ کو طلاق دینے میں اور وکیل بنانے کے مسئلہ میں کئی راہیں اختیار کیں ہیں۔ جیسا کہ خاوند کسی شخص کو یہ حق دے دے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے سکے۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا ایسا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

سلیمان ۔ م ۔ طیبہ کالج ۔ الریاض

جواب : طلاق کے لیے عورت کو یا کسی دوسرے کو وکیل بنانے کے سلسلے میں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں جانتا۔ لیکن علماء نے یہ مسئلہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے اخذ کیا ہے جو مالی حقوق اور ان سے ملتے جلتے حقوق کے لیے کسی نیک چلن آدمی کو وکیل بنانے کے سلسلہ میں ملتے ہیں اور طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے تو اگر وہ اپنی بیوی کو خود طلاق دینے کے معاملہ میں وکیل بنائے یا کسی دوسرے شخص کو بیوی کی طلاق میں وکیل بنائے جس میں اسے وکیل بنانے کی اسناد درست ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس بارے میں شرعی قاعدہ کے مطابق عمل کیا جائے لیکن خاوند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو تین طلاق واقع کرنے کے لیے وکیل بنائے' کیونکہ یہ بات خاوند کے اپنے لیے بھی جائز نہیں۔ لہٰذا وکیل بنانے کے لئے یہ بات بدرجہ اولی جائز نہ ہوئی۔ جیسا کہ نسائی نے اسناد جید کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر غصہ آگیا اور فرمایا :

« أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُم » الحدیث

کتاب اللہ سے یوں کھیلا جارہا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے طلاق سے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے یہ جواب دیا کہ اگر تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو تم نے اپنے پروردگار کے ایک ایسے حکم کی نافرمانی

کی جو اس نے تمہاری بیوی کو طلاق کے بارے میں تمہیں دیا تھا۔

جو شخص اپنی بیوی کی دُبر میں وطی کرے اس کا حکم؟

سوال : ایک قاری عورت کی دبر میں وطی کے متعلق سوال کر رہا ہے اور جو شخص ایسا کرے 'کیا اس پر کفارہ ہے؟

س-ع-س

جواب : عورت کی دبر میں وطی کرنا کبیرہ گناہوں اور بد ترین نافرمانیوں میں سے ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَه فِي دُبُرِها »

جو شخص اپنی عورت کی دبر میں وطی کرے' وہ ملعون ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَايَنْظُرُ اللّٰهُ إلى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِها»

جس شخص نے کسی مرد سے یا عورت کی دبر میں وطی کی' اللہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

اور جو شخص ایسا کام کرے اس پر جلد از جلد توبہ کرنا واجب ہے۔ جو یہ ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دے اور یہ ترک اللہ کی تعظیم اور اس کے عذاب سے بچنے کی وجہ سے ہو اور جو کچھ وہ کر چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ وہ کام دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ ساتھ ہی نیک اعمال کی کوشش بھی کرے اور جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔ (طٰہ : آیت ۸۲)

اور سورۂ فرقان میں فرمایا :

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَـٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَـٰلِحًا فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَـٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان (انسان) کو اللہ نے مارنا حرام کیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق سے۔ اور نہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے سخت گناہ میں

مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (الفرقان : ۶۸' ۶۹' ۷۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الإسلامُ يَهدِمُ ما كانَ قبلَه، والتَّوبةُ تَهدِمُ ما كانَ قبلَها »

اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

اور اس معنی میں آیات و احادیث بہت ہیں۔

اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ایسے شخص پر کوئی کفارہ نہیں جو دبر میں وطی کرے' نہ ہی اس کی بیوی اس پر حرام ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے نکاح میں بحال رہے گی۔

اور عورت پر لازم ہے کہ اس منکر عظیم میں اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ اسے اس کام سے روکے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے اپنا نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

ایک عورت اپنی بیٹی کے خاوند (اپنے داماد) سے پردہ کرتی ہے' نہ اس کے ساتھ کھاتی ہے' نہ اسے سلام کہتی ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : یہاں ایک عورت ہے۔ جس کے پاس اس کی شادی شدہ بیٹی ہے اور یہ عورت اپنے داماد سے پردہ کرتی ہے اور اس کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ حتیٰ کہ تقریبات میں بھی اسے سلام نہیں کہتی۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سعید۔ ا

جواب : بیٹی کا خاوند بیٹی کی ماں کے لیے محرم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ محرمات کے بیان میں فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾

اور تمہاری بیویوں کی مائیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔ (النساء : ۲۳)

اور اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے۔ گویا بیوی کی ماں اور دادیاں خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے' مذکورہ بالا آیت کی رو سے' سب کی سب عورت کے خاوند کے لیے حرام ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس سے پردہ نہ کریں یا اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو بہتر اور افضل ہے۔ مبادا ان دونوں میں الفت اور محبت زیادہ ہو اور اللہ کے اس حکم کی اطاعت ہو جائے جو اس عورت کے لیے مباح تھا۔

میری بیوی اپنے گھر والوں کی عادت کے طور پر برقع پہنتی ہے۔ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے؟

سوال : میں نے اپنے گاؤں کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری بیوی کا کردار بلند ہے۔ میں نے اسے دینی امور سے متعلق تعلیم دی ہے اور ہمارے ہاں عورتیں برقع پہنتی ہیں۔ میں نے باتوں باتوں میں اپنی بیوی سے کہا کہ وہ چادر سے پردہ کرے اور برقع چھوڑ دے۔ اس نے چند دن کے لیے تو میری بات مان لی لیکن پھر وہی پہلا طریقہ شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کے گھر والوں کے گھریلو نظام میں اسی پر عمل

ہوتا ہے اور میری بیوی ان کاموں میں انہی کی تائید کرتی ہے اور ہمارے ہاں بعض لوگوں کی یہی عادت ہے جبکہ میری بیوی اپنے میکے میں رہتی ہے اور ان کے ہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہوتا جو گھر کی دیکھ بھال کرنے والا ہو۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا میں اپنی بیوی کو برقع چھوڑنے اور چادر سے معروف طریقہ پر پردہ کرنے کا پابند کرسکتا ہوں' یہ خیال رہے کہ برقع سے اس کی آنکھوں کے سوا کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی؟ پھر کیا میں اپنی بیوی کے گھر والوں سے یہ مطالبہ کرسکتا ہوں کہ وہ اسے چھوڑ دیں تا کہ وہ میرے ساتھ چلے؟ میں آپ سے شافی جواب پانے کی توقع رکھتا ہوں۔

ناصر۔ا۔ سراۃ۔ عبیدہ

جواب : اگر برقع دو آنکھوں یا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرہ چھپا لیتا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے برقعہ سے اس عورت کو پردہ دار ہی سمجھا جائے گا جو زینت کو ظاہر کرنے والی نہیں اور اس معاملہ میں ہر قوم کی اپنی اپنی عادت ہوتی ہے۔

رہا آپ کا اس کے گھر والوں سے یہ مطالبہ کہ وہ اس کو آپ کے حوالہ کردیں تو یہ بات آپ ہی کی طرف لوٹتی ہے . . . جب گھر والوں کو آپ کی بیوی سے کوئی حاجت ہو اور وہ ان کے ہاں رہے تو اس میں آپ کا کچھ نقصان نہیں۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ اس معاملہ میں فراخدلی سے کام لیں۔ کیونکہ اس بات میں ان کی حاجت پوری ہونے میں تعاون اور ان کے لیے آسانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« يَسِّرُوا ولاَ تُعَسِّرُوا »

لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو' تنگی نہ پیدا کرو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ كانَ في حَاجَةِ أخِيهِ؛ كانَ اللّهُ في حَاجَتِهِ »

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے۔

اور اس باب میں بہت سی صحیح احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند ہے۔

اجنبی عورت سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟

سوال : اجنبی عورت سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ اور جب عورت اپنے ہاتھ پر کپڑے وغیرہ کی آڑ کرے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر مصافحہ کرنے والا جوان ہو یا بوڑھا ہو یا مصافحہ کرنے والی بڑھیا ہو تو کیا حکم مختلف ہو جائے گا؟

عبداللطیف - م - ع - الریاض

جواب : غیر محرم مردوں سے عورتوں کو مصافحہ کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ خواہ عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی اور خواہ مصافحہ کرنے والا نوجوان ہو یا بہت بوڑھا' کیونکہ اس میں دونوں میں سے ہر ایک کے لیے فتنہ کا خطرہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ »

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

« مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ- يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ؛ مَا كانَ يُبَايِعُهُنَّ إلاَّ بِالْكَلامِ »

کسی عورت کے ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صرف کلام سے بیعت فرماتے تھے۔

اور دلائل میں عموم کی وجہ سے اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مصافحہ کرتے وقت ہاتھ پر کپڑا وغیرہ رکھ لیا جائے اور اس لیے بھی یہ جائز نہیں کہ یہ فتنہ کی طرف لے جانے والے ذرائع کا سدباب ہے۔

خوشبو لگا کر عورت کے باہر نکلنے پر حکم

سوال : کیا عورت کے لئے جائز ہے کہ جب وہ مدرسہ یا ہسپتال یا رشتہ داروں یا ہمسایوں کو ملنے کے لئے جائے تو خوشبو لگا کر نکلے؟

قاریہ

جواب : اگر عورت کسی عورتوں کے اجتماع میں جائے اور راستہ میں مردوں کے قریب سے نہ گزرنا پڑے' تو اسے خوشبو لگانا جائز ہے۔ لیکن اگر وہ خوشبو لگا کر بازار جائے جہاں مرد ہوتے ہیں تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُوراً ، فلاَتَشْهَدَنَّ مَعَنا الْعِشَاءَ »

جو عورت خوشبو لگائے' وہ ہمارے ساتھ عشاء میں شامل نہ ہو۔

اور اس بارے میں اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ کیونکہ عورتوں کا خوشبو لگا کر ایسے راستے کی طرف نکلنا جہاں مرد ہوں یا وہ کہیں مل بیٹھتے ہوں' مساجد میں جانے کی طرح ہے اور یہ فتنہ کے اسباب سے ایک سبب ہے۔ لہٰذا عورت کا اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپنا اور زینت کی نمائش سے بچنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ ﴾

عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑے رہیں اور پہلی جاہلیت کی طرح زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں۔

(الاحزاب : ۳۳)

اور حسن اور فتنہ والی جگہوں مثلاً چہرہ اور سر وغیرہ کا اظہار بھی نمائش میں شامل ہے۔

عورتوں کا مردوں کو بوسہ دینے کا حکم

سوال : میں کبھی کبھی چھ ماہ یا سال بعد اپنے گھر اور قبیلہ والوں کے ہاں جایا کرتا ہوں اور جب گھر پہنچتا ہوں تو چھوٹی بڑی سب عورتیں میرا استقبال کرتی ہیں اور شرماتی' لجاتی ہوئی مجھے بوسہ دیتی ہیں . . . اور حق بات کہنا ہی چاہیے۔ یہ عادت ہمارے ہاں بہت عام ہے اور میرے خاندان والے اپنی رائے کے مطابق یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ وہ کسی حرام کام کا ارتکاب کر رہے ہیں . . . لیکن میں چونکہ اللہ کی مہربانی سے اسلامی ثقافت کو اپنا رہا ہوں' اس کام پر حیران و پریشان رہ جاتا ہوں۔

میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ میں عورتوں کے بوسہ دینے کی تلافی کر سکوں۔ جبکہ میں یہ جانتا ہوں کہ اگر میں ان سے صرف مصافحہ کروں تو وہ مجھ پر غضبناک ہو جائیں گی اور کہیں گی کہ یہ ہمارا احترام نہیں کرتا اور ہم سے نفرت کرتا ہے' محبت نہیں کرتا۔ "محبت تو وہ ہوتی ہے جو افراد کو باندھے رکھے' نہ وہ جو نوجوان مرد کو نوجوان عورت سے ملائے"۔

اور اگر میں انہیں بوسہ دوں تو کیا میں گناہ کا مرتکب ہوں گا؟ یہ خیال رہے کہ میں اس میں کوئی بری نیت نہیں رکھتا۔

محمد ۔ ع ۔ ا ۔ تونس

جواب : مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور دوسری محرمات کے علاوہ کسی عورت سے ہاتھ ملائے یا انہیں بوسہ دے۔ بلکہ یہ بات حرام' فتنہ اور فواحش کے ظہور کا سبب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ »

اور میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہ چھوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی بیعت گفتگو سے کیا کرتے تھے۔

اور غیر محرم عورتوں کو بوسہ دینا تو مصافحہ سے بھی بری چیز ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ چچا کی بیٹیاں ہیں یا ماموں کی بیٹیاں ہیں یا ہمسائیاں ہیں یا قبیلہ کی عورتیں ہیں۔ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق یہ کام حرام ہے اور حرام بے حیائیوں کے واقع ہونے کے وسائل میں سے ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے اس سے بچنا لازم ہے اور ان کاموں کی عادی تمام عورتوں کو اقارب سے اور دوسروں سے پردہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اگرچہ لوگ ان کے عادی ہوں اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ ان کے رشتہ دار یا اہل وطن ایسا کرنے کے عادی ہوں۔ بلکہ اس کا انکار اور پورے معاشرہ کو اس سے ڈرانا واجب ہے اور مصافحہ یا بوسہ کے بغیر صرف سلام کے ساتھ کلام پر اکتفا کرنا چاہیے۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی سفر سے واپس آئے تو عورتیں رشتہ داروں کا بوسہ لیتی ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سوال : میں آج کل ریاض شہر میں رہتا ہوں اور یہاں میرے رشتہ دار بھی رہتے ہیں' جو انتہائی قریبی ہیں۔ مثلاً میری خالہ کی بیٹیاں' میرے چچاؤں کی بیویاں اور ان کی بیٹیاں۔ میں جب بھی انہیں ملنے جاتا ہوں تو انہیں سلام کہتا ہوں۔ وہ مجھے بوسہ دیتی اور میرے ساتھ بیٹھ جاتی ہیں اور پردہ نہیں کرتیں اور میں اس طور طریقہ سے تنگی محسوس کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ جنوبی ممالک میں یہ عادت اکثر اور عام ہے۔ اس عادت کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں اور میں اس بارے میں کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

عائض۔ا

جواب : یہ عادت بری' منکر اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آپ انہیں بوسہ دیں یا ان سے مصافحہ کریں۔ کیونکہ چچاؤں کی بیویاں' چچا کی اور ماموں کی بیٹیاں آپ کے لیے محرم نہیں ہیں۔ ان پر واجب ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور اپنی زینت کو آپ پر ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾

اور جب تمہیں ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے رہ کر مانگو۔ یہی بات تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔(الاحزاب : ۵۳)

اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق یہ آیت نبی کی بیویوں اور دوسری سب عورتوں کو عام ہے اور جو شخص یہ کہے کہ یہ آیت صرف نبی کی بیویوں سے مختص ہے تو اس کا قول باطل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سورہ نور میں عورتوں کے بارے میں فرماتا ہے :

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾

اور وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں' اپنے باپوں اور خاوندوں کے باپوں کے لیے . . . (النور : ۳۱)

اور آپ ان مستثنیٰ کردہ لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ آپ اپنے چچا اور ماموں کی بیٹیوں اور چچاؤں کی بیویوں کے لیے اجنبی ہیں۔ یعنی ان کے محرموں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے انہیں باخبر کریں اور یہ فتویٰ انہیں پڑھ کر سنائیں تا آنکہ وہ آپ سے معذرت کریں اور اس معاملہ میں شرع کا حکم جان لیں اور آپ انہیں بس سلام کہہ دیا کریں۔ بوسہ دینا' لینا یا مصافحہ ہرگز نہ کریں۔ جیسا کہ ہم نے آیات کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے بھی کہ جب ایک عورت نے آپ سے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا «إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ» (میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی وجہ سے بھی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ صرف کلام سے ہی عورتوں کی بیعت کیا کرتے تھے"۔

نیز صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق واقعہ افک مذکور ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ "جب میں نے صفوان بن معطل کی آواز سنی تو میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور حجاب کا حکم نازل ہونے سے پیشتر اس نے مجھے دیکھا تھا"۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آیت حجاب نازل ہونے کے بعد عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کو درست فرمائے اور دین میں سمجھ عطا فرمائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بالغ بیٹی کو بوسہ دے؟

سوال : کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو بوسہ دے۔ جب وہ بڑی ہو جائے اور سن بلوغ سے آگے نکل جائے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ اس کے رخسار کا بوسہ لیا جائے یا منہ وغیرہ کا' اور جب وہ انھی مقامات کا بوسہ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

عبدالرحمن ۔ ع ۔ ا

جواب : اگر کوئی شخص بلا شہوت اپنی بیٹی کا' خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو' بوسہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جب وہ بڑی ہو تو بوسہ اس کے رخسار پر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رخسار کا بوسہ لیا تھا۔

چونکہ منہ کا بوسہ لینا کبھی جنسی شہوت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ لہٰذا اسے ترک کرنا ہی بہتر اور محتاط روش ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی اپنے باپ کا بوسہ لے تو بلا شہوت اس کے ناک یا سر کا بوسہ لے اور اگر شہوت کے ساتھ ہو تو سب کے لیے حرام ہو گا تاکہ فتنہ کا قلع قمع اور بے حیائی کا سدباب ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

عورت کے لیے مسلم اور غیر مسلم سب ملکوں میں پردہ واجب ہے

سوال : بیرون ملک سفر کرتے ہوئے کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنا چہرہ کھول لوں اور پردہ اٹھادوں۔ کیونکہ ہم لوگ اپنے وطن سے دور ہوتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں پہچانتا۔ یہ اس لیے کہ میری والدہ اسے بیہودہ خیال کرتی ہے اور میرے والد کو ابھارتی ہے کہ وہ مجھے چہرہ کھولنے پر مجبور کرے۔ کیونکہ جب میں چہرہ ڈھانپتی ہوں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف سے نظر پھیر لی ہے۔

مولوۃ ۔ ح ۔ ع

جواب : آپ کے لیے اور نہ ہی کسی دوسری عورت کے لیے' کفار کے ملک میں سفر کے دوران پردہ اٹھانا جائز نہیں' جیسا کہ مسلمان ممالک میں بھی جائز نہیں۔ بلکہ اجنبی مردوں سے پردہ واجب ہے' خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ بلکہ کافروں سے تو پردہ کا وجوب اشد تر ہے کیونکہ ان کا ایمان ہی نہیں' جو انھیں ان باتوں سے روکے' جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔

اور آپ کے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے والدین کی اور نہ ہی کسی دوسرے کی ایسے فعل میں اطاعت جائز ہے۔ جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہو اور اللہ سبحانہ اپنی کتاب میں سورہ احزاب میں فرماتے ہیں :

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾

اور جب ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو حجاب کے پیچھے سے مانگو۔ یہی بات تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔(الاحزاب : ۵۳)

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ عورتوں کا غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا سب کے دلوں کے لیے پاکیزہ تر بات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں فرمایا :

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ..... إلى أن قال سبحانه وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾

اور اے پیغمبر! آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں . . . تا آنکہ فرمایا . . . اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں سے یا اپنے باپوں سے یا اپنے خاوندوں کے باپوں سے۔(النور : ۳۱)

کیا سفر میں ایک عورت کے لیے دوسری کو محرم سمجھا جائے؟

سوال : کیا سفر میں یا حضر وغیرہ میں ایک عورت کو دوسری اجنبی عورت کے لیے محرم سمجھا جائے یا نہیں؟

علی - ع - ا - القصیم

جواب : کوئی عورت دوسری کے لیے محرم نہیں۔ محرم تو صرف وہ شخص ہے جو عورت کے نسب کے لحاظ سے اس پر حرام ہو۔ جیسے اس کا باپ اور اس کا بھائی یا مباح کا سبب ہو۔ جیسے خاوند اور خاوند کا باپ اور خاوند کا بیٹا اور جیسے رضاعی باپ یا رضاعی بھائی اور دوسرے محرم رضاعی رشتے۔

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی عورت سے خلوت کرے اور نہ ہی اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَاتُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ »

کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اور اس لیے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا »

جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ علیحدہ ہوتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میری بیوی واجبات پورے کرتی ہے مگر چچازاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتی میں نے اسے سمجھایا مگر وہ باز نہیں آتی۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی سے میرے چار بچے ہیں اور میری بیوی اپنے چچا زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتی۔ میں نے اسے ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ پھر میں نے اس کے گھر والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی کو پردہ کرنے کا حکم دیں . . . مگر انہوں نے انکار کردیا . . . اور مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بیٹی کو اس کے چچا زاد بھائیوں سے پردہ کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ مختلف طریقوں سے کوشش کی لیکن سب بے سود . . . آخر میں انہوں نے مجھ سے یہ مطالبہ کردیا کہ میں اس بات پر راضی ہوجاؤں یا پھر اسے طلاق دے دوں۔

بات یہی ہے۔ علاوہ ازیں میری بیوی گھر کے واجبات پوری کرتی ہے اور نماز ادا کرتی ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے احکام کا انکار نہیں کرسکتی۔

میری رہنمائی فرمایئے کہ میں کیا کروں؟ . . . اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کی بھلائی سے جزا دے۔

قاری

جواب : آپ کی بیوی پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے چچا زاد بھائیوں اور تمام اجنبی مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ﴾

اور جب تم کو ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو حجاب کے پیچھے سے مانگو۔ یہی بات تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔(الاحزاب : ۵۳)

اگر وہ پردہ کرے گی تو وہ خود بھی فتنہ کے اسباب سے محفوظ رہے گی اور دوسرے بھی محفوظ رہیں گے اور آپ پر اور اس کے گھر والوں پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور ڈرائیں اور جب وہ اس خصلت کے سوا پسندیدہ سیرت ہے تو آپ اس کی طلاق میں جلدی نہ کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کا ایمان اسے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے

خاوند کی اطاعت پر آمادہ کر دے گا۔ اللہ اس کے دل میں ہدایت ڈال دے اور اسے اپنے نفس کے شر اور لوگوں کے شر سے بچائے۔

کیا کسی شخص کے لیے ٹیلی ویژن اور سینما کی تصویروں کی طرف دیکھنا جائز ہے؟

سوال : مرد اگر ان عورتوں کے چہروں اور اجسام کو دیکھیں جو ٹیلی ویژن یا سینما یا ویڈیو کے پردوں پر دکھائی جاتی ہیں یا گانے والی عورتیں پیش کی جاتی ہیں یا اوراق پر عورتوں کی تصاویر کو دیکھیں تو کیا یہ ان کے لیے جائز ہے؟

ع-ح-ع-ح

جواب : ایسی تصویروں کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اس بات پر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ سورہ نور کی آیت کریمہ اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴾

اے پیغمبر! مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ بات ان کے لیے پاکیزہ تر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے جو وہ کرتے ہیں۔(النور : ۳۰)

یہ آیت زندہ عورتوں اور تصویری عورتوں سب کو عام ہے۔ خواہ اوراق میں ہوں یا ٹیلی ویژن کے پردہ پر ہوں یا کسی اور چیز میں ہو۔

بری معاشرت

میں نے پردہ کیا تو میرے گھر والے میرا اور میرے خاوند کا مذاق اڑانے لگے۔ میں کیا کروں؟

سوال : میں ایک دور کے ملک میں شادی شدہ عورت ہوں۔ میرے خاندان والے دیندار نہیں۔ صرف روزے رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی نماز ادا نہیں کرتا . . . اپنی شادی سے پہلے مجھے چند نوجوان لڑکیوں کے متعلق معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی ہے . . . انہوں نے پردہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے بھی پردہ شروع کر دیا۔ میں نماز ادا کرنے لگی اور قرآن پڑھنا' اسے حفظ کرنا' فقہ کے اکثر مسائل اور دین اسلام کے احکام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میرے گھر والے میرا مذاق اڑاتے رہے اور جب بھی میں انہیں کچھ نصیحت کرتی تو مجھ سے لڑنا شروع کر دیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دیندار نوجوان عطا کیا اور میں نے اپنے گھر والوں کی مرضی سے اس سے شادی کی۔ اس کے باوجود وہ ہماری ہر بات اور ہر طور طریقے پر ہنستے اور ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا مجھ سے سب سے زیادہ مطالبہ پردہ ترک کرنے کا ہوتا۔ وہ میرے خاوند کا بھی مذاق اڑاتے کیونکہ وہ غریب تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور میں اور میرا خاوند کام کرنے کی غرض سے سعودی عرب چلے آئے۔ میرے گھر والے آج تک مجھے چٹھیوں اور دوسرے طریقوں سے ٹھٹھا اور مذاق کی باتیں لکھ کر بھیجتے رہتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرو اور ہمیشہ اس پر ترغیب دیتے ہیں اور میری اس صورت حال پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور مجھے پس ماندگی کا طعنہ دیتے ہیں۔

یہ ہے میری مشکل۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے کہ میں کیا کروں؟

عائشہ۔ عنیزہ

جواب : اگر بات ایسی ہی ہے جو آپ نے کہی ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کی ثنا کریں اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو علمی اور عملی دونوں طرح اسلام کی راہ دکھلائی اور تمہیں نیک خاوند عطا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آپ کی مدد کرتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے تم دونوں پر انعام کیا ہے۔ لہٰذا تم دونوں پر لازم ہے کہ اس کا شکر اور ذکر کرتے رہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل اور زیادہ کرے گا اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾

اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ (ابراہیم : ۷)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾

مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر ادا کرتے رہو' ناشکری نہ کرو۔ (البقرہ : ۱۵۲)

اور جس بات کی میں آپ کو وصیت کرنا چاہتا ہوں وہ ہے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ' اس کے دین میں سمجھ پیدا کرنا' اپنے خاوند کا پوری طرح ساتھ دینا' معروف کاموں میں اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا' اس سے جدا ہونے کے سلسلہ میں یا دوسرے گناہ کے کام میں اپنے گھر والوں کی اطاعت نہ کرنا۔

اور میں تم دونوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اپنے گھر والوں سے نیکی' تقویٰ اور احسان پر تعاون کرنا' ان کے لیے ہدایت اور درستی کی دعا کرتے رہنا اور ان کی بری باتوں کا احسان اور صدقہ سے جواب دینا۔ مگر انہیں زکوٰۃ نہ دینا کیونکہ جو فقیر نماز نہ پڑھتا ہو اسے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے کہ نماز چھوڑنا کفر اکبر ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز کا ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کو امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔

بات یہی ہے اور میں آپ کے لیے اور آپ کے خاوند کے لیے حق پر ثابت قدم رہنے اور دین میں تفقہ اور گمراہ کن فتنوں سے عافیت کی دعا کرتا ہوں . . . بے شک وہ سننے والا بھی ہے اور قریب بھی۔

میرا خاوند گھر میں میرے ساتھ خندہ پیشانی سے نہیں رہتا۔ ہمیشہ تیوری چڑھائے اور دل تنگ رہتا ہے۔ کیا میں گھر کو چھوڑ دوں؟ یا کیا کروں؟

سوال : میرا خاوند' اللہ اسے معاف فرمائے' اس بات کے باوجود کہ وہ اخلاق فاضلہ کا مالک اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے مگر میرے ساتھ گھر میں خندہ پیشانی سے رہنے کا اہتمام نہیں کرتا۔ ہمیشہ چہرہ پر شکن اور دل سے تنگ رہتا ہے۔ کبھی وہ یوں کہہ دیتا ہے کہ اس کا سبب میں ہی ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بحمد اللہ میں اس کا حق پورا کرتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ اسے راحت اور اطمینان پہنچاؤں اور ہر اس چیز سے دور رہوں جو اسے بری لگتی ہے اور اس کے تصرفات پر صبر کرتی رہوں۔

اور جب بھی میں اس سے کچھ مانگتی ہوں یا کسی معاملہ میں اس سے کلام کرتی ہوں تو وہ غصہ اور جوش میں آکر کہتا ہے کہ یہ کیسی بیہودہ اور کم عقلی کی بات ہے۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں سے خوش بخوش رہتا ہے . . . رہی میری بات تو میں نے اس سے سرزنش اور بد معاملگی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ مجھے اس بات سے دکھ پہنچتا ہے اور بہت تکلیف ہوتی ہے اور کئی بار میں نے ارادہ کیا کہ گھر کو چھوڑ دوں۔

اور الحمد للہ کہ میری تعلیم متوسط درجہ کی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر واجب کیا ہے' میں اسے ادا کر رہی ہوں۔

فضیلت مآب! اگر میں اپنے گھر کو چھوڑ دوں اور اپنی اولاد کی تربیت کروں اور خود اکیلی زندگی کے لیے مشقت کروں تو کیا میں گنہگار ہوں گی؟ . . . یا میں اسی حال میں اس کے ساتھ رہوں اور اس کے کلام' مشارکت اور ایسے احساسات پر صبر کیے جاؤں؟

مجھے مستفید فرمایئے کہ میں کیا کروں؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

ام عبداللہ ۔ الریاض

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن معاشرت زوجین پر واجب ہے۔ انہیں محبت بھرے چہرے' اخلاق فاضلہ' حسن خلق اور خندہ پیشانی سے ایک دوسرے سے پیش آنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾

اور اپنی بیویوں سے اچھا رہن سہن رکھو۔ (النساء : ۱۹)

نیز فرمایا :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا (عورتوں پر) ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ (البقرہ : ۲۲۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« البِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ »

اچھا اخلاق ہی اصل نیکی ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَاتَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئاً : وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ »

کسی اچھی بات کو حقیر نہ سمجھو۔ اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً : أَحسنُهم خُلُقاً ، وخِيارُكُم : خِيارُكُم لِنِسَائِهِم ؛ وأَنَا خيرُكُم لأهْلِي »

ایمان کے لحاظ سے مومنوں میں سے زیادہ کامل وہ ہے جس کا خلق اچھا ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے گھروالوں کے لیے تم سے بہتر ہوں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو عموی حسن خلق، خوش ہو کر ملنے اور مسلمانوں میں باہمی حسن معاشرت پر دلالت کرتی ہیں اور جب یہ معاملات زوجین اور اقارب میں ہوں تو ان کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

آپ کو اپنے خاوند سے جو زیادتی اور بد خلقی کی تکلیف پہنچی، اس پر آپ نے صبر و تحمل سے کام لیا تو بہت اچھا کیا ۔ ۔ ۔ اور میں آپ کو مزید صبر اور اس کا گھر نہ چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر اور قابل تعریف انجام ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ وَٱصْبِرُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴾

صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال : ۴۶)

نیز فرمایا :

﴿ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾

بے شک جو شخص اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (یوسف : ۹۰)

نیز فرمایا :

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

جو صبر کرنے والے ہیں انھیں بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔(یوسف : ۹۰)

نیز فرمایا

﴿فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾

آپ صبر کیجئے۔ بے شک انجام پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے۔(ھود : ۴۹)

اور اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ آپ اپنے خاوند سے ایسے الفاظ میں مخاطب ہوں یا اس سے خوش طبعی اور ہنسی مذاق کریں جو اس کے دل کو نرم کرے اور تم پر خوش ہو جائے اور تمہارا حق پہچاننے کا سبب بنیں اور جب تک وہ اہم امور پورے کر رہا ہے اس سے دنیوی حاجات کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ تا آنکہ اس کا دل کھل جائے اور آپ کے جائز اور معقول مطالبہ کے لیے اس کا سینہ فراخ ہو جائے۔ اس طرح انشاء اللہ جلد ہی آپ انجام کی تعریف کرنے لگیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بھلائی کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کے خاوند کی حالت بہتر کرے اور اس کے دل میں ہدایت پیدا کرے اور اسے حسن خلق' خندہ پیشانی اور حقوق کی نگہداشت رکھنے سے نوازے۔ وہی بہتر ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے اور وہی سیدھی راہ پر چلانے والا ہے۔

لعنت کرنے کا حکم

سوال : ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں پر لعنت کرتی اور انھیں گالیاں دیتی ہے۔ کبھی انھیں زبان سے دکھ پہنچاتی ہے اور کبھی مار پیٹ کر' خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے کہ وہ اس عادت کو چھوڑ دے مگر اس کا جواب ہوتا ہے : "تو نے انھیں زبان دراز بنایا ہے اور یہ بدبخت ہیں"۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اولاد اس سے نفرت کرنے لگی ہے اور انھوں نے اس کی بات کو اہمیت دینا ہی چھوڑ دیا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس کا انجام گالی اور مار پیٹ ہی ہوگا۔

اس بیوی سے متعلق شرعی نقطہ نظر سے میرا موقف تفصیلا کیا ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ وہ عبرت پکڑے۔ کیا میں اسے ابھی طلاق نہ دوں اور اولاد اس کے ساتھ رہے۔ یا میں کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

م-م- جمہوریہ مصر العربیہ

جواب : اولاد کو لعنت کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اسی طرح ان لوگوں کو بھی لعنت کرنا جو اس کے مستحق نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ »

مومن کو لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وقِتَالُه كُفْرٌ »

مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إنَّ اللَّعَّانِينَ لايكونُونَ شُهَداءَ ولاَشُفَعَاءَ يومَ القيامةِ »

لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔

لہٰذا آپ کی بیوی پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور میں توبہ اور اپنی اولاد کو گالی دینے سے اپنی زبان کی حفاظت واجب ہے۔ اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ہدایت اور صلاح کے لیے بکثرت دعا کیا کرے اور اے خاوند! آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ اسے ہمیشہ نصیحت کرتے رہیں اور اولاد کو گالی دینے سے ڈرائیں اور اگر نصیحت کارگر نہ ہو تو اس سے الگ رہیں اور یہ الگ رہنا ایسا ہو جس کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہ مفید رہے گا اور صبر کریں اور نگہداشت رکھیں اور طلاق میں جلد بازی نہ کریں۔ ہم اپنے لیے' آپ کے لیے اور تمہاری بیوی کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اولاد کو ادب سکھلانے اور انہیں نیکی کی طرف متوجہ کرنے کی بھی دعا کرتے ہیں تا آنکہ ان کے اخلاق ٹھیک ہو جائیں۔

ایک عورت اپنے خاوند کے برے برتاؤ کی شکایت کرتی ہے

سوال : ایک عورت اپنے خاوند کے برے برتاؤ کی شکایت کرتی ہے۔

فاطمہ۔م

جواب : اگر تمہارے خاوند کی صورت حال واقعی وہی ہے جو آپ نے سوال میں ذکر کی ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا اور دین کو گالی دیتا ہے۔ تو وہ کافر ہے۔ آپ کو اس کے ہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے اور گھر میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے ہاں یا کسی اور جگہ جہاں آپ امن وحفاظت سے رہ سکتی ہوں' چلی جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مومن عورتوں کے متعلق جو کفار کے پاس ہوں' فرماتے ہیں :

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾

وہ کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافر ان کے لیے حلال ہیں (الممتحنہ : ۱۰)۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« الْعَهْدُ الَّذِي بينَنا وبينَهم الصَّلاةُ، مَنْ تَرَكَها فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

اور اس لیے بھی کہ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق دین کو گالی دینا کفر اکبر ہے۔ لہٰذا آپ پر واجب ہے

کہ اللہ کی خاطر اس سے نفرت کریں' اس سے جدا ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کریں۔ اور اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق۔ ۲،۳)

اللہ تعالیٰ آپ کا معاملہ آسان کرے اور اگر آپ سچی ہیں تو آپ کو ایسے خاوند کے شر سے نجات دے اور اللہ اسے ہدایت دے اور توبہ سے احسان فرمائے۔ وہی پاک' فیاض اور کریم ہے۔

کیا ایسی بیوی سے رہن سہن جائز ہے جو سگریٹ پیتی ہو؟

سوال : میری بیوی اللہ کے واجبات پوری کرتی ہے۔ مثلاً نماز' روزہ وغیرہ اور خاوند کے حقوق کی اطاعت گزار ہے۔ مگر وہ چوری چھپے سگریٹ پیتی ہے۔ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے اسے اس عادت کو ترک کرنے کی نصیحت کی مگر اس نے نصیحت قبول نہیں کی اور سگریٹ پینا ترک نہیں کرتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ کون سا وسیلہ ہے جس پر میں اپنی بیوی کو چلاؤں؟

(ا) اگر میں اس کے اس فعل پر صبر کروں' تو کیا یہ میرے لیے جائز ہے۔ جبکہ راضی بھی فاعل ہی کی طرح ہوتا ہے۔

(ب) جب تک وہ میرے گھر میں ہے اور یہ فعل نہیں چھوڑتی۔ کیا مجھے بھی گناہ ہوتا رہے گا۔

(ج) کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ اسے طلاق دے دوں تا کہ میں گناہ سے بچ سکوں؟

میں فضیلت مآب سے اپنی مشکل کے مفصل حل کی توقع رکھتا ہوں۔

م-ع-ھ-حائل

جواب : آپ پر واجب یہ ہے کہ اسے نصیحت کرتے رہیں اور اسے سگریٹ پینے کے نقصان بتلاتے رہیں اور ایسی چیز تلاش کریں جو اس کے اور سگریٹ کے درمیان حائل ہو سکے۔ ان باتوں پر آپ کو اجر ملے گا اور اگر آپ اس کے فعل پر راضی نہیں تو آپ پر کچھ گناہ نہیں۔ بلکہ آپ نے تو بیوی پر گرفت کی اور اسے نصیحت کی ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ نصیحت کرتے جائیں اور جب یہ سمجھیں کہ وہ اس سے باز نہیں آتی تو اگر اس بات پر اسے سرزنش کرنی پڑے تو وہ بھی کریں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

کیا بیوی کی طرف سے بھی سرکشی واقع ہو سکتی ہے؟

سوال : اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں :

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

اگر عورت اپنے خاوند سے سرکشی یا بے رغبتی سے ڈرتی ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔ (النساء : ۱۲۸)

سوال یہ ہے کہ آیا سرکشی بیوی کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور جو اسباب مرد کو اپنی بیوی سے سرکشی پر ابھارتے ہیں اگر انہی وجوہ کی بنا پر بیوی کو اپنے خاوند سے سرکشی پیش آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سلیمان۔م۔ طیبہ کالج۔ الریاض

جواب : ہاں! عورت سے بھی انہی اسباب کی بنا پر سرکشی واقع ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں اس کا بھی حکم واضح فرما دیا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا :

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾

اور جن عورتوں کے متعلق تمہیں ڈر ہو کہ سرکشی کرنے لگی ہیں تو انہیں سمجھاؤ۔ (اگر باز نہ آئیں) تو ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ (اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں مارو اور اگر فرمان بردار ہو جائیں تو انہیں ایذا دینے کا بہانہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بلند اور بزرگ ہے۔ (النساء : ۳۴)

خادموں سے برتاؤ

عورت کا ڈرائیور اور خادم کے سامنے آنے کا حکم

سوال : اگر خادم اور ڈرائیور سامنے آئیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ وہ اجنبی مردوں کے حکم میں ہی سمجھے جائیں گے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میری والدہ مجھے خادموں کے سامنے آنے کو کہتی ہے کہ میں اپنے سر پر "ایشارب" رکھ کر آجاؤں۔ تو کیا یہ ہمارے دین حنیف میں جائز ہے جس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے احکام کی نافرمانی نہ کریں؟

مولوۃ۔ح۔ع

جواب : ڈرائیور اور خادم کا حکم بھی بقیہ مردوں کی طرح ہی ہے۔ ان سے بھی پردہ کرنا لازم ہے کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں۔ نہ ان کے ساتھ سفر جائز ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کے ساتھ خلوت جائز ہے۔ کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ؛ فَإِنَّ الشَّيطَانَ ثَالِثُهُمَا »

کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے' کیونکہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ حجاب کے وجوب' نمائش زینت کی تحریم اور بغیر محرم کے سفر کرنے کے دلائل میں عموم ہے۔ لہٰذا آپ کو ایسے کام میں والدہ یا کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے۔ جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے۔ کیا میرے گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سے گھل مل کر رہیں؟

سوال : ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے۔ کیا میرے گھر کی عورتوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی مجلس' سونے اور کھانے میں اس سے گھلی ملی رہیں؟

عبدالرحمٰن ۔ن۔ الریاض

جواب : اس میں کوئی حرج نہیں اور ہمارے علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق گھر کی مسلم عورتوں پر یہ واجب نہیں کہ وہ اس سے پردہ کریں۔ لیکن یہ واجب ہے کہ اس سے مسلمان عورت کا سا سلوک نہ کیا جائے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق اس سے نفرت رکھیں :

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾

تمہیں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنا (ضروری) ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو۔ ہم اس معاملہ میں تمہارا انکار کرتے ہیں اور جب تک اللہ اکیلے پر ایمان نہ لاؤ گے' ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔ (الممتحنہ : ۴)

اور اگر وہ اسلام نہیں لاتی تو آپ کے گھر والوں پر لازم ہے کہ وہ اسے اس کے وطن واپس بھیج دیں۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس جزیرہ عرب میں یہودی' عیسائی اور دوسرے مشرکین باقی رہیں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو کہا تھا کہ ان سے بے نیاز ہو جائیں۔ والحمدللہ۔

اور اس لیے بھی انہیں نکالنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ان کی موجودگی سے مسلمانوں کے

عقیدہ اور اخلاق میں بگاڑ کا سخت خطرہ ہے۔ لہٰذا اس جزیرہ کے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کسی غیر مسلم کو خدمت یا کام کے لیے نہ بلائیں اور ان کے اختلاط سے مسلمان مردوں اور عورتوں کے عقیدہ و اخلاق کو جو عظیم نقصان ہوگا' انہیں اپنے ہاں بلا کر اس مترتب ہونے والے نتیجہ سے بچیں۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان سے بے نیاز رہنے اور ان کے شر سے عافیت میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہی فیاض اور کریم ہے۔

میرے پاس غیر مسلم خادمائیں ہیں۔ کیا میں ان سے پردہ کروں اور کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں انہیں ان کے دین کے نقائص سے آگاہ کروں؟

سوال : ہمارے گھر میں غیر مسلم نوکرانیاں ہیں۔ کیا مجھ پر واجب ہے کہ میں ان سے پردہ کروں؟ اور کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ وہ میرے کپڑے دھوئیں اور میں ان سے نماز ادا کروں؟ اور کیا میرے لیے جائز ہوگا کہ میں ان پر ان کے دین کے عیوب و نقائص بیان کروں اور انہیں کھول کر وہ باتیں بتاؤں جو دین حنیف کو ممتاز کرتی ہیں۔

ام سلمہ

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق آپ پر ان سے پردہ کرنا واجب نہیں۔ جیسا کہ باقی عورتوں سے واجب نہیں۔

اور ان کے کپڑے یا برتن دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان کے عقد ختم کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں اس جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین باقی رہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ خدمت کے لیے یا کام کے لیے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگ یہاں لائے جائیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جزیرہ سے مشرکوں کو نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی تا کہ یہاں دو دین نہ رہیں۔ کیونکہ یہ اسلام کا گہوارہ اور شمس رسالت کے طلوع ہونے کا مقام ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ یہاں دین حق یعنی اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی رہے . . . اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق کے اتباع اور اس پر ثبات کی' غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے کی اور جو اس کی مخالفت کریں' انہیں چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کے لیے انہیں اسلام کی دعوت دینا اور اس کے محاسن بیان کرنا مشروع ہے اور یہ وضاحت بھی کہ ان کے دین میں کیا کچھ نقائص اور حق کی مخالفت ہے۔ نیز یہ کہ شریعت اسلامیہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اور یہ کہ اسلام ہی وہ دین حق ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی

جیسا کہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾

دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔ (آل عمران : ١٩)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي ٱلْآخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴾

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران : ٨٥)

لیکن اس بارے میں آپ کو علم اور بصیرت سے کلام کرنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر یا اس کے دین پر علم کے بغیر کچھ کہنا بہت بری بات ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے باتوں کو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ (الاعراف : ٣٣)

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بغیر علم، بات کرنے کو ان تمام مذکورہ مراتب کے اوپر قرار دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی سخت حرمت ہے اور اس پر بہت بڑا خطرہ مترتب ہوتا ہے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِيٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میری راہ یہ ہے کہ میں خود بھی (لوگوں کو) علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیروکار بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یوسف : ١٠٨)

اور سورہ بقرہ میں یہ بتلایا کہ جو بات بغیر علم کے اللہ کے ذمہ لگادی جائے وہ ایسے امور سے ہے جن کا حکم شیطان کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِي ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾

اے لوگو! زمین میں جو بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں' کھاؤ اور شیطان کی قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔ (البقرہ : ۱۶۸-۱۶۹)

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور آپ کے لیے توفیق' ہدایت اور نیت و عمل کی درستی کی دعا کرتا ہوں۔

کیا میں غیر مسلم خادمہ رکھ سکتا ہوں؟

سوال : میں گھر میں اپنی بیوی کی اعانت کے لیے خادمہ کی تلاش میں نکلا۔ مجھے لوگوں نے بتلایا کہ اس شہر میں مسلم خادمہ نہیں مل سکتی۔ کیا میں غیر مسلم خادمہ رکھ سکتا ہوں؟

محمد۔ ا۔ شقراء

جواب : جزیرۃ العرب میں غیر مسلم نہ خادمہ رکھنا جائز ہے اور نہ خادم' نہ ڈرائیور اور نہ کوئی دوسرا کام کرنے والا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جزیرہ سے یہود و نصاریٰ کو نکال دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہاں صرف مسلم ہی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت تمام مشرکوں کو اس جزیرہ سے نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی۔

اور کافر مردوں اور عورتوں کو یہاں لانا اس لیے بھی جائز نہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے عقائد و اخلاق اور ان کی اولاد کی تربیت کے لیے خطرہ ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے اور شرک و فساد کے قلع قمع کے لیے اس سے رک جانا واجب ہے ۔ ۔ ۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میں نے قسم کھائی کہ فلاں کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی نہ کروں گا اور اللہ نے مقدر کیا کہ مجھے انہی میں سے ایک سے شادی کرنا پڑی۔ اب مجھ پر کیا لازم ہے؟

سوال : ایک دن ایسا ہوا کہ میرا ایک قریبی رشتہ دار گھبرایا ہوا میرے پاس آکر کہنے لگا۔ "عنقریب تم فلاں شخص کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی سے شادی کرو گے"۔ تو میں نے کہا : "اللہ کی قسم! جب تک دنیا قائم ہے میں اس شخص کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی نہ کروں گا"۔ اس بات کو کئی سال گزر گئے اور پھر میں نے انہی لڑکیوں میں سے ایک سے شادی کر لی اور اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نیک بختی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ میں آپ سے اپنی رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں کہ اس سابقہ قسم کے عوض اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

ع۔ ص۔ الصبحی۔ المدینہ المنورہ

جواب : جو کچھ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے اگر وہ درست ہے تو آپ پر قسم کا کفارہ لازم ہے اور وہ دس مسکینوں کا کھانا یا ان کی پوشاک یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ کھانا کھلانے کے بارے میں شہر کی خوراک سے نصف صاع واجب ہے خواہ وہ خوراک کھجور ہو یا گندم ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ اس کی مقدار ڈیڑھ کیلو ہے۔ اور پوشاک ایسی ہونا واجب ہے جس میں نماز ادا کی جا سکے۔ جیسے قمیص اور تہ بند یا چادر۔ اور جو شخص کھانا کھلانے یا غلہ دینے اور پوشاک دینے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو' وہ تین روزے رکھے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم نے پختہ کیں (پھر ان کے خلاف کیا) تو ان کا مواخذہ وہ ضرور کرے گا۔ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے' جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے

رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (مگر پوری نہ کرو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ (المائدہ : ۸۹)

نذر کے احکام

سوال : میں نے امتحان سے پہلے کسی دن یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں چھٹی جماعت سے پاس ہو کر پہلی متوسط کلاس میں چلا گیا تو قربانی کروں گا اور میں دوسری کوشش میں کامیاب ہوا' پہلی دفعہ نہ ہوا۔ کیا اب میں قربانی دوں گا یا نہیں؟ بات یہی تھی۔ اس پر چار سال گزر گئے اور میں نے اس نذر کو پورا نہ کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ میں نے تو ایسی نذر مانی تھی کہ جب میں تیسری متوسط کلاس سے کامیاب ہو کر پہلی ثانوی میں چلا گیا . . . اب جب میں کامیاب ہو کر اول ثانوی میں چلا گیا ہوں تو کیا اب میں ایک قربانی دوں یا دو ؟
عبدالرحمٰن۔ س۔ ع

جواب : جب آپ نے نذر کو غیر مشروط رکھا اور پہلے دور میں کامیاب ہو کر جانے کی نیت نہیں تھی تو آپ کو اپنی نذر پوری کرنا لازم ہے کہ آپ اللہ کی رضا کے لیے قربانی کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دیں اور اس میں سے آپ خود یا آپ کے گھر والے کچھ نہ کھائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ؛ فَلْيُطِعْه . ومَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ؛ فلاَيَعْصِه »
جس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی والی بات کی نذر مانی' اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا نہ کرے۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکالا۔

اور اگر آپ نے پہلی کوشش میں کامیابی کی نذر مانی لیکن کامیاب دوسری کوشش میں ہوئے تو آپ پر کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِنَّمَا الأَعْمَالُ بالنِّيَاتِ، وإنَّما لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى »
اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی ہو۔

اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے اور یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

اسی طرح آپ کی وہ نذر ہے کہ جب آپ متوسط ثانوی میں کامیاب ہو گئے تو اسے پورا کرنا آپ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے مطابق لازم ہے۔

اور اگر آپ نے پہلی یا دوسری نذر یوں مانی تھی کہ اپنے گھر والوں' اقرباء اور ہمسایوں کے لیے قربانی کریں گے تو اپنی نیت پر عمل کریں۔ جیسا کہ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کا ذکر ہوا ہے۔

اے بھائی! آپ کو چاہیے کہ آئندہ کبھی نذر نہ مانا کریں کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی لوٹا نہیں

سکتی۔ نہ ہی یہ کامیابی کے اسباب میں سے کوئی سبب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا : "نذر کوئی بھلائی نہیں لاتی۔ البتہ اس طرح بخیل سے کچھ مال نکل جاتا ہے"۔ جیسے کہ یہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے ثابت ہے۔

ہم اپنے لیے اور آپ کے لیے ہدایت اور توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

میں نے اپنے ماموں کی بڑی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی بھائی کے لیے ان بہنوں میں سے کسی کے ساتھ شادی جائز ہے؟

سوال : میں نوجوان ہوں اور میں نے اپنے ماموں کی بڑی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ پھر اس کے بعد اس کی دوسری بہنیں پیدا ہوئیں اور اب اس بڑی لڑکی کی شادی ہو چکی ہے۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ ان بہنوں میں سے کسی کا رشتہ لینے کے لیے پیش قدمی کریں؟

س ۔ ع ۔ المالکی

جواب : اے سائل! جب تم نے ابتدائی دو سالوں کے دوران اپنے ماموں کی بیوی کا پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ دودھ پیا تھا تو تمہارے ماموں کی سب بیٹیاں تمہاری بہنیں بن گئیں۔ آپ ان میں سے کسی سے شادی نہیں کر سکتے۔ رہے آپ کے بھائی تو انہیں ماموں کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ تمہارے ماموں کی بیٹیوں نے تمہاری بہنوں کی ماں کا اور تمہارے باپ کی بیوی کا اور تمہاری بہنوں کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے بھائیوں کو تمہارے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کر لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کے درمیان ایسی رضاعت نہ ہو' جو رکاوٹ بن جائے۔ رہا تمہارا اپنے ماموں کی بیوی کا دودھ پینا' تو یہ آپ ہی سے مختص ہے۔ یہ تمہارے ماموں کی بیٹیوں کے لیے تمہارے بھائیوں پر حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک عورت کی بیٹی تھی اور دوسری کا بیٹا' دونوں نے ایک دوسری کے بچے کو دودھ پلایا ان دودھ پینے والے بچوں کے بہن بھائیوں میں سے کون دوسرے کے لیے حلال ہوں گے؟

سوال : یہاں دو عورتیں ہیں۔ پہلی کے پاس بیٹا ہے اور دوسری کے پاس بیٹی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بچے کو دودھ پلایا۔ ان دودھ پینے والے بچوں کے بہن بھائیوں میں کون دوسرے کے لیے حلال ہوں گے؟

سعید ۔ ا

جواب : کوئی عورت کسی لڑکے کو ابتدائی دو سالوں کے دوران پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ اپنا دودھ

پلائے تو وہ اس عورت کی اولاد کا اور اس کے خاوند کی اولاد کا رضیع (دودھ شریک بھائی) بن جاتا ہے۔ اب جو اولاد اس دودھ پلانے والی عورت کی ہو گی خواہ وہ اس خاوند سے ہو' جو صاحب بمن ہے یا کسی دوسرے خاوند سے ہو۔ سب اس رضیع بچہ کے رضاعی بہن بھائی بن جائیں گے۔ اور خاوند صاحب بمن کی اولاد خواہ وہ اس دودھ پلانے والی بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے ہو' اس رضیع بچہ کے بہن بھائی بن جائیں گے اور اس دودھ پلانے والی (مرضعہ) کے بھائی رضیع کے ماموں اور رضاعی باپ کے بھائی رضیع کے چچے اور مرضعہ کا باپ رضیع کا نانا اور مرضعہ کی ماں رضیع کی نانی اور رضاعی باپ کا باپ رضیع کا دادا اور اس کی ماں رضیع کی دادی بن جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ محرمات کے بارے میں سورہ نساء میں فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾

اور وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی۔ (النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ»

رضاعت وہی معتبر ہے جو بچپن کے ابتدائی دو سالوں میں ہو۔

اور جیسے صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ "جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس گھونٹ تھے' جن سے حرمت ہوتی تھی۔ پھر وہ حکم پانچ گھونٹ کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور جب نبی صلی اللہ نے وفات پائی تو اسی پر عمل تھا" . یہ الفاظ ترمذی کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں موجود ہے۔

میرے بھائی نے چچا کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو چچی نے دعویٰ کیا کہ اس نے میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ پھر وہی چچی خود آئی جو اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ مانگتی تھی۔ ہم کیا کریں؟

سوال : میرا بڑا بھائی چچا کی بیٹی کا رشتہ مانگنے گیا تو چچی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اپنی اولاد کے ساتھ میرے اس بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ کچھ مدت بعد وہی چچی ہمارے ہاں آئی کہ اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ طلب کرے . . . ہم سوچ میں پڑ گئے اور اسے وہ بات یاد دلائی جو اس نے کہی تھی۔ یعنی اس نے اپنی اولاد کے ساتھ میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ اس نے اس کا اقرار کیا لیکن بعد میں مکر گئی اور کہنے لگی کہ اس نے کبھی میرے بھائی کو دودھ نہ پلایا تھا۔

کیا ہم اس کی پہلی والی بات پر اعتماد کریں یا دوسری پر؟ اور اس بارے میں شرع کی رائے کیا ہے؟

جاری ۔ ع ۔ سبت العلایا

جواب : عورت کا پہلا مذکورہ دعویٰ کہ اس نے آپ کے بھائی کو دودھ پلایا ہے' اس عورت کے بیٹوں کی تیری بہنوں سے شادی میں مانع نہیں۔ بشرطیکہ آپ کی بہنوں نے اس کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ ہی اس کے بیٹوں نے آپ کی ماں کا دودھ پیا ہو۔ اور یہاں دوسری رضاعت تو ہے ہی نہیں' جو آپ کی بہنوں کے اس کے بیٹوں کے ساتھ شادی میں مانع بن سکے۔

اور جب وہ عورت اپنے پہلے دعویٰ میں اپنے آپ کو خود جھٹلا رہی ہے تو آپ کے بھائی اس کی بیٹی کے ساتھ شادی میں بھی کوئی بات مانع نہیں۔

اور اگر آپ احتیاطاً اس کی بیٹیوں سے شادی نہ کریں تو یہ بہتر ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ »

جس بات میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ؛ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ »

جو شخص شبہات سے بچ گیا' اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔

احکام رضاعت

سوال : ایک لڑکے نے اپنے چچا کے ہاں تربیت پائی اور چچا کی پہلی بیوی کا دودھ پیا۔ کچھ مدت بعد چچا نے دوسری شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ تو کیا اس لڑکے کو جو اب بڑا ہو چکا ہے' یہ جائز ہے کہ اس چچی کی بیٹی سے شادی کرے' جس سے اس نے دودھ نہیں پیا۔؟

علی۔م۔ا

جواب : جب مذکورہ لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ حولین (مدت رضاعت) کے اندر پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ پی لیا تو اب وہ اپنے چچا کا رضاعی بیٹا ہے اور اس کے چچا کی تمام بیویوں کی اولاد اس کے رضاعی بھائی بہنیں ہیں۔

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ لڑکے کا نکاح چچا کی مذکورہ بیٹی سے حرام ہے۔ کیونکہ وہ چچا اب اس مذکورہ لڑکے کا رضاعی باپ اور اس کی بیٹیاں اس کی رضاعی بہنیں ہیں۔ بشرطیکہ بات وہی ہو جو سوال میں ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئیں

ہیں)۔(النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں' جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

سوال : دو بہنیں ہیں' ایک کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور دوسری کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے' جن میں سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری بہن کے تینوں بیٹوں کے ساتھ اس کا دودھ پیا ہے۔ البتہ چوتھے بچے یعنی بیٹی کے ساتھ نہیں پیا۔

پہلی بہن کے بیٹے کی' دوسری بہن کی اس بیٹی سے' جس نے اس کے ساتھ دودھ نہیں پیا' شادی کا کیا حکم ہے؟ ایک سائل

جواب : جب پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری بہن کا دودھ پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ پی لیا خواہ یہ ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں' اور خواہ دوسری بہن کے پہلے بیٹے کے ساتھ' یا دوسرے کے ساتھ یا تیسرے کے ساتھ یا سب کے ساتھ ' تو وہ دوسری بہن کا رضاعی بیٹا ہے اور اس کی ساری اولاد کا بھائی ہے۔ خواہ وہ اولاد اس سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو اور مذکورہ بیٹی کا نکاح پہلی بہن کے بیٹے سے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا رضاعی بھائی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ محرمات کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَـٰتُكُمُ ٱلَّـٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَـٰعَةِ ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئی ہیں)۔(النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اور اگر رضاعت پانچ گھونٹ سے کم ہو تو اس سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر دودھ پینے والا دو سال سے بڑا ہو تو بھی اس کی رضاعت سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ ﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہے۔(البقرہ : ۲۳۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

«لا رضاع إلا ما فتق الأمعاء وكان قبل الفطام»

رضاعت وہی معتبر ہے جس سے آنتیں تر ہوں اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقرآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ معلوماتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوماتٍ، فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ، والأمرُ على ذٰلِكَ»

جو کچھ قرآن میں نازل ہوا وہ معلومہ دس گھونٹ تھے جو حرمت کا سبب بنتے تھے۔ پھر یہ حکم پانچ معلوم گھونٹوں کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عمل اسی بات پر تھا۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سوال : میری پھوپھی کا ایک بیٹا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی ہے۔ میری پھوپھی کے بیٹے نے میری بڑی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ کیا میری شادی اس کی بیٹی سے ہو سکتی ہے یا وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ اس کے باپ نے میری بڑی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا اور اس کا باپ میرا (رضاعی) بھائی ہوا۔

سطا عن - غ - الریاض

جواب : اگر واقع وہی کچھ ہے' جو سائل نے ذکر کیا ہے اور رضیع مذکور (پھوپھی کے بیٹے) نے سائل کی ماں کا دودھ پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ حولین کی مدت کے اندر اندر پیا ہے تو سائل کا اس رضیع کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ اب وہ اس لڑکی کا رضاعی چچا بن گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں' جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا رِضَاعَ إلاَّ في الْحَوْلَيْنِ »

رضاعت وہی معتبر ہے' جو ابتدائی دو سالوں کے اندر اندر ہو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہوتی تھی۔ پھر یہ حکم پانچ معلومہ گھونٹوں کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عمل اسی پر تھا"۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

سوال : میں ایک نوجوان ہوں اور ایک آدمی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے اس آدمی کی بیوی کا اس کی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ وہ بیٹی جس کے ساتھ میں نے دودھ پیا تھا فوت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ کیا میرے لیے اس کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دیجئے اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

صالح۔م۔ب

جواب : اس شخص کی بیوی نے جس کی بیٹی سے آپ شادی میں رغبت رکھتے ہیں' اگر آپ کو حولین کے اندر اندر پانچ یا اس سے زیادہ گھونٹ پلائے ہیں تو اب وہ تمہاری رضاعی ماں ہو گئی اور اس کا خاوند تمہارا رضاعی باپ ہے اور اس کی بیٹیاں تمہاری رضاعی بہنیں ہیں۔ لہٰذا کسی سے بھی تمہاری شادی جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿وَأُمَّهَـٰتُكُمُ ٱلَّـٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَـٰعَةِ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئی ہیں)۔ (النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرآنِ عَشْرُ رَضْعَاتٍ مَعْلوماتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلوماتٍ، فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ، والأمرُ على ذلك »

جو کچھ قرآن میں نازل ہوا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہو جاتی تھی۔ پھر پانچ معلومہ گھونٹوں کے حکم نے اسے منسوخ کر دیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمل اسی کے مطابق تھا۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

اور اس مسئلہ میں اور بھی احادیث ہیں۔

البتہ گھونٹ اگر پانچ سے کم ہوں یا دودھ پینے کا وقت دو سال کے بعد کا ہو تو ایسی رضاعت سے حرمت

واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی دودھ پلانے والی آپ کی ماں اور اس کا خاوند آپ کا باپ ہوگا۔ نہ ہی ایسی رضاعت سے ان کی بیٹیاں آپ پر حرام ہوں گی۔ مذکورہ حدیث سے متعلق اہل علم کے اقوال میں سے یہی بات زیادہ صریح ہے۔ اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں' جن میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے :

« لاَرِضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ »

رضاعت وہی معتبر ہے جو ابتدائی دو سال کے اندر اندر ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لاَتُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَلاَ الرَّضْعَتَانِ »

ایک گھونٹ یا دو گھونٹ دودھ پی لینے سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دوسری احادیث میں ہے۔ جسے اہل علم نے ذکر کیا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سوال : (ا) میری ماں کی دادی کے بیٹے میرے بھائیوں کے ہم عصر تھے تو میری ماں نے فقط ان کے چھوٹے بیٹے محمد کو میری بہن سعاد کے ساتھ دودھ پلایا۔

(ب) جیسا کہ میری ماں نے میری بڑی بہن کے بیٹے سمیر کو میری بہن سحر کے ساتھ دودھ پلایا۔ وجہ یہ تھی کہ میری بڑی بہن بیمار تھی۔ اور یہ رضاعت بھی فقط میری والدہ کی طرف سے تھی۔

(ج) میری ماں نے میرے بھائی کی چھوٹی بیٹی کو بھی میری چھوٹی بہن کے ساتھ دودھ پلایا۔ کیونکہ وہ دونوں ہم عمر تھیں۔ میری بہن صرف ایک مہینہ اس سے بڑی تھی۔ اور یہ ایسے ہوا کہ ایک رات جب اس نے نیند کی حالت میں چیخ ماری اور جب بیدار ہوئی تو اس کی گود میں ایک بچی تھی جو اس کی بیٹی تھی۔ اس نے ایک بزرگ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ تو اسے دودھ پلا' تا کہ تو شک سے بچ سکے۔ چنانچہ اس نے دوسری بار اسے دودھ پلایا اور میری بہن کو بھی اس نے دودھ پلایا۔ اس کے تبادلہ میں اس کی چھوٹی بہن کو۔

سوال یہ ہے کہ اب میرے سارے ماموں میرے بھائی ہو جائیں گے یا صرف میرا چھوٹا ماموں ہی بھائی ہوگا۔ اور کیا وہ میرے ماموں کے بیٹوں کی پھوپھی بن جائے گی یا نہیں؟

خدیجہ ۔ ع

جواب : جب تمہاری ماں نے تمہارے کسی ماموں یا کسی خالہ کو پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ دودھ پلایا ہو اور یہ رضاعت حولین کے اندر اندر ہوئی ہو تو تمہاری ماں' تمہارے ماموں یا خالاؤں میں سے رضیع یا رضیعہ کی ماں بن جائے گی اور تم دونوں بہنیں مذکورہ وجہ سے اس کی ماں بن جاؤ گی' جسے اس نے دودھ

پلایا ہے۔ اسی طرح اگر تمہاری ماں نے تمہاری بھانجی کو اگر پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ حولین کے اندر اندر دودھ پلایا ہے تو وہ بھانجی کی ماں بن جائے گی۔ کیونکہ تمہاری ماں رضاعت کے لحاظ سے ماں اور نسب کے لحاظ سے اس کی دادی ہے اور تم دونوں' یعنی تم رضاعت کے لحاظ سے اور اس کی خالہ نسب کے لحاظ سے بہنیں بن جاؤگی۔ رضاعت کے تمام مسائل میں ایسے ہی کہا جائے گا۔

اور اگر گھونٹ پانچ سے کم ہوں تو اس سے تحریم حاصل نہیں ہوتی اور اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق نہ ہی اس سے رضاعت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دودھ پینے والا دو سال سے زیادہ عمر کا تھا تو بھی رضاعت کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَارِضَاعَ إلاَّ في الْحَولَين »

رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر اندر ہو۔

اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

« كَانَ فيما أُنزِلَ مِنَ الْقرآنِ عَشْرُ رَضَعاتٍ معلوماتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ معلوماتٍ، فتوُفِّيَ النَّبيُّ صلَّى اللّهُ عليه وسلَّمَ، والأَمْرُ على ذلك »

جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہو جاتی تھی۔ پھر یہ حکم پانچ معلومہ گھونٹ کے حکم سے منسوخ ہوگیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمل اسی پر تھا۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قرآن کی قراءت

لوگوں کے لیے اجرت پر قراءت کا حکم

سوال : لوگوں کے لیے اجرت پر قراءت کا کیا حکم ہے؟ ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب : اگر اس سے مقصود لوگوں کو قرآن سکھلانا اور انھیں یاد کرانا ہو تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک ڈسے ہوئے آدمی کے لیے صحابہ نے طے شدہ اجرت کی شرط پر قرآن پڑھا۔ اسی حدیث کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا :

« إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عليه أجراً: كتابُ اللّٰهِ »

تم جس چیز پر اجرت لینے کے سب سے زیادہ حقدار ہو' وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نکالا۔

اور اگر اس قراءت سے مقصود محض تلاوت ہو' خواہ کسی مناسبت سے ہو تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ قراءت قرآن پر اجرت لینے کی تحریم میں کوئی نزاع نہیں جانتے۔

سورہ تبت کی قراءت بھی اسی طرح مشروع ہے جیسے قرآن کی باقی سورتوں کی مشروع ہے

سوال : میں ایک دفعہ اپنی نماز میں سورہ تبت پڑھ رہی تھی۔ میری بہن نے مجھے پڑھتے ہوئے سن لیا تو مجھے کہنے لگی : نماز میں اس سورت کو پڑھنا اور اس کا تکرار درست نہیں۔ کیونکہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا پر لعنت ہے۔ میں نے اس سے ذکر کیا کہ وہ تو کافر مشرک تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گئی۔ میں آپ سے افادہ کی توقع رکھتی ہوں کہ آیا میں غلطی پر ہوں یا صواب پر؟

خدیجہ - ع

جواب : سورہ تبت بھی قرآن کریم کی سورتوں میں سے ایک سورت اور باقی سورتوں کی طرح ہے۔ لہذا اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں ابولہب کا حال بیان ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی بیوی پر خسارہ اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم لگایا ہے کیونکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچاتے تھے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے :

﴿ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾

قرآن سے جو کچھ میسر آئے' پڑھو۔ (المزمل : ۲۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو' جس نے نماز بگاڑ کر ادا کی تھی' کہا : "پھر قرآن جو تجھے یاد ہو اس سے جتنا آسانی سے پڑھ سکو' پڑھو"۔ یہ قرآنی نص اور نبوی نص سورت تبت کو اسی طرح عام ہیں جیسے باقی سورتوں کو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے سائلہ! آپ ہی راہ صواب پر ہیں۔ رہا تمہاری بہن کا معاملہ تو وہ غلطی پر ہے تو اسے اپنی بات پر اور اس سورت کو نماز میں پڑھنے کو اچھا نہ سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس نے قول باطل اور اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہی . . . ہم اپنے لیے' آپ کے لیے اور آپ کی بہن کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

مسجد میں تلاوت کے وقت آواز بلند کرنے کا حکم

سوال : کیا مسجد میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ جبکہ اس وقت مسجد میں بعض نمازی نفل ادا کر رہے ہوں؟

ابراہیم – م – ضرباء

جواب : مسجد میں اس وقت بلند آواز سے قراءت نہیں کرنا چاہیے' جب کہ ارد گرد کے نمازی یا قرآن پڑھنے والے تشویش میں پڑ جائیں۔ اسی طرح اگر قاری مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہو اور اس کے ارد گرد نمازی یا قاری ہوں تو بھی آواز بلند نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا سنت یہ ہے کہ ان پر آواز بلند نہ کی جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے تو کچھ لوگ نماز ادا کر رہے تھے اور کچھ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« كُلُّكُم يُنَاجِي اللّٰهَ ؛ فَلَايُؤْذِ بَعْضُكم بعضاً »

تم میں ہر کوئی اللہ سے سرگوشی کر رہا ہے۔ لہذا کوئی شخص دوسرے کو ایذا نہ دے۔

میت کے گھر میں قرآن پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : میت کے لیے اس طرح قرآن کی قراءت کہ ہم میت کے مقام یا اس کے گھر میں قرآن کے کچھ نسخے رکھ دیتے ہیں۔ بعض ہمسائے اور جان پہچان والے مسلمان آتے ہیں۔ وہ مثال کے طور پر قرآن کا ایک پارہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں اور اس پر کچھ اجرت نہیں لیتے . . . تو اس طرح کی قراءت اور دعا میت کو پہنچ جاتی ہے اور کیا اسے اس کا ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

میں آپ سے افادہ کی توقع رکھتا ہوں۔ آپ کا شکریہ . . . یہ خیال رہے کہ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اسے مطلق حرام سمجھتے ہیں۔ بعض مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض اس کے جواز کے قائل ہیں۔

عبدالرحیم۔ ج ۔الریاض

جواب : ایسے اور اس سے ملتے جلتے کام کی کوئی اصل نہیں۔ اور یہ کام نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے کہ وہ مردوں کے لئے قرآن پڑھتے ہوں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيهِ أَمْرُنا فهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہ ہو' وہ مردود ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا اور بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً بیان کیا اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ أَحْدَثَ فِي أمْرِنا هذا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔

اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں یوں فرمایا کرتے تھے :

«أمَّا بَعْدُ: فإنَّ خيرَ الحديثِ كتابُ اللّهِ، وخيرَ الْهَدْيِ هَدْيُ محمَّدٍ صلّى اللّهُ عليه وسلَّمَ، وشرُّ الأمُورِ مُحْدَثاتُها، وكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ»

اما بعد! بے شک بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے برے کام دین میں نئی ایجادات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں «وكُلُّ ضَلالَةٍ فِي النَّارِ» (اور ہر گمراہی کی سزا جہنم ہے)۔

البتہ فوت شدہ لوگوں کے لیے صدقہ کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے سے انہیں فائدہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اس کا ثواب انہیں پہنچتا ہے . . . اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے اور اسی

سے مدد دو رکار ہے۔

اطاعت والدین

والدین سے نیک سلوک اور معروف کاموں میں ان کی اطاعت اہم واجبات سے ہے

سوال : جب میں بعض اہم کاموں میں مصروف ہوتا ہوں اور میری والدہ مجھے بلائے' تو میں اس کی بات نہیں سنتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : والدین سے نیک سلوک اور معروف کاموں میں ان کی بات سننا اور ماننا اہم واجبات سے ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ اپنی والدہ کے حق کا خیال رکھیں۔ اس کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں اور بھلے کاموں میں نافرمانی نہ کریں اور جب آپ کے پاس کچھ ضروری کام ہوں جو والدہ کی طلب سے معارض ہوں (یعنی دونوں میں سے ایک کام کیا جاسکتا ہو) تو اپنی والدہ کو بتلادیں اور اس سے معذرت کرکے اپنے ضروری کام کرلیں۔

لیکن جب آپ کے کام میں تاخیر ہونے سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو اور والدہ کی حاجت کو پہلے پورا کرلینا ممکن ہو تو والدہ کی حاجت پوری کرنے کو مقدم رکھیں کیونکہ اس سے نیک سلوک کرنا نہایت ضروری ہے۔

اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو جو ان دونوں میں سے اہم ہو' اسے پہلے کرلیں جس کے نہ کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہوسکے۔ (التغابن : ۱۶)

میں شوہر دیدہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری ماں اس کی مخالفت کرتی ہے۔ اب میں کیا کروں؟

سوال : میں ثیب (شوہر دیدہ عورت) سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا والد' مذکورہ عورت اور اس کے گھر والے بھی' سب اس شادی کے موافق ہیں لیکن میری والدہ اس کے موافق نہیں اور نہ ہی اس بات پر راضی ہے . . . کیا میں والدہ کی رضا کی پرواہ کیے بغیر اس عورت سے شادی کرلوں یا نہ کروں؟ اور اگر میں اس سے شادی کرلوں تو کیا میں اپنی والدہ کا نافرمان ہوں گا؟ مجھے مستفید فرمایئے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

ابوبکر۔م۔سوڈانی حال مقیم ریاض

جواب : والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس سے نیک سلوک اہم واجبات سے ہے اور جس بات کی میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اس عورت سے شادی نہ کریں۔ جس سے تمہاری ماں خوش نہیں . . . کیونکہ تمہارے لیے تمام لوگوں سے زیادہ خیرخواہ تمہاری والدہ ہے۔ شاید وہ اس عورت کے اخلاق سے کوئی ایسی بات جانتی ہو جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق : ۲)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ والدہ سے نیک سلوک تقویٰ کی بات ہے۔ الا یہ کہ تمہاری والدہ دیندار نہ ہو اور وہ عورت جس سے منگنی مطلوب ہے' دیندار اور متقی ہو اور اگر ایسی بات ہے جو ہم نے ذکر کی ہے تو پھر اس معاملہ میں تمہارے لیے اپنی والدہ کی اطاعت ضروری نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمعروفِ »

اطاعت صرف بھلے کاموں میں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جس میں اس کی رضا ہو اور آپ کے لیے ایسی بات آسان بنائے جس میں آپ کے دین اور دنیا کی صلاح و سلامتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں

سوال : اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے اگر ماں کسی کی مخالفت کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ جب صورت حال یہ ہو کہ ماں ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہے جس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جیسے وہ زینت کی نمائش اور اکثر سفر کا مطالبہ کرے اور یہ دعویٰ کرتی ہو کہ پردہ محض خرافات ہے اور دین میں اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ وہ مجھ سے محفلوں میں جانے اور ایسا لباس پہننے کا مطالبہ کرتی ہے جس میں ہر وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جس کے ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے حرام کیا ہے اور جب مجھے پردہ کیے ہوئے دیکھتی ہے تو غصہ میں آجاتی ہے؟

مولوۃ ۔ ح ۔ ع

جواب : اس سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو' اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ باپ ہو یا ماں ہو یا کوئی اور ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« إنَّما الطَّاعةُ في المعروفِ »

اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَاطاعةَ للمخلوقِ في معصيةِ الخالقِ » ☆

خالق کی نافرمانی کے کام میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

اور یہ امور جن کی طرف سائلہ کی ماں دعوت دیتی ہے' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام ہیں۔ لہٰذا ان میں اطاعت جائز نہیں۔ ہم تمہاری ماں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور شیطان کی اطاعت سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

لباس

کپڑا دراز رکھنے کا حکم' خواہ یہ ازراہ تکبر ہو یا عادت کے طور پر ہو؟

سوال : کپڑا دراز رکھنے کا کیا حکم ہے۔ خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔ خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں۔ اگر وہ چھوٹا ہو یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

محمد۔ع۔ا۔ا القصیم

جواب : مردوں کے لیے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَا أسفلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإزارِ فهُوَ في النَّارِ »

تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور مسلم نے اپنی صحیح میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ثَلاثةٌ لايكلّمُهُمُ اللّهُ ولَايَنْظُرُ إليهِمْ يومَ القيامةِ ولَايُزَكّيهم ولَهُمْ عذابٌ أليمٌ: المُسْبِلُ إزارَه، والمنّانُ ما أعْطى، والمُنفِّقُ سِلْعَتَه بالْحَلِفِ الكاذِبِ »

قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنی تہبند لٹکانے والا' دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔

یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں' ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔ خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے

☆ فتاوی شیخ ابن باز میں "للمخلوق" اسی طرح مذکور ہے لیکن اصل میں "لمخلوق" ہے۔ دیکھئے شرح السنۃ حدیث نمبر ۲۴۵۵

احمد : ج ۵ ص ۶۶۔ (الناشر)

مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ جَرَّ ثَوبَه خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إليهِ يومَ القيامةِ »

جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو' درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں بھی قید نہیں لگائی اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے فرمایا :

« إِيَّاكَ والإِسْبالَ فإنَّه مِنَ الْمَخِيْلَة »

لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

گویا آپ نے کسی طرح بھی' لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو بھی یہ تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ کام اس لیے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے : "اپنا کپڑا اونچا کر لے۔ یہ تیرے پروردگار کے لیے تقویٰ اور تیرے کپڑے کے لیے صفائی والا کام ہے"۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا : "اے اللہ کے رسول! میرا تہبند ڈھلک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا : "آپ ان سے نہیں جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں"۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے' وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں۔ کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے' بلاشبہ وہ معذور ہے۔ مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو' وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے۔ کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں' اپنے مفہوم' معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

لباس لٹکانا مطلقاً جائز نہیں

سوال : اگر انسان تکبر و نخوت کے ارادہ کے بغیر اپنا کپڑا لٹکائے تو کیا پھر بھی اس پر حرام ہے اور کیا آستین میں بھی اسبال (کا حکم) ہے؟

عبداللطیف۔م۔ع۔الریاض

جواب : لباس کو لٹکانا مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَا أسفلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإزارِ فهُوَ في النَّارِ»

تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔

اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بن سلیم والی حدیث میں فرمایا :

« إيّاكَ والإسْبالَ فإنّه مِنَ الْمَخيلَة »

کپڑا نیچے لٹکانے سے بچو۔ کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«ثلاثةٌ لايكلِّمُهُمُ اللّهُ ولاَيَنْظُرُ إليهِمْ يومَ القيامةِ ولاَيُزكّيهم ولَهُمْ عذابٌ أليمٌ: المُسْبِلُ إزارَه، والمنّانُ ما أَعْطى، والمُنْفِقُ سِلْعَتَه بالْحَلِفِ الكاذِبِ »

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دکھ دینے والا عذاب ہو گا۔ ایک اپنے تہبند کو لٹکانے والا' دوسرا کسی کو کچھ دے کر جتلانے والا اور تیسرا وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرے۔

اس حدیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تکبر کا ارادہ رکھتا تھا یا نہ رکھتا تھا کیونکہ ان احادیث میں عموم ہے اور اس لیے بھی کہ بسا اوقات یہ کام کبر و نخوت کی وجہ ہی سے ہوتا ہے اور اگر اس نے ازراہ تکبر نہ بھی کیا ہو تو بھی یہ تکبر و نخوت کا وسیلہ ہے۔ نیز اس میں عورتوں سے مشابہت اپنے کپڑوں کو میل کچیل اور گندگی پر رگڑنے کے علاوہ اسراف بھی ہے۔

اور اگر یہ تکبر کے قصد سے ہو تو اس کا گناہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ جَرَّ ثوبَه خُيلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّهُ إليهِ يومَ القيامةِ »

جس نے تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو گھسیٹا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ : "تم ان سے نہیں' جو یہ کام ازراہ تکبر کرتے ہیں"۔ جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ "میرا تہبند ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ

میں اسے باندھتا رہوں" . . . تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جسے ایسی بات پیش آئے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو درپیش تھی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ تہبند کو باندھتا رہے اور اسے اسی لٹکی ہوئی حالت میں چھوڑ رکھنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

رہی کفوں کی بات' تو سنت یہ ہے کہ وہ پہنچے سے آگے نہ ہوں اور یہ وہ مقام ہے جو بازو اور ہتھیلی کو الگ کرنے والا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بعض لوگ اپنے کپڑے چھوٹے لیکن پاجامہ لمبا رکھتے ہیں۔ اس میں راہ صواب کیا ہے؟

سوال : بعض لوگ کپڑے (قمیص وغیرہ) چھوٹے رکھتے ہیں کہ وہ ٹخنے کے اوپر تک رہیں لیکن پاجامہ لمبا رہنے دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بشیر۔ع۔الخرج

جواب : کپڑا لٹکانا حرام اور ناپسندیدہ ہے خواہ یہ قمیص ہو یا تہبند ہو۔ پاجامہ ہو یا بشرٹ۔ یعنی جو ٹخنوں سے نیچے تک چلا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَا أسفلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإزارِ فهُوَ في النَّارِ »

تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا۔ وہ آگ میں ہو گا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ثَلاثةٌ لايكلِّمُهُمُ اللّهُ ولاَيَنْظُرُ إليهِمْ يومَ القيامةِ ولاَيُزَكّيهم ولَهُمْ عذابٌ أليمٌ: المُسْبِلُ إزارَه، والمنَّانُ ما أَعطَى، والمُنْفِقُ سِلْعَتَه بالْحَلِفِ الكاذِبِ »

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کو دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنا تہبند لٹکانے والا' دوسرا کسی کو کچھ دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان فروخت کرے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے فرمایا :

« إيَّاكَ والإسْبالَ فإنَّه مِنَ الْمَخِيْلَةِ »

کپڑا لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ ازراہ تکبر ہوتا ہے۔

یہ احادیث اپنے عموم اور اطلاق کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کپڑا لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اگرچہ اس کا کرنے والا یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ ازراہ تکبر ایسا نہیں کر رہا۔

اور اگر کوئی تکبر سے ایسا کرے' تو اس کا گناہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ جَرَّ ثَوبَه خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّهُ إليهِ يومَ القيامةِ »

جس نے ازراہ تکبر اپنا کپڑا گھسیٹا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔
کیونکہ اس نے کپڑا لٹکانے اور تکبر کے گناہ کو اکٹھا کر لیا۔ ہم اس سے اللہ کی عافیت کی دعا کرتے ہیں۔
رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ کو یہ کہنا' جب انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! میرا تہبند ڈھلک جاتا ہے۔ الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ فرمایا! "تم ان لوگوں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں"۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ جو تکبر کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ بلکہ یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کا تہبند یا پاجامہ ڈھلک جائے اور اس کا تکبر کا قصد نہ ہو اور اسے باندھ کر درست کر لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
مگر یہ جو بعض لوگ پاجاموں کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں۔ یہ جائز نہیں اور سنت یہ ہے کہ اپنی قمیص یا دوسرے کپڑوں کو نصف پنڈلی سے لے کر ٹخنوں تک رکھے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چمڑے کے کوٹ پہننے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے

سوال : چمڑے کے اوور کوٹ پہننے کے معاملہ میں ایک بحث کے دوران آخری اوقات میں ہمیں تیز کلامی سے سابقہ پڑ گیا۔ بعض بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ کوٹ خنزیر کے چمڑے سے بنائے جاتے ہیں . . . اور جب یہ صورت ہو تو ان کے پہننے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ دینی نقطہ نظر سے جائز ہے۔ یہ خیال رہے کہ بعض دینی کتابوں مثلاً قرضاوی کی کتاب حلال و حرام اور دین علی مذاہب اربعہ میں اس مسئلہ پر کئی اقوال بتلائے گئے ہیں۔ جن سے اس مشکل کی طرف اشارہ ہی ملتا ہے۔ کوئی بات انہوں نے وضاحت سے پیش نہیں کی۔

المرکز الثقافی الاسلامی۔ ارہوس

جواب : نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جب کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے"۔ نیز فرمایا : "مردار کی کھال رنگ دینے سے پاک ہو جاتی ہے"۔
اور علماء کا اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا یہ حدیث تمام جانداروں کی کھالوں کو عام ہے یا صرف ذبیحہ مردار کی کھالوں سے مختص ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ ذبیحہ مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ جیسے اونٹ' گائے اور بکری کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق ہر چیز میں استعمال ہو سکتی ہے . . . مگر خنزیر' کتے اور اس جیسے دوسرے جانور جنہیں ذبح کرنا حلال نہیں' ان کی کھال دباغت سے پاک ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اور محتاط روش یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے انہیں استعمال نہ کیا جائے۔

« مَنِ اتَّقَى الشُّبُهاتِ؛ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وعِرْضِهِ »

جو شخص شبہات سے بچا رہا' اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلى مَا لَا يُرِيبُكَ »

اس چیز کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔

گانا اور ساز و مضراب

موسیقی کا حکم

سوال : میں نے صحیفہ عکاظ عدد ۶۱۱۰ مورخہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ میں ایک خبر پڑھی جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک سعودی گویا تھا۔ جس نے گانا چھوڑ دیا تھا۔ ایک فضائی سفر میں جو قاہرہ اور بارلیس کے درمیان تھا۔ اس گویے کی ایک دیندار آدمی سے ملاقات ہوئی اور گانے اور اس کی مشروعیت سے متعلق باتیں ہونے لگیں اور جب وہ گویا طیارہ سے اترا تو اس دیندار آدمی نے اسے دلائل و براہین سے گانے کی مشروعیت پر مطمئن کردیا۔ وہ لوٹا اور چند گانے سنانے کھڑا ہوگیا۔ جنہیں بحث کا پہلا پھل قرار دیا جاسکتا ہے۔

کیا اسلام میں گانا مشروع ہے اور وہ بھی دلائل و براہین کے ساتھ۔ خصوصاً موجودہ دور کے عیش و عشرت کے اوقات میں جبکہ موسیقی بھی ساتھ ہوتی ہے؟

قاسم ۔م۔ جامعہ ملک سعود

جواب : گانا جمہور اہل علم کے نزدیک حرام ہے اور گانے کے ساتھ کوئی کھیل کا آلہ جیسے موسیقی' عود' رباب یا کوئی اور چیز ہو تو اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تاکہ ان سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھکاوے۔

(لقمان : ۶)

اس آیت کی تفسیر مفسرین کی اکثریت نے غنا سے کی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اس بات پر قسم اٹھاتے ہوئے کہتے تھے کہ :

« إِنَّ الغِنَا يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ »

گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی سبزہ اگاتا ہے۔

اور صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال بنالیں گے۔
اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور معازف کے معنی گانا اور آلات موسیقی ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس شخص نے غنا کی مشروعیت کا فتویٰ دیا ہے (اگر یہ نقل صحیح ہے تو) اس نے بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر بات کہی اور باطل فتویٰ دیا۔ جس کے متعلق جلد ہی قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی اور مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

گانے کا کیا حکم ہے۔ کیا وہ حرام ہے یا نہیں؟

سوال : گانے کا کیا حکم ہے' کیا وہ حرام ہے یا نہیں۔ جبکہ میں اسے صرف تسلی کے ارادہ سے سنوں۔ نیز سارنگی پر گانے اور پرانے گیت گانے کا کیا حکم ہے؟ کیا شادی کے موقع پر طبلہ پر تھاپ حرام ہے۔ جبکہ میں نے سنا ہے کہ وہ جائز ہے لیکن حقیقت میں نہیں جانتی؟

ایک مسلمان عورت

جواب : گانے کو دھیان سے سننا حرام اور منکر ہے۔ جو دلوں کے مرض اور ان کی سختی کا سبب بنتا ہے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے اور اکثر اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول :

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے۔ (لقمان : ٦) کی تفسیر غنا سے کی ہے اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ لہوالحدیث سے مراد گانا ہے اور جب گانے کے ساتھ کوئی گانے کا آلہ جیسے سارنگی' عود' کمان اور طبلہ وغیرہ بھی ہو تو اس کی حرمت سخت ہو جاتی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جب گانے کے ساتھ کوئی آلہ بھی ہو تو وہ اجماعاً حرام ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا واجب ہے اور یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درست طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الحِرَ، والْحَرِيرَ، والْخَمْرَ، والمَعَازِفَ »

میری امت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے۔

اور حر کا معنی زنا اور معازف کا معنی گانے اور آلات موسیقی ہیں۔

اور میں آپ کو اور دوسرے مردوں اور عورتوں سب کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ قرآن کی قراءت اور اللہ عزوجل کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ جیسا کہ میں آپ کو اور دوسرے لوگوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ آپ گانے اور موسیقی سننے کے بجائے قرآنی نشریات اور برنامج (پروگرام) نور سنا کریں۔ کیونکہ ان دونوں میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔

رہی شادی تو اس میں عام گانا اور دف بجانا مشروع ہے۔ ایسا گانا جس میں کسی حرام چیز کی دعوت نہ ہو نہ اس میں کسی حرام چیز کی مدح ہو اور یہ رات کے وقت عورتوں کے لیے خاص ہے کہ نکاح کے اعلان اور نکاح اور زنا میں فرق ہو سکے۔ جیسا کہ ایسی ہی سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درست طور پر ثابت ہے۔

لیکن طبلہ بجانا شادی کے موقع پر جائز نہیں۔ بلکہ خاص طور پر دف پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ اور نکاح کے اعلان کے لیے لاوڈ سپیکروں کا استعمال جائز نہیں اور مروجہ وہ گانے بھی جو لاوڈ سپیکروں پر گائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان سے عظیم فتنہ اور برے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ نیز اس کام میں طویل وقت صرف کرنا بھی جائز نہیں۔ بلکہ تھوڑے وقت پر ہی اکتفا کرنا چاہیے جس میں نکاح کا اعلان ہو جائے۔ کیونکہ اس کام میں طویل وقت صرف کرنے سے نیند پوری نہیں ہوتی اور فجر کی نماز ضائع ہو جاتی ہے اور یہ بات بڑے بڑے حرام کاموں اور منافقین کے اعمال سے ہے۔

تقریبات میں ترانے اور طبلے کا استعمال کرنے کا حکم

سوال : بعض تقریبات یا دوسرے موقعوں پر ہم ترانوں کے ساتھ طبلے بھی استعمال کرتے ہیں اور بعض راتیں اسی کام میں گزار دیتے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ ہم پر کسی آدمی نے گرفت کی۔

کیا ہمارا یہ کام ناپسندیدہ ہے . . . یعنی ہم جو ترانے گاتے اور طبلے استعمال کرتے ہیں . . . یہ خیال رہے کہ ہم جو ترانے دہراتے ہیں ان میں فحش کلام نہیں ہوتا۔ مجھے فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

سعود۔ س۔ الریاض

جواب : ہم ایسی کوئی بات نہیں جانتے جس کی رو سے طبلوں کا استعمال مباح ہو۔ بلکہ صحیح احادیث کے ظاہری معنی طبلوں کے استعمال کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے کہ موسیقی کے دوسرے آلات مثلاً عود اور کمان وغیرہ ہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الحِرَ، والْحَرِيرَ، والْخَمْرَ، والمَعَازِفَ »

میری امت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال بنا لیں گے۔

اور لفظ معازف گانوں اور تمام آلات موسیقی کو شامل ہے۔

کیا گانے اور موسیقی سننا جائز ہے؟

سوال : کیا مسلمان کے لیے گانا اور موسیقی سننا جائز ہے۔ اس دلیل سے کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیے جاتے ہیں؟

عبدالرحمن ۔ ع ۔ ا

جواب : گانے اور آلات موسیقی سننا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نماز اور اللہ تعالٰی کے ذکر سے روکتے ہیں اور اس لیے بھی کہ انہیں سننے سے دل مریض اور سخت ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالٰی کی کتاب مبین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ پر اپنے پروردگار کی طرف سے صلوۃ و سلام ہو' کی سنت اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب اللہ میں اللہ تعالٰی فرماتے ہیں :

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تاکہ بغیر علم کے اللہ کی راہ سے بھکادے۔

(لقمان : ٦)

اس آیت میں اکثر علمائے مفسرین نے اور دوسرے علماء نے بھی لھو الحدیث کی تفسیر گانے اور آلات موسیقی سے کی ہے۔

اور بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا :

« لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أقوامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الحِرَ، والْحَرِيرَ، والْخَمْرَ، والمَعَازِفَ »

میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے۔

حر کا معنی حرام شرمگاہ ہے اور حریر (ریشم) معروف ہے جو مردوں پر حرام ہے اور خمر (شراب) معروف ہے اور خمر ہر وہ چیز ہے جو نشہ آور ہو اور یہ تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے . . . اور نشہ آور چیزوں کا استعمال کبیرہ گناہ ہے . . . اور معازف گانے اور گانے کے آلات کو شامل ہے۔ جیسے موسیقی اور کمان' عود اور رباب اور ایسے ہی دوسرے گانے بجانے کے آلات۔

اس باب میں مذکورہ آیت و حدیث کے علاوہ اور بھی آیات و احادیث ہیں۔ جن کا ذکر علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب إغَاثَةُ اللَّهفَانِ في مَكَائِدِ الشَّيطَانِ . میں کیا ہے۔

ہم تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالٰی سے ہدایت' توفیق اور اس کے غضب کے اسباب سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

ریڈیو وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے؟

سوال : ریڈیو وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے۔ جبکہ اس میں جو کچھ سنایا جاتا ہے' اس میں کوئی حرام بات نہ ہو۔

علی ۔ ع ۔ ا ۔ ا لقصیم

جواب : ریڈیو میں قرآن سے' مفید باتوں سے یا اہم خبروں سے متعلق جو کچھ نشر کیا جاتا ہے' اسے سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے متواتر پروگرام یا مفید باتوں اور نصیحتوں اور ایسے ہی دوسرے پروگرام سننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ بہ تکلف نشریات قرآن اور برنامج نور متواتر سنا کریں کیونکہ ان میں بڑے فوائد ہیں۔

ایسے مفید پروگرام سننے کا کیا حکم ہے' جن میں موسیقی نہ ہو؟

سوال : بعض مفید پروگرام سننے کا کیا حکم ہے۔ مثلاً اخباروں کے تبصرے یا خبریں وغیرہ جبکہ ان کے ساتھ موسیقی نہ ہو؟

ل ۔ ع ۔ م ۔ الریاض

جواب : ایسا پروگرام سننے اور اس سے مستفید ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس کی ابتدا موسیقی سے نہ ہو تاآنکہ وہ ختم ہو جائے کیونکہ موسیقی بھی آلات لہو سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے چھوڑنے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کیا تقریبات یا محفلوں میں تالی بجانا جائز ہے؟

سوال : کیا تقریبات اور محفلوں میں تالی بجانا جائز ہے یا مکروہ ہے؟

مقبل ۔ ع ۔ حائل

جواب : محفلوں میں تالی بجانا جاہلیت کے اعمال سے ہے اور اس کے متعلق جو کم از کم کہا جاسکتا ہے وہ اس کا مکروہ ہونا ہے جبکہ دلیل سے حرام ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو کافروں کی مشابہت کرنے سے روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے کافروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَتَصْدِيَةً﴾

اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ (الانفال : ۳۵)

علماء کہتے ہیں کہ مکاء سے مراد سیٹی بجانا اور تصدیہ سے مراد تالی بجانا ہے اور مومن کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ کوئی بات دیکھے یا سنے جو اسے اچھی لگے یا ناپسندیدہ ہو تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے۔ جیسا کہ بہت سی

احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے۔ تالی بجانا تو بالخصوص عورتوں کے لیے مشروع ہے۔ جب وہ نماز میں پیچھے کھڑی ہوں اور مرد بھی ہوں۔ اور نماز میں امام بھول جائے تو تالی بجا کر تنبیہہ کرنا ان کے لیے مشروع ہے۔ مگر مرد سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کریں گے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنت ثابت ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

محرمات (حرام کام)

عادت سریہ کا کیا حکم ہے؟

سوال : عادت سریہ کا کیا حکم ہے؟

صالح ۔ ع ۔ ق ۔ الیمن

جواب : عادت سریہ یعنی مشت زنی حرام ہے اور ہر مسلمان پر اس سے بچنا واجب ہے کیونکہ یہ فعل اللہ عزوجل کے درج ذیل قول کے مخالف ہے :

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبۡتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡعَادُونَ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا کسی اور چیز کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

اور اس لیے بھی کہ اس میں اور بھی بہت سے نقصان ہیں اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایسا طریقہ بتلایئے کہ مجھ سے عادت سریہ چھوٹ جائے ؟

سوال : میں عادت سریہ میں مبتلا ہوں۔ جبکہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ حرام ہے۔ اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن پھر بھی کبھی کبھی کر لیتا ہوں۔ ایسے طریقہ کی طرف میری رہنمائی فرمایئے جس سے یہ عادت چھوٹ جائے۔؟

خ ۔ ن ۔ ع ۔ الریاض

جواب : عادت سریہ یعنی مشت زنی حرام ہے اور ماہر اطباء اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں جو انجام کار صحت کو برباد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں' ان میں انہیں کوئی ملامت نہیں اور جو لوگ ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔(المومنون: ۵- ۶-۷)

اور یہ عادت اس وصف کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بیان فرمائی ہے۔ گویا یہ اپنے آپ پر بھی ظلم و زیادتی کا کام ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑنا اور اس سے بچنا واجب ہے اور اسی بات پر عمل کرنا چاہیے۔ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد رہنے والوں کے لئے مشروع کیا کہ وہ روزے رکھیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«يَا مَعْشَرَ الشَّبابِ! مَنِ اسْتَطاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ؛ فإنَّه أغضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بالصَّوْمِ؛ فإنَّه له وِجَاءٌ»

اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو بیوی کرنے کی طاقت رکھتا ہو' وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو بدفعلی سے بچانے میں مددگار ہے اور جو شادی نہ کرسکتا ہو وہ روزہ رکھے۔ روزہ اسے خصی کردیتا (شہوت توڑ دیتا) ہے۔

انشاء اللہ اس علاج نبوی سے یہ گندی اور حرام عادت چھوٹ جائے گی اور جو شخص روزے کی یا اس خبیث عادت کو چھوڑنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ علاج میں رہنمائی کے لیے کسی طبیب سے رابطہ کرے تو بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«ما أنزل الله داء إلاّ أنزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله»

اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی شفا نازل نہ کی ہو۔ جس نے اسے جان لیا سو جان لیا اور جس نے نہ جانا وہ جاہل رہا۔

نیز فرمایا :

« عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوا، ولاتَدَاووا بِحَرَامٍ »

اے اللہ کے بندو! علاج کیا کرو مگر حرام چیز سے علاج نہ کرو۔

ہم اپنے لیے' آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر برائی سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

عادت سریہ بہت بری عادت ہے

سوال : میں اٹھارہ سال کا نوجوان ہوں اور تین سال کا عرصہ ہوا جب میں نے مشت زنی شروع کی تھی۔ میں کبھی تو اس میں نفس کے لیے راحت محسوس کرتا ہوں اور بسا اوقات مجھے ضمیر ملامت کرتا ہے اور میں شرم محسوس کرتا ہوں اور کبھی میں یہ کام کرنے کے بعد غسل کر لیتا ہوں اور کبھی نہیں کرتا۔ خصوصاً جبکہ سردی کا موسم ہو اور سردی شدید ہو۔ میں یہ نہیں جانتا کہ کتنی نمازیں میں نے غسل کے بغیر پڑھی ہیں۔ اور ۱۴۰۲ھ رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت بھی یہ کام کرتا رہا جبکہ میں روزہ سے ہوتا تھا۔ کیا اس بات کا میری نماز' روزے پر اثر پڑے گا؟ اور کیا منی پاک ہوتی ہے؟ میں نے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ :

« أَنَّ رَسُولَ اللَّه -صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ- كانَ قائماً يُصَلِّي الْفَجْرَ، وكانتْ عائشةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَفْرِكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَـوْبِهِ »

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں۔

مجھے جواب سے مستفید فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

م-ع

جواب : عادت سریہ یعنی مشت زنی بہت بری عادات میں سے ہے۔ اور اہل علم بالصراحت اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں :

﴿وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہیں ان میں انہیں کچھ ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵ - ۷)

اور جو شخص اس عادت کو اپنائے رکھے اسے بہت سے نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور ایسا کام دوبارہ کرنے سے اجتناب کریں۔ اس عادت بد میں مبتلا رہنے کے دوران آپ پر رمضان کے روزوں کی بھی قضا واجب ہے اور تمام نمازوں کی بھی جو آپ نے بحالت جنابت نہائے بغیر ادا کی ہیں اور آپ کو ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو تو ظن غالب کے مطابق عمل کیجئے۔

رہا منی کے پاک ہونے کا مسئلہ' تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق پاک ہے اور جس

کپڑے کو لگ جائے اس کو دھونا مستحب ہے۔ یا پھر کھرچ دے۔ حتی کہ اس کا نشان زائل ہو جائے۔ تاہم دھونا افضل ہے۔

اگر کوئی نوجوان مشت زنی میں مبتلا ہو جائے تو اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم آپ سے شافی جواب کی توقع رکھتے ہیں

سوال : مشت زنی کے متعلق شیخ قرضاوی کہتے ہیں اور وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ منی کو جسم کے دوسرے فضلوں کی طرح ایک فضلہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے فصد کی طرح اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن حزم کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ (محلی) کے ص ۲۴۶ پر اسی مکتب فکر کی تائید کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام احمد اسے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی کیا دلیل ہے؟ پھر ایسی معیبت ہے جس کا ہم اللہ کے ہاں شکوہ کرتے ہیں کہ نوجوان جب اس کام میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روزوں کو بھول جاتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ ایسے ہی نوجوانوں میں سے کسی نے ہمیں یہ بتلایا کہ ایسے نوجوان کپڑے یا روئی سے کسی بے ریش لڑکے یا کسی نوجوان لڑکی کی شرمگاہ یا دبر کی سی شکل بنا لیتے ہیں۔ پھر اس شکل میں یہ نوجوان اپنا ذکر داخل کر کے وطی کرتا ہے . . . وغیرہ۔

خالد۔ ا۔ ع۔ شیبہ الدوحہ

جواب : اہل علم کے اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق مشت زنی حرام ہے اور علماء کی اکثریت کا قول یہی ہے کیونکہ اللہ تعالی کے درج ذیل قول میں عموم ہے :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں، ان کو کچھ ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

گویا اللہ تعالی نے اس شخص کی ثناء کی جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنی خواہش کو اپنی بیوی یا کنیز کے علاوہ کسی بھی اور طریقہ سے پورا نہ کیا اور جو شخص ان صورتوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں اپنی خواہش پوری کرتا ہے اس کے متعلق "زیادتی کرنے والا" کا فیصلہ دیا۔ جو اس چیز سے آگے نکل جاتا ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے حلال کیا ہے۔ اس آیت کے عموم میں مشت زنی بھی داخل ہے۔ جیسا کہ اس پر حافظ ابن کثیر وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔ علاوہ ازیں اس عادت کے نقصانات بہت ہیں اور نتائج بہت خراب نکلتے ہیں۔ قویٰ مضمحل اور اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں۔ جبکہ شریعت اسلامیہ ہر اس کام سے منع کرتی ہے جس سے اس کے

دین' بدن' مال اور آبرو کو نقصان پہنچتا ہو۔

موفق ابن قدامہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغنی" میں لکھتے ہیں : "اگر اپنے ہاتھ سے مشت زنی کرے تو اس نے حرام کام کیا۔ لیکن جب تک انزال نہ ہو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ بوسہ کے معنی میں ہے" اور بوسہ کے معنی سے ان کی مراد یہ ہے کہ انزال اس کے سبب سے ہو اور اگر بوسہ بغیر انزال کے ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموعہ فتاویٰ ج ۳۴ صفحہ ۲۲۹ پر کہتے ہیں : "رہا مشت زنی کا مسئلہ تو وہ جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ اور حنبلی مذہب کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے۔ اس قول کے مطابق ایسا کام کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکروہ ہے' حرام نہیں۔ جبکہ اکثر علماء اسے گناہ کے خوف یا کسی دوسری وجہ سے مباح نہیں سمجھتے۔

علامہ محمد الامین الشنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر اضواء البیان ج ۵ ص ۷۶۹ پر یوں رقمطراز ہیں :

"تیسرا مسئلہ : جان لیجئے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴾

ایمان لانے والے مراد کو پہنچ گئے۔ (المومنون : ۱)

﴿ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ﴾

اور جو لوگ ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۷)

آیت کا عموم مشت زنی کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے جو جلد عمیرۃ کے نام سے معروف ہے اور اسے خضخضہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص نے اپنے ہاتھ سے لذت حاصل کی حتیٰ کہ اس طرح اس کی منی نکل آئی تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لئے حلال کیا تھا' اس نے اس کے علاوہ اور راہ طلب کی۔ لہٰذا وہ مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے زیادتی کرنے والوں سے ہے اور یہی سائل کے سوال کی صورت ہے۔ ابن کثیر نے یہ بھی ذکر کیا ہے : امام شافعی اور ان کے متبعین نے اسی آیت سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

اور قرطبی کہتے ہیں کہ محمد بن الحکم نے کہا : میں نے حرملہ بن عبدالعزیز سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالک سے مشت زنی کرنے والے شخص کے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہی آیت پڑھی :

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝ إلى قوله ٱلْعَادُونَ ﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں---- تا آنکہ فرمایا وہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۷)

اللہ تعالیٰ نے یہ قید قبول کر لینے والے کے متعلق فرمایا کہ! اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف کرے گا اور بخش

دے گا۔ اس بات سے مجھ پر واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے اہل علم امام مالک اور امام شافعی وغیرہ نے جو جلد عمیرہ کی ممانعت پر استدلال کیا ہے تو وہ یہی مشت زنی ہے۔ جس کا کتاب اللہ سے استدلال صحیح ہے۔ جس پر قرآن کا ظاہر دلالت کرتا ہے اور کتاب اللہ میں یا سنت میں ایسی کوئی چیز وارد نہیں جو اس سے معارض ہو اور امام احمد کے علم ' ان کی جلالت شان اور ورع کے باوجود ان سے جو کچھ مشت زنی کی اباحت سے متعلق مروی ہے تو وہ محض اسے قیاس پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ : وہ بدن سے ایسے فضلہ کا اخراج ہے۔ جسے نکال دینے کا ضرورت مطالبہ کرتی ہے۔ گویا انہوں نے اسے فصد اور پچھنے لگوانے پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے :

إذَا حَلَلْتَ بِوَادٍ لَا أنيسَ به　　　فَاجْلِدْ عميرةَ لاعارَ ولاحَرَجَ

اگر تو کسی ایسے مقام پر ڈیرا کرے جہاں کوئی انیس (عورت وغیرہ) نہ ہو تو مشت زنی کر لے۔ اس میں نہ کوئی شرم کی بات ہے اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

تو یہ بات راہ صواب کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس کا کہنے والا کسی بھی معروف مقام پر ہو۔ کیونکہ یہ ایسا قیاس ہے جو قرآن کے ظاہر عموم کے خلاف ہے اور ایسا قیاس مردود ہے ' جسے قیاس فاسد کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کتاب میں کئی بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور اس بارے میں صاحب مراقی سعود کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے :

والخُلفُ للنَّصِّ أو إجْماعٍ دَعَا　　　فسادُ الِاعتبارِ كل مَنْ وعَى

اور ایسا قیاس جو نص یا اجماع کے خلاف ہو ' وہ فاسد سمجھا جائے گا ہر عالم کی یہی پکار ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارشاد فرمایا :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

تو دو قسم کے لوگوں کے سوا کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا اور وہ دو قسمیں اس آیت میں مذکور ہیں :

﴿ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ ﴾

مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں۔

اور یہ صراحت کر دی کہ صرف اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیز سے اگر اپنی شرمگاہ کی حفاظت نہ بھی کریں تو ان پر ملامت نہیں کی جا سکتی۔ پھر اس کے بعد ایسا عام صیغہ استعمال فرمایا جو ان دو مذکورہ قسموں کے سوا ہر قسم کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے :

﴿ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ﴾

اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں ' وہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عموم اپنے ظاہر کے لحاظ سے مشت زنی کو شامل ہے اور قرآن کے ظاہر عموم سے اس وقت تک عدول نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جسے اس طرف پھیرنا واجب ہو۔ رہا اس کے مخالف قیاس تو اسے فاسد سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور ابوالفضل عبداللہ بن صدیق الحسنی ادریسی نے اپنی کتاب **"الاستقصاء لادلة تحريم الاستمناء او العادة السرية من الناحيتين الدينية والصحية"** میں یوں وضاحت کرتے ہیں :

پہلا باب : "مشت زنی کی حرمت اور اس کی دلیل"۔ مالکی، شافعی، احناف اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مشت زنی حرام ہے اور یہی وہ صحیح مذہب ہے جس کے علاوہ کوئی قول جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے درج ذیل دلائل سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

☆ پہلی دلیل :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں ان کے معاملے میں انہیں کوئی ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کردہ) حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

اس آیت کریمہ سے وجہ دلالت ظاہر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔ پھر بتلایا کہ اگر وہ بیویوں یا کنیزوں سے شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں تو اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ ملامت۔ کیونکہ وہ شرمگاہ کی حفاظت کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یعنی جو شخص طلب کرے یعنی مذکورہ بیویوں اور کنیزوں کے سوا کوئی اور بات

یعنی وہ ظالم ہیں جو حلال کی حد سے گزر کر حرام تک جا پہنچتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے نکل جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی رو سے ظالم ہے :

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾

اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل جائے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ (البقرة ۔ ۲۲۹)

گویا یہ آیت بیویوں اور کنیزوں کی دو قسموں کے سوا ہر قسم کی حرمت کے لئے عام ہے اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ مشت زنی ان دو قسموں کے علاوہ ہے۔ لہٰذا یہ حرام ہوئی اور اسے چاہنے والا قرآنی نص کی رو سے ظالم ہے۔

پھر مولف کتاب دوسرے دلائل کا ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا :

☆ چھٹی دلیل :

علم طب میں یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ مشت زنی کئی امراض کا سبب بنتی ہے۔ ان میں سے ایک ضعف بصارت ہے۔ یعنی معمول کے مطابق جتنے فاصلہ پر آنکھ دیکھ سکتی ہے اس سے نگاہ بہت کم رہ جاتی ہے۔ دوسری بیماری عضو تناسل کی کمزوری ہے۔ اس میں ڈھیلا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ خواہ یہ جزوی طور پر ہو یا کلیتہ ہو۔ اور مشت زن عورتوں کی طرح (یعنی نامرد) ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس میں وہ اہم مردمی امتیازات ناپید ہوجاتے ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ وہ شادی کے قابل نہیں رہتا اور اگر بالفرض شادی کر بھی لے تو کماحقہ' وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بیوی دوسروں کو اس بات پر مطلع کردیتی ہے کیونکہ وہ اپنی پاک دامنی کی قدرت نہیں رکھ سکتی اور اس میں جو مقاصد ہیں' وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کے عام اعصاب میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے جو اس فعل کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے اور ایک یہ کہ اس کے معدہ میں اضطراب پیدا ہوجاتا ہے جو معدہ کے عمل کو کمزور اور نظام ہضم کو خراب کردیتا ہے اور ایک یہ کہ اس کے اعضاء کی بالیدگی رک جاتی ہے۔ بالخصوص آلہ تناسل اور خصیتین کی کہ وہ اپنی بالیدگی کی حد کو نہیں پہنچ پاتے اور ایک یہ کہ خصیتین میں مادہ منویہ میں سوزش پیدا ہوجاتی ہے اور ایسے شخص کو بہت جلد انزال ہونے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ذکر کے محض کسی چیز سے چھونے یا رگڑ کھانے سے بھی اسے انزال ہوجاتا ہے۔

اور ایک یہ کہ اس کی کمر کے مہروں میں درد ہونے لگتا ہے کیونکہ یہی وہ صلب ہے جس سے منی کا اخراج ہوتا ہے۔ جس سے کمر میں خمیدگی اور ٹیڑھ پیدا ہوجاتی ہے۔

اور ایک یہ کہ مشت زن کا پانی تحلیل ہونے لگتا ہے۔ اس کے مادہ منویہ میں سختی اور گاڑھا پن نہیں رہتا۔ جیسا کہ عام حالات میں ایک آدمی کی منی ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی منی پتلی اور منی کے کیڑوں سے خالی ہوتی ہے اور بسا اوقات اس میں کمزور سے کیڑے رہ جاتے ہیں جو حمل ٹھہرانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر ان سے حمل ٹھہر بھی جائے تو ان سے کمزور جنس پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مشت زنی کی اولاد ان لوگوں کی نسبت کمزور اور پیدائشی مریض ہوتی ہے جن کی اولاد طبعی منی سے پیدا ہوئی ہو۔

اور ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اعضاء میں رعشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے دونوں پاؤں میں۔

اور ایک یہ کہ مغز والی غدود میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے قوت مدرکہ کمزور پڑ جاتی ہے اور ایسا شخص ذہین ہونے کے باوجود قلیل الفہم ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انہی مغز والی غدود کے مغز سے خالی ہونے کی وجہ سے عقل میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

ان تصریحات سے سائل پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مشت زنی کے حرام ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کے دلائل اور نقصانات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

اور جو شخص روئی وغیرہ سے فرج کی شکل بنا کر اس سے ایسا کام کرے' اس کا معاملہ بھی مشت زنی سے ہی جاملتا ہے۔ واللہ اعلم

سگریٹ پینے' اس کی بیع اور اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

سوال : سگریٹ پینے کا کیا حکم ہے اور آیا وہ حرام ہے یا مکروہ' نیز اس کی بیع اور اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

ع۔ح۔ع۔ح

جواب : سگریٹ نوشی حرام ہے۔ کیونکہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں ہی ان پر مباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتُ ﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے لئے حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ (المائدہ : ۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَـٰٓئِثَ ﴾

وہ (پیغمبر) لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیتا اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔ (الاعراف : ۱۵۷)

اور تمباکو نوشی اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں سے ہے۔ اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں۔ تمباکو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع جائز اور نہ ہی اس کی تجارت جائز ہے۔ جیسا کہ شراب کی صورت ہے۔ لہٰذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے یا اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع اور توبہ کرنا' گزشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہیے اور جو

شخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے :

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اور اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

نیز فرمایا :

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر سیدھی راہ چلے تو میں اسے بخشنے والا ہوں۔
(طٰہٰ : ۸۲)

بعض لوگ فوت ہو جانے والے کے ترکہ سے ولیمے رچاتے (سوئم وغیرہ جیسی دعوتوں کا اہتمام کرتے) ہیں' اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کی موت پر ولیمے مجلس عزا وغیرہ رچاتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں اور ان کی قیمت متوفی کے مال سے خرچ کی جاتی ہے' اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر میت خود اپنے بعد ایسے ولیموں کی وصیت کر جائے تو کیا شرعاً ورثا پر لازم ہے کہ اس کی وصیت پر عمل در آمد کریں۔

محمد۔ع۔ا

جواب : موت کے بعد ولیمے رچانے کی وصیت کرنا' بدعت اور جاہلیت کے اعمال سے ہے۔ اسی طرح اگر اس کی وصیت کے بغیر میت کے گھر والے ولیمے کریں تو بھی مکروہ کام ہے' جو جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ جریر بن عبداللہ بن بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا :

« كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِماعَ إلى أهْلِ الْمَيِّتِ وصُنْعَةِ الطَّعَامِ بعدَ الدَّفْنِ مِنَ النِّيَاحَةِ »

ہم میت والوں کے ہاں اکٹھا ہونے اور دفن کے بعد کھانا پکانے کو نوحہ گری میں ہی شمار کرتے تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اسناد حسن سے نکالا۔

اور یہ اس لئے بھی ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میت والوں کے لئے دوسروں پر کھانا پکانا مشروع کیا ہے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جعفر بن ابی طالب کے غزوہ موتہ میں شہید ہو جانے کی خبر پہنچی تو آپ نے ان کی برادری کے لوگوں سے کہا :

« اصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طعاماًفقدْ أتاهُم مَا يُشْغِلُهُمْ »

جعفر کے اہل خانہ کے لئے کھانا پکاؤ۔ کیونکہ انہیں ایسی مصیبت آئی ہے جو انہیں مشغول رکھے ہوئے ہے۔

ہم تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور جو ہم میں سے جیت جائے' اسے دو سو ریال ملتے ہیں۔ کیا یہ حرام ہے؟

سوال : ہم اکثر امیر لوگوں سے تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور جو ہم میں سے جیت جائے' اسے دو سو ریال دیتے ہیں۔ کیا یہ حرام اور جوئے کی قسم ہے؟

مطلق۔ع۔ا

جواب : جس طرح یہ کھیل ذکر کیا گیا ہے' اس صورت میں یہ حرام اور جوا ہے اور جوا وہ مال ہے جو آسانی سے ہاتھ لگ جائے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہوا ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴾

اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور پانسے کے تیر سب شیطانی اعمال ہیں۔ لہٰذا ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان نفرت اور عداوت ڈال دے او تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم (ان باتوں سے) باز آتے ہو؟ (المائدہ : ۹۰ – ۹۱)

لہٰذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ اس کھیل اور اس کے علاوہ جوئے کی دوسری انواع سے بچے . . . تا کہ اس کھیل پر مرتب ہونے والی بے شمار برائیوں سے' جن کا ذکر ان دو آیتوں میں ہوا ہے' سلامتی اور عافیت میں رہے اور کامیابی کے ساتھ مراد کو پہنچے۔

جھوٹے اشتہارات جنہیں بعض لوگ رواج دیتے ہیں

سوال : ہمیں ریاض کے مدرسہ ثانویہ ثالثہ کی استانی سے ایک رسالہ ملا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان اشتہاروں کو بعض مدارس میں تقسیم کیا جائے۔ اس اشتہار میں یہ کچھ درج تھا :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعۡبُدۡ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴾

اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (زمر : ۶۶)

﴿ فَالَّذِينَ ءَامَنُوا بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی۔ وہی مراد پانے والے ہیں۔ (اعراف : ۱۵۷)

﴿ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔ (یونس : ۶۴)

﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَآءُ ﴾

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات سے دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابراہیم : ۲۷)

آپ ان آیات کو پہنچانے کے لئے کھڑے ہو جائیے تا کہ آپ بھلائی' نیک بختی اور کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ لہٰذا اسے تمام دنیا میں تقسیم کرنے کے لئے نو بار اٹھئے۔ اللہ کے حکم سے چار دن بعد ہی کامیابی اور بھلائی آپ کے قدم چومے گی۔ یہ کام کوئی کھیل تماشا نہیں' نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ان آیات کریمہ کی ہنسی اڑائی گئی ہے اور آپ جلد ہی چار دنوں کے اندر اندر ایسی بات دیکھ لیں گے . . . لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ اس چٹھی کو نقل کر کے آگے چلائیں۔ یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ کسی کام کرنے والے آدمی کو یہ چٹھی ملی تو اس نے اسے فوراً تقسیم کر دیا۔ پھر اسے جلد ہی اس کامیابی کی خبر مل گئی اور تجارتی سودے سے اسے جو منافع متوقع تھا اس سے سات ہزار دینار زیادہ منافع ہوا اور ایک طبیب کو یہ چٹھی ملی اور اس نے اس میں غفلت کی تو وہ ایک بس کے حادثہ میں اوندھے منہ جا گرا۔ جس سے اس کا پورے کا پورا چہرہ بگڑ گیا اور باقی جسم ناکارہ ہو گیا۔ جس کی خبر سب لوگ دیتے ہیں اور یہ اس لئے ہوا کہ اس نے اس چٹھی کو تقسیم کرنے میں غفلت کی تھی اور ایک ٹھیکیدار کو اچانک ایک عطیہ مل جانے کی خبر ملی تھی۔ لیکن اس نے اسے تقسیم کرنے میں غفلت کی تو اس کا بڑا بیٹا ساتھ والے عربی ملک میں بس کے حادثہ کا شکار ہو گیا . . . اسی لئے وہ ۲۵ نسخے بھیجنے کی توقع رکھتا ہے اور آپ کو خوشخبری ہو کہ وہ چوتھے دن آپ کو مل جائیں گے . . . اور آپ اس میں ہرگز غفلت نہ کرنا تو جو شخص اس کا التزام کرتا ہے' اسے ہزاروں کا فائدہ ہوتا ہے مگر جو شخص غفلت کرتا ہے' اس کی زندگی اور اس کے اموال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے . . . اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس چٹھی کی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جواب : یہ اشتہار اور اس کے لکھنے والے گمان باطل کے مطابق اس پر مرتب ہونے والے فوائد' اور جو شخص اس سے غفلت برتے اس پر مرتب ہونے والے خطرات سب کچھ جھوٹ ہے۔ جس کے درست ہونے کی کوئی بنیاد نہیں۔ بلکہ یہ کذاب اور دین سے کھیلنے والوں کی بکواس ہیں۔ انہیں نہ اپنے علاقہ میں تقسیم کرنا جائز ہے اور نہ کہیں باہر . . . بلکہ یہ ایک برا کام ہے جسے کرنے والا گنہگار ہے اور وہ دنیا میں سزا کا مستحق ہے اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ یہ بہت بڑی برائی ہے جس کا انجام پر خطر ہے اور اس انداز میں یہ اشتہار ایک مکروہ بدعت ہے۔ جس میں اللہ سبحانہ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي ٱلْكَذِبَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ وَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰذِبُونَ ﴾

جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

(النحل : ۱۰۵)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ منه ؛ فهُوَ رَدٌّ»(متفق عليه) .

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہ تھی' وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عليه أَمْرُنا ؛ فهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر (شریعت) نہیں۔ وہ مردود ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ جن کے ہاتھ اس قسم کا اشتہار لگے وہ اسے پھاڑ دیں اور اسے ضائع کریں اور مسلمانوں کو ڈرائیں کہ ہم نے خود اس میں غفلت کی اور دوسرے اہل ایمان نے بھی کی لیکن ہم نے تو خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا (اور ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑا) اسی طرح کا ایک اشتہار ہے' جسے یہ لوگ حجرہ نبوی کے خادم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی طرح کا ایک اور اشتہار ہے' جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ مگر اس کی ابتدا اللہ سبحانہ کے اس قول :

﴿ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعْبُدْ وَكُن مِّنَ ٱلشَّـٰكِرِينَ ﴾

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الزمر : ۶۶) —— کے بجائے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوئی ہے :

﴿ قُلْ هُوَ ٱلرَّحْمَـٰنُ ءَامَنَّا بِهِۦ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ﴾

آپ کہہ دیجئے وہی رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر توکل کیا۔

ایسے تمام اشتہارات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ جن کی صحت کی کوئی بنیاد نہیں' نہ ہی ان پر خیر و شر مرتب

ہوتے ہیں۔ البتہ جس نے جھوٹ باندھا وہ ضرور گنہگار ہے اور جو شخص انہیں تقسیم کرے یا اس بات کی دعوت دے یا اسے لوگوں میں رائج کرے' سب گنہگار ہیں۔ کیونکہ یہ سب کام گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون کے' نیز بدعت کو رائج کرنے اور اس کو قبول کرنے کی طرف رغبت دلانے کے باب سے ہیں۔

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اللہ سے ہر برائی سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں اور جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے اس کے مقابلہ میں اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور اس جھوٹ کو رواج دیا اور لوگوں کو ایسے کام پر لگا دیا جو انہیں نقصان ہی دے سکتا ہے' فائدہ نہیں دے سکتا' اس سے ایسا معاملہ کرے' جس کا وہ مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کے لئے دعا گو ہیں . . . جس پر تنبیہہ پہلے گزر چکی ہے۔

کیا مسلمانوں کے لئے میلاد النبی کی محفل منعقد کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائش کے دن کی مناسبت سے مسجد میں جلسہ کریں۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا تذکرہ ہو۔ مگر دن کو عید کی طرح چھٹی نہ منائیں؟ ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے' کچھ دوسرے کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ نہیں؟

عبدالرحمٰن۔م۔ع۔الریاض

جواب : ۱۲ ربیع الاول کو اور نہ ہی کسی اور دن مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کی بنا پر جلسے وغیرہ کرنا چاہئیں۔ اسی طرح انہیں کسی دوسرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا بھی یوم پیدائش نہیں منانا چاہیے۔ کیونکہ یوم پیدائش منانا دین میں نئی بدعت ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنا یوم پیدائش نہیں منایا۔ حالانکہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے پاک پروردگار کے طریقوں پر چلانے والے تھے اور نہ ہی اس کا حکم دیا۔ پھر نہ تو خلفائے راشدین نے یہ دن منایا اور نہ ہی کسی بھی دوسرے صحابی یا تابعی نے۔ حالانکہ وہی دور خیر القرون تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ منه ؛ فَهُوَ رَدٌّ(متفق عليه) .

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی' جو اس سے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم کی روایت جسے بخاری نے تعلیقا بیان کیا ہے' کے الفاظ یہ ہیں :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عليه أَمْرُنا ؛ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں' وہ مردود ہے۔

اور یوم پیدائش نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں منایا۔ بلکہ یہ ان بدعتوں سے ہے جنہیں پچھلے ادوار کے لوگوں نے اپنے دین میں اختراع کر لیا تھا۔ لہٰذا یہ مردود ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں یوں فرمایا کرتے تھے أَمَّا بَعْدُ :

«فإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كتابُ اللّهِ، وخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلّى اللّهُ عليه وسلَّمَ، وشَرُّ الأمُورِ مُحْدَثَاتُها، وكُلُّ بدعةٍ ضلالةٌ»

بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے زیادہ برے کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور نسائی نے اسے جید اسناد کے ساتھ نکالا اور یہ الفاظ زیادہ کیے :

«وكُلُّ ضلالةٍ في النَّارِ»

اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔

آپ کا یوم پیدائش منانے کی اس لحاظ سے بھی ضرورت نہیں رہتی کہ آپ کی پیدائش سے متعلق خبریں ان درسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ہوتے ہیں۔ نیز مساجد میں اور مدارس میں آپ کے عہد کے دور جاہلیت اور دور اسلام میں آپ کی حیات مبارکہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ لہٰذا ایسی بدعی محفلوں کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں کیا' نہ ہی اس پر کوئی شرعی دلیل قائم ہے . . . اور مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے مطلوب ہے۔ ہم اللہ سے تمام مسلمانوں کے لئے ہدایت' سنت پر اکتفا اور بدعت سے بچنے کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

کیا اخبارات کو دسترخوان کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا اخبارات سے کھانے کے دسترخوان کا کام لینا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہ ہو تو پھر انہیں پڑھنے کے بعد کیا کرنا چاہیے؟

ولاء۔ف

جواب : جن اخبارات و جرائد میں قرآنی آیات یا اللہ عزوجل کا ذکر ہو انہیں نہ تو کھانے کے دسترخوان کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے نہ چیزیں رکھنے کے لئے ان کے لفافے بنانا جائز ہے اور نہ ہی کسی ایسے مصرف میں لانا جائز ہے جس سے توہین ہوتی ہو۔ ایسی صورت میں یا تو ان اخبارات و جرائد کو کسی مناسب جگہ پر محفوظ کر دینا چاہیے یا جلا دینا چاہیے اور یا انہیں پاک زمین میں دفن کر دینا چاہیے۔

کیا یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ر-م-ح

جواب : کسی مسلم مرد یا عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرے۔ یعنی ایسی تصویریں جو انسانوں یا کسی بھی دوسرے جاندار کی ہوں بلکہ انہیں تلف کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : "جو تصویر بھی دیکھو اسے مٹا دو اور جو بھی بلند قبر دیکھو اسے برابر کر دو"۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے گھر میں تصویریں رکھنے سے منع فرمایا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو اس کی دیواروں پر تصویریں دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اور پانی منگوایا پھر انہیں مٹا دیا۔

البتہ جمادات یعنی بے جان چیزوں کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے پہاڑ' درخت اور اسی قسم کی دوسری تصویروں میں۔

شبہات کا ازالہ

کسی عالم نے عورتوں کے لئے سونے کا گولائی دار زیور پہننے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

سوال : ہمارے ہاں بعض عورتیں علامہ محمد ناصرالدین البانی محدث شامی کے اس فتویٰ سے شک وشبہ میں پڑ گئی ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب آداب الزفاف (شب عروسی کے آداب) میں گولائی دار سونا پہننے کی حرمت کے متعلق دیا ہے۔ یہاں کئی عورتیں واقعتہ ایسا زیور پہننے سے رک گئی ہیں اور جو عورتیں زیور پہنے ہوئی تھیں' انہوں نے ان کو گمراہ اور گمراہ کرنے والی کہا ہے۔ آپ کی اس حکم کے بارے میں کیا رائے ہے۔ خصوصا گولائی دار سونے کے زیور کے بارے میں۔ ہمیں آپ کے فتویٰ اور دلیل کی فوری ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ یہاں یہ معاملہ بہت بڑھ چلا ہے . . . اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے اور آپ کے علم میں وسعت پیدا کرے۔

خالد-ا-ع- شیبہ الدوحہ

جواب : عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے خواہ وہ گولائی والا ہو یا گولائی والا نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں عموم ہے :

﴿ أَوَمَن يُنَشَّؤُا فِي ٱلْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي ٱلْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴾

کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات کی وضاحت نہ کر سکے (الزخرف : ۱۸)۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ زیور پہننا عورتوں کی صفات سے ہے اور یہ زیور عام ہے خواہ سونے کا ہو یا کسی دوسری چیز کا۔

اور اس لئے بھی (جائز ہے) کہ احمد' ابوداؤد اور نسائی نے سند جید کے ساتھ امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا' پھر فرمایا : "یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں" اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں «حِلٌّ لإناثِهِم» (عورتوں کے لئے حلال ہیں)۔

نیز درج ذیل حدیث کو احمد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اور حاکم نے اسے نکالا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز طبرانی نے نکالا اور اسے ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ کہ ابو موسیٰ اشعری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أُحِلَّ الذَّهَبُ والحريرُ للإنَاثِ مِنْ أُمَّتِي، وحُرِّمَ على ذُكُورِها»

سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں اور مردوں پر حرام ہیں۔

اس حدیث کو سعید بن ابی ہند اور ابی موسیٰ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے معلل کہا گیا ہے اور اس پر ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے اطمینان ہو' جبکہ ہم ابھی ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ کس کس نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اگر بالفرض مذکورہ علت کو درست بھی سمجھ لیا جائے تو دوسری صحیح احادیث سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ ائمہ حدیث کے ہاں معروف قاعدہ ہے۔

اسی بات کو علمائے سلف نے قبول کیا ہے اور عورتوں کے سونا پہننے کے جواز پر کئی علماء نے اجماع نقل کیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ہم ان علماء میں سے بعض کے اقوال بیان کرتے ہیں۔

جصاص اپنی تفسیر ج ۳ ص ۳۸۸ پر سونے کی بحث میں لکھتے ہیں : "عورتوں کے لئے سونے کی اباحت سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے وارد احادیث' اس کے ممنوع ہونے کی احادیث کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور زیادہ مشہور ہیں اور آیت کی دلالت (مولف کی آیت سے مراد وہی آیت ہے جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے) بھی عورتوں کے لئے اس کی اباحت کے بارے میں واضح ہے۔ عورتوں کا سونا پہننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک متواتر چلا آ رہا ہے اور کسی نے ان پر گرفت نہیں کی۔ اسی طرح أخبارِ آحاد سے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا"۔

اور الکیا الہراسی اپنی تفسیر القرآن ج ۴ ص ۳۹۱ پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿أَوَمَن يُنَشَّؤُا فِي ٱلْحِلْيَةِ ﴾

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس میں عورتوں کے لئے زیور کی اباحت پر دلیل ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس بارے میں اتنی احادیث ہیں، جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

اور بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۴۲ پر کہا ہے جہاں انہوں نے بعض ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جو عورتوں پر سونا اور ریشم حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ تفصیل نہیں بتلاتی کہ وہ کسی چیز کی صراحت کرتی ہے "یہ احادیث اور دوسری بھی جو اس معنی میں ہیں، عورتوں کے لئے سونے کے زیور پہننے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور ہم نے سونے کے عورتوں پر مباح ہونے پر اجماع ہو جانے سے استدلال کیا ہے جو ایسی احادیث کو منسوخ قرار دیتا ہے جو خاص طور پر عورتوں کے لئے سونے کے استعمال کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں"۔

اور نووی مجموع ج ۴ ص ۴۴۲ پر کہتے ہیں : "عورتوں کے لئے ریشم پہننا اور سونے اور چاندی کے زیور استعمال کرنا احادیث صحیحہ کی بنیاد پر اجماع کی رو سے جائز ہے"۔

نیز ج ۶ ص ۴۰ پر کہتے ہیں : "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کا ہر طرح کا زیور پہننا جائز ہے۔ جیسے طوق، ہار، انگوٹھی، کنگن، پازیب، پہنچیاں، گلوبند اور ان کے علاوہ ہر وہ چیز جو گلے میں پہنی جائے اور ہر وہ چیز جسے پہننے کی وہ عادی ہوں اور اس سے کسی چیز میں کوئی اختلاف نہیں"۔

صحیح مسلم کے باب "مردوں پر سونے کی انگوٹھی کی حرمت اور ابتدائے اسلام میں اس کی اباحت کا نسخ" کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے : "عورتوں کے لئے سونے کی انگوٹھی کی اباحت پر مسلمانوں کا اجماع ہے"۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث براء کی شرح میں کہتے ہیں : "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع کیا۔ سونے کی انگوٹھی سے . . . الحدیث"۔ چنانچہ وہ ج ۱۰ ص ۳۱۷ پر لکھتے ہیں : "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کرنا، مردوں سے مختص ہے۔ عورتوں کے لئے جائز ہے"۔ چنانچہ انہوں نے عورتوں کے لئے اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور سابقہ حدیثوں کے ساتھ یہ حدیث ملا لینے سے یہ احادیث عورتوں کے لئے گولائی دار اور بغیر گولائی ہر طرح کے زیور کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل علم کا اجماع جو مذکورہ ائمہ نے ذکر کیا ہے اس کی وجوہ درج ذیل احادیث ہیں :

(۱) ابوداؤد اور نسائی نے عمرو بن شعیب سے، اپنے باپ سے، اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا : "ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟" وہ کہنے لگی "نہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے ان کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے"۔ اس نے وہ دونوں کنگن اتارے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے

ڈال کر کہنے لگی : "یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں"۔

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنگنوں پر زکوۃ واجب ہونے کی تو وضاحت کر دی۔ لیکن اس کی بیٹی کے ان کنگنوں کے پہننے کو برا نہ سمجھا۔ جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ کنگن گولائی دار تھے اور یہ حدیث صحیح اور اس کی اسناد جید ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

(۲) سنن ابی داؤد میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے ایک زیور پیش کیا گیا' جو اس نے ہدیتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا۔ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں ایک حبشی نگینہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کرتے ہوئے کسی لکڑی یا اپنی کسی انگلی سے پرے ہٹایا۔ پھر ابوالعاص کی بیٹی امامہ' جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب کی بیٹی تھی' کو بلایا اور اسے کہا : "بیٹی! یہ پہن لو" گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انگوٹھی امامہ کو دے دی اور یہ گولائی دار سونا تھا جسے آپ نے پہننے کو کہا۔ گویا یہ حدیث گولائی دار سونے کے حلال ہونے پر نص ہے۔

(۳) جس حدیث کو ابوداؤد اور دار قطنی نے روایت کیا اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ بلوغ المرام میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنے ہوئے تھی۔ میں نے کہا : "اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز (کے حکم میں) ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جب تو ان کی زکوۃ ادا کر دے تو یہ کنز نہیں ہیں"۔

رہی وہ احادیث جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے سونا پہننے کی ممانعت ہے تو وہ شاذ ہیں اور ان احادیث کے مخالف ہیں جو ان سے صحیح تر اور مضبوط تر ہیں اور ائمہ حدیث نے یہ طے کیا ہے کہ جو احادیث جید اسناد سے ہوں مگر وہ ایسی احادیث کے مخالف ہوں جو ان سے صحیح تر ہوں اور ان میں تطبیق ممکن نہ ہو' نہ ہی ان کی تاریخ معلوم ہو تو انہیں شاذ سمجھا جائے گا۔ نہ ان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور نہ ان پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ حافظ عراقی "الفیہ" میں کہتے ہیں :

وذُو الشُّذوذِ مَا يُخَالِفُ الثِّقَةُ فيه المَلَأَ فالشَّافعي حَقَّقَهُ

امام شافعی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق کہ جب ایک ثقہ ثقات جماعت کی مخالفت کرے تو ایک ثقہ کی حدیث شاذ ہو گی۔ اور حافظ ابن حجر "نخبۃ" میں کہتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے :

فإنْ خُولِفَ بأرْجَح فالرَّاجِحُ المَحْفوظُ ومقابلُه الشَّاذُ.

یعنی اگر ثقہ اوثق (زیادہ ثقہ) کی مخالفت کرے تو ثقہ کی روایت شاذ اور اوثق کی روایت محفوظ شمار ہو گی۔

ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ صحیح حدیث کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس پر عمل ہوتا رہا ہو وہ شاذ نہ ہو گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن احادیث میں عورتوں کے لئے سونے کی حرمت کا ذکر آیا ہے اگر ان کی اسناد کو

علتوں سے محفوظ و سلامت مان بھی لیا جائے تو بھی ان میں اور ان صحیح احادیث میں تطبیق ممکن نہیں جو عورتوں کے لئے سونے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ان کی تاریخ معلوم نہ ہو تو ایسی احادیث پر شذوذ کا حکم لگانا واجب ہے اور اہل علم کے ہاں اس معتبر شرعی قاعدہ کے مطابق ان پر عمل کرنا درست نہیں۔

اور جو کچھ ہمارے دینی بھائی علامہ شیخ محمد ناصرالدین البانی نے اپنی کتاب "آداب الزفاف" میں ذکر کیا' وہ یہ ہے کہ آپ نے حلت و حرمت والی دونوں قسم کی احادیث میں یوں تطبیق کی کہ گولائی وار زیوروں کو حرمت والی احادیث پر محمول کیا اور دوسرے زیوروں کو جواز والی احادیث پر' تو یہ بات صحیح نہیں۔ نہ ہی یہ ان صحیح احادیث کے مطابق ہے جو جواز پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ان میں انگوٹھی کا جواز ہے اور وہ گول ہے اور کنگنوں کا جواز ہے اور وہ بھی گول ہیں۔ جن سے اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے' جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جو احادیث سونے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ مطلق ہیں' مقید نہیں ہیں۔ لہٰذا ان احادیث کے اطلاق اور ان کی اسناد کی صحت کی وجہ سے انہیں ہی قبول کرنا واجب ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت کا ایسی احادیث کے منسوخ ہونے پر اجماع ہے جو حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور یہی بات درست ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس سے شبہ زائل ہو جاتا ہے اور وہ شرعی حکم واضح ہو جاتا ہے جس میں شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ سونا امت کی عورتوں کے لئے حلال اور مردوں پر حرام ہے . . . اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے . . .

ہاتھ کے اشارہ سے سلام کہنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : ہاتھ کے اشارہ سے سلام کہنے کا کیا حکم ہے؟۔

قاری

جواب : اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں۔ سنت یہی ہے کہ داخل ہوتے ہی زبان سے سلام کہا جائے۔ اشارہ سے سلام کرنا اس لئے جائز نہیں کہ اس میں بعض کفار سے مشابہت ہے اور اس لئے بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا۔

تاہم اگر کوئی شخص دور ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو اشارہ سے بھی سلام کرے' جسے وہ سمجھ سکے اور زبان سے بھی سلام کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کو سلام کہا گیا ہے اگر وہ نماز میں مشغول ہو تو وہ اشارہ سے جواب دے سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ بات ثابت ہے۔

صحابہ کو ہی رضی اللہ عنہم کہنا مشروع ہے

سوال : کتاب "عقد الدرر فی اخبار المنتظر" کے موضوعات پر نظر ڈالنے کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ بعض روایات میں جو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ ان میں اس طرح لکھا ہوا تھا :

عَنْ عَلِي بنِ أَبِي طَالِبٍ عليه السَّلامُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى اللّهُ عليهِ وسلَّمَ-: «يَخرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فِي تِسْعِ رَايَاتٍ».

اس لفظ یعنی علیہ السلام کو حضرت علی کے ساتھ اور رسول کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے ان الفاظ یا ان سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ محمد۔ب۔ا۔ابہا

جواب : ان الفاظ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے' بلکہ انہیں یا دوسرے صحابہ کے حق میں' رضی اللہ عنہ' یا رحمہ اللہ کہنا مشروع ہے کیونکہ حضرت علی یا دوسرے صحابہ کے لئے اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی طرح بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے بجائے کرم اللہ وجہہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی بھی کوئی دلیل نہیں' نہ ہی اس تخصیص کے لئے کوئی وجہ ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ان کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو دوسرے خلفائے راشدین کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ بھی ان کے لئے ایسے الفاظ مختص نہ کئے جائیں' جن پر کوئی دلیل نہیں۔

چاندی کی انگوٹھی پہننے کا کیا حکم ہے اور آیا وہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا بائیں میں ؟

سوال : قاری چاندی کی انگوٹھی پہننے کے حکم کے متعلق سوال کرتا ہے اور اگر یہ جائز ہو تو آیا دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا بائیں میں؟

ع۔م۔ش۔ حوطہ بنی تمیم

جواب : مرد یا عورت کوئی بھی چاندی کی انگوٹھی پہن لے' کوئی حرج نہیں۔ خواہ وہ دائیں ہاتھ میں پہنے یا بائیں میں۔ دونوں طرح جائز ہے۔ تاہم دائیں میں پہننا افضل ہے کیونکہ وہ اشرف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے اور کبھی بائیں میں۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے نمونہ اور مقتدا تھے۔

البتہ سونے کی انگوٹھی یا سونے کی گھڑی مردوں کو پہننا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ عورتوں سے خاص ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث صحیحہ میں وارد ہے جو مردوں کے لئے سونے اور ریشم پہننے کی حرمت اور عورتوں کے لئے جواز پر دلالت کرتی ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ہاتھ میں گھڑی پہننے کا کیا حکم ہے؟

سوال : ہاتھ میں گھڑی پہننے کا کیا حکم ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں بعض لوگ عورتوں سے مشابہت کی خاطر اس کو ناپسند کرتے ہیں۔

علی۔ع۔ا۔ا لقصیم

جواب : ہم اس میں کچھ حرج نہیں جانتے' نہ ہی اس میں کچھ عورتوں سے مشابہت کی بات ہے۔ کیونکہ عورتوں کی گھڑیاں مخصوص قسم کی ہوتی ہیں اور مردوں کی دوسری قسم کی اور اگر یہ گھڑیاں ایک جیسی ہوں' تو بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسے چاندی کی انگوٹھی مرد اور عورت دونوں پہن سکتے ہیں اور گھڑی سے مقصود زینت یا زیور تو ہوتا نہیں۔ اس سے مقصود صرف وقت معلوم کرنا ہوتا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میں چین میں پڑھتا ہوں۔ مجھے گوشت اور برتنوں کی طہارت کے سلسلہ میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل سے کھانا کھاتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں صومالی طالب علم ہوں اور چین میں پڑھتا ہوں۔ مجھے کھانے میں عام طور پر اور بالخصوص گوشت کے سلسلہ میں بہت سی مشکلات درپیش ہیں اور وہ مشکلات یہ ہیں :

۱۔ میں نے چین میں آنے سے قبل یہ سن رکھا تھا کہ جو جانور ملحد یا کافر لوگ ذبح کرتے ہیں' وہ انہیں ذبح کرنے کے بجائے انہیں قتل کردیتے ہیں (گلا کاٹ دیتے ہیں)۔ جس کا کھانا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ یہاں یونیورسٹی میں مسلمانوں کے لیے ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے جس میں مختلف قسم کا گوشت پکتا ہے اور یہ یقین نہیں ہوتا کہ جانور اسلامی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے۔ مجھے اس میں شبہ ہی رہتا ہے۔ جبکہ میرے ساتھی میری طرح شک وشبہ میں نہیں پڑتے اور اس سے کھاتے رہتے ہیں۔ کیا وہ حق پر ہیں یا حرام کھاتے ہیں؟

۲۔ ایسی ہی صورت کھانے کے برتنوں کی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے برتنوں میں کوئی تمیز نہیں۔ ایسے امور درپیش ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

ابراہیم۔ا۔ب۔طالب علم صومالی

جواب : اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے علاوہ دوسرے کفار کا ذبح شدہ جانور جائز نہیں۔ خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست ہوں یا کمیونسٹ ہوں یا کسی اور قسم کے کافر ہوں اور ان کے ذبح شدہ جانور کے گوشت کا شوربا یا گوشت دوسرے کھانے میں ملا ہوا ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کافروں کا کھانا مباح نہیں کیا۔ صرف اہل کتاب کا کھانا مباح کیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾
آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔(المائدہ : ۵)

اور اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کے ذبح شدہ جانور ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ رہے پھل اور ایسی ہی دوسری چیزیں تو ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ اس طعام میں داخل نہیں جو حرام کیا گیا ہے۔

رہا مسلمانوں کا کھانا تو وہ مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے حلال ہے۔ بشرطیکہ وہ سچے مسلمان ہوں جو اللہ کے سوا نہ تو کسی کی عبادت کرتے ہوں اور نہ ہی اللہ کے ساتھ کسی نبی' ولی یا کسی قبر والے یا کسی اور کو پکارتے ہوں' جن کی کافر لوگ عبادت کرتے ہیں۔

اور برتنوں کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے برتن غیر مسلموں کے ان برتنوں سے الگ ہونا ضروری ہے جن میں وہ کھانا کھاتے اور شراب وغیرہ پیتے ہیں اور یہ ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کے باورچی پر واجب ہے کہ وہ کفار کے مستعمل برتنوں کو پہلے اچھی طرح دھولے پھر اس میں مسلمانوں کا کھانا رکھے۔ جیسا کہ صحیحین میں ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے برتنوں میں کھانے سے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

«لَا تَأْكُلُوا فِيهَا إِلَّا أَلَّا تَجِدُوا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا»

غیر مسلموں کے برتنوں میں صرف اس وقت کھا سکتے ہو جب دوسرا برتن نہ مل رہا ہو۔ ایسی صورت میں ان کے برتن کو دھولو۔ پھر اس میں کھانا کھاؤ۔

اہل کتاب کے ممالک سے درآمدہ گوشت کا حکم

سوال : باہر سے درآمد شدہ گوشت اور ایسے ہی فریز کیا ہوا مرغی کا گوشت جن کے ذبح ہونے کے متعلق ہم جانتے نہیں' کیا حکم ہے۔ جبکہ بعض علماء ان کی خریداری کی تائید نہیں کرتے؟

عمری۔ع۔ع۔جدہ

جواب : جب یہ گوشت اہل کتاب کے ممالک سے درآمد شدہ ہوں' ان کا کھانا جائز ہے۔ جب تک کہ کوئی ایسی بات ہمارے علم میں نہ آجائے جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾

آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔(المائدہ : ۵)

اور اہل کتاب کے بعض ممالک میں ایسے مذبح خانوں کی موجودگی' جہاں غیر شرعی طریقہ سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اہل کتاب کے ممالک سے در آمد شدہ ذبائح کے حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتی تا آنکہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ فلاں مذبح خانے میں جانور غیر شرعی طریقہ سے ذبح ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل تو جواز اور سلامتی ہے۔ تا آنکہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو اس کی حرمت کی مقتضی ہو۔

میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتے ہیں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں انیس سالہ نوجوان ہوں۔ بہت سے گناہوں میں اپنے آپ پر زیادتی کر چکا ہوں۔ حتیٰ کہ بہت سی نمازیں مسجد میں ادا نہیں کیں اور اپنی زندگی میں کبھی رمضان کے پورے روزے نہیں رکھے۔ دوسرے بھی کئی برے اعمال کرتا رہا ہوں۔ کئی بار میں نے اپنے آپ سے توبہ کا عہد کیا مگر پھر گناہ میں پڑ جاتا ہوں۔ میرے محلے کے نوجوان ساتھی بھی سارے بے راہ رو ہیں۔ جیسا کہ میرے بھائیوں کے دوست اکثر ایسے ہیں جو اپنے گھروں میں آتے ہی نہیں اور وہ بھی کوئی اچھے کام کرنے والے نہیں ہیں۔

اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے بہت گناہ کر کے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ کئی برے کام کیے ہیں۔ لیکن جب بھی میں نے توبہ کا عزم کیا تو پھر دوبارہ وہی کام کر کے جیسا کہ پہلے تھا' ویسا ہی ہو گیا . . . میں امید رکھتا ہوں کہ آپ ایسا طریقہ بتلائیں گے جو مجھے اپنے پروردگار سے قریب کر دے اور ایسے برے اعمال چھڑا دے۔

س-ح-الریاض

جواب : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾

آپ کہہ دیجئے۔ اے میرے بندو! جو اپنے آپ پر زیادتی کر چکے ہو۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(الزمر : ۵۳)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت توبہ کرنے والوں کی شان میں اتری ہے۔ گویا جو شخص اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے' اس آیت کی رو سے اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ ﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے جن میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ (التحریم : ۸)

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائیوں کو دور کرنے اور باغات میں داخلہ کو سچی توبہ سے مشروط کیا ہے اور سچی توبہ ان باتوں پر مشتمل ہے۔ گناہ کو چھوڑا اور اس سے اجتناب کیا جائے۔ جو کچھ کرچکا ہے اس پر پشیمان ہو اور اللہ بزرگ و برتر کی عظمت کی خاطر' اس کے ثواب میں رغبت رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے آئندہ وہ کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے . . . اور سچی توبہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر زیادتی سے کسی کا مال یا کوئی چیز لی ہو تو وہ واپس کرے یا اس سے معاف کرائے جبکہ یہ زیادتی کسی کے خون' مال یا عزت سے تعلق رکھتی ہو اور اگر کسی کی بے عزتی کی ہو اور اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو تو اس کے حق میں بہت دعا کرے اور جہاں کہیں اس کی غیبت کرتا تھا وہاں اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے' جو وہ کیا کرتا تھا۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اے ایمان والو! اللہ کے ہاں سب کے سب توبہ کرو' تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فلاح کو توبہ سے مشروط کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کرنے والا اپنی مراد کو پہنچنے والا اور نیک بخت ہے اور جب وہ توبہ کے بعد ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں مٹا کر انھیں نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں شرک' قتل ناحق اور زنا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾

اور جو شخص یہ کام کرے وہ اپنے گناہ کے انجام کو پہنچے گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہوگا اور وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الفرقان : ۶۸ ـ ۷۰)

اور جو باتیں توبہ کا ذریعہ بنتی ہیں' یہ ہیں۔ اللہ سبحانہ کے حضور عاجزی کرے اور اس سے ہدایت اور توفیق کا سوال کرے اور سمجھے کہ توبہ قبول کرکے اللہ مجھ پر احسان کر رہا ہے۔ اور یہی بات اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرما رہے ہیں :

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾

مجھے پکارو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (غافر : ۶۰)

نیز اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں :

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾

اور جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (البقرہ : ۱۸۶)

اور توبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ نیک اعمال میں ان کی اقتداء اور برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« الْمَرْءُ على دِيْنِ خَلِيلِه، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ »

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے لوگوں سے دوستی رکھتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَثَلُ الْجَلِيس الصَّالح كَصَاحِبِ الْمِسْكِ ؛ إمَّا أنْ يُحْذِيَكَ ، وَإمَّا أنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ ، وإمَّا أنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً . ومَثَلُ الْجَلِيس السُّوءِ كَنَافِخِ الْكِيرِ ؛ إمَّا أنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ ، وإمَّا أنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً خَبِيثَةً »

نیک ہم نشین کی مثال کستوری والے کی سی ہے کہ وہ یا تو تجھ کو کچھ دے گا' یا تو اس سے کستوری خریدے گا' یا اس کی خوشبو تجھے ضرور پہنچے گی اور برے ہم نشین کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے' یا تو کوئی چنگاری اڑ کر تیرا کپڑا جلا دے گی۔ ورنہ اس کی بدبو تمہیں ضرور پہنچے گی۔

ایک عورت کو سخت مشکلات پیش آئیں تو اس نے خودکشی کر لی اور مرنے سے پہلے توبہ کر لی۔ کیا ہمیں اس کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کے حق میں دعا کرنا جائز ہے؟

سوال : میری ایک شادی شدہ بہن کے تین بچے تھے اور اس کی اپنے خاوند سے ہمیشہ ان بن رہتی تھی۔ نیز اس کی اپنے والد سے بھی ان بن تھی۔ لہٰذا اس کا خاوند اس سے بڑی سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی اور اپنی مطلقہ ماں کے ہاں چلی گئی۔ جس نے کسی اور آدمی سے شادی کر لی تھی۔ اس کی ماں کا خاوند بھی اس سے بدسلوکی سے پیش آتا تھا۔

میں نے (یعنی اس کے بھائی نے) ایک الگ پورشن لیا تاکہ وہ میرے ساتھ سکونت اختیار کرے۔ وہ اکثر اپنی ماں کے ہاں آتی جاتی تھی۔ ایک دفعہ ماں کے خاوند نے اسے مجبور کیا کہ وہ چلی جائے اور اپنے بچے اس کے ہاں چھوڑ جائے تو اس نے اپنی ماں کی رضا کی خاطر یہ کام بھی کر لیا۔

ایک دفعہ میری بہن کی ماں اور اس کے خاوند کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ وہ اس معاملہ سے شدید متاثر ہوئی

اور اپنی الگ جگہ میں چلی گئی۔ جو مصائب اس پر گزرے اور اولاد سے بھی جدائی ہوئی' ان سے لاچار ہو کر اٹھی' ریفریجریٹر سے گولیاں نکالیں اور ساری کی ساری کھالیں۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی ایسی زندگی کو ختم کردے۔ میں اسے ہسپتال لے گیا اور ضروری علاج کروایا . . . اپنی موت سے پیشتر اسے یہ احساس ہوگیا کہ اب یہ اس کا آخری وقت ہے۔ اس نے توبہ کی اور اپنے کئے پر بہت زیادہ استغفار کرتی رہی اور ہم سے بھی درخواست کی کہ ہم اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔

مشیت الٰہی سے وہ فوت ہوگئی۔ اس کے بعد اس کا کیا حال ہوگا . . . اور کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کروں۔ یہ خیال رہے کہ میں نذر مان چکا ہوں کہ میں اپنی زندگی بھر اس کی طرف سے انشاء اللہ یہ اعمال بجالاتا رہوں گا . . . مجھے مستفید فرمایئے۔

محمد۔ع۔ا۔الریاض

جواب : جب آپ کی مذکورہ بہن نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلی اور خودکشی کے اسباب سے اس نے جو کام کیا تھا اس پر نادم ہوئی تو اس کے لیے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ توبہ پہلے گناہوں کو یکسر ختم کردیتی ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ بات ثابت ہے اور جب آپ اس کی طرف سے صدقہ کریں یا اس کے لیے استغفار کریں یا اس کے لیے دعا کریں تو یہ اچھی باتیں ہیں اور ان کا اسے فائدہ پہنچے گا اور آپ کو ان پر اجر ملے گا۔

اور آپ نے جو طاعات کے کاموں کی نذر مانی ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ انہیں پورا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی مدح بیان کرتے ہوئے اپنی نذریں پوری کرنے والوں کی بھی مدح کی ہے۔ فرمایا :

﴿ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسْتَطِيرًا ﴾

وہ لوگ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی بہت پھیلی ہوئی ہوگی۔

(الانسان : آیت ۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ؛ فَلْيُطِعْه . وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ؛ فَلَايَعْصِه »

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں کی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کے کاموں کی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ کام نہ کرے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بچے کے اعمال کا ثواب بچے کو ہو گا یا اس کے والدین کو؟

سوال : کیا نابالغ بچے کے اعمال مثلاً نماز' حج اور تلاوت' یہ سب والدین کے لیے ہیں یا اسی کو اس کا حساب دیا جائے گا؟

ابراہیم -ج- جامعہ ملک سعود

جواب : نابالغ بچے کے نیک اعمال کا اجر بچے ہی کو ملے گا۔ اس کے والدین یا کسی دوسرے کو نہیں ملے گا لیکن اس کے والدین کو بچے کی اس تعلیم پر' بچے کا رخ بھلائی کی طرف موڑنے اور اس کی اعانت پر اجر ضرور ملے گا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت نے اپنے بچے کو اوپر اٹھاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا : اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اس بچے کا حج ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں اور تیرے لیے اجر ہے"۔

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ حج تو اسی بچے کا ہے اور اس کی ماں کو اس بچے کے حج کرنے پر اجر ملے گا۔

اسی طرح اگر نابالغ بچہ نیکی کا کام کرتا ہے تو والد کے علاوہ دوسرے متعلقہ اشخاص کو بھی اجر مل سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص یتیموں' رشتہ داروں اور خادموں یا دوسرے لوگوں کو علم سکھلائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ دَلَّ عَلى خَيْرٍ فله مِثْلُ أجْرِ فاعِله »

جو شخص کسی نیک کام کی راہنمائی کرے تو اس کا اجر بھی نیکی کرنے والے جیسا ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور اس لیے بھی کہ اس میں نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس پر ثواب دے گا۔

بعض لوگ بچا ہوا کھانا ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

سوال : بعض لوگ بچا ہوا کھانا کرتون وغیرہ میں ڈال کر انہیں سڑک پر رکھ دیتے ہیں کہ اسے مویشی کھالیں۔ لیکن صفائی کا عملہ آتا ہے تو وہ اسے ردی چیزوں کے ساتھ رکھ کر لے جاتے ہیں . . . اب سوال یہ ہے کہ کھانے کو دوسری ردی چیزوں کے ساتھ رکھنا جائز ہے؟

ولاء -ف

جواب : ایسا کھانا فقراء کے حوالہ کرنا واجب ہے کہ وہ اسے کھالیں اور اگر فقراء نہ ملیں تو ایسے بچے

ہوئے کھانے کو کسی ایسی جگہ رکھنا واجب ہے جہاں اس کی بے ادبی نہ ہو تا آنکہ اسے مویشی کھا لیں . . . اور اگر یہ بات میسر نہ ہو تو کرتون میں یا ڈرموں میں یا ایسی ہی کسی دوسری چیز میں اس کی حفاظت واجب ہے اور ہر شہر کی بلدیہ والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ صفائی کے عملہ کو ہدایت کریں کہ وہ ان کرتون وغیرہ کو صاف ستھری جگہ پر رکھیں تاکہ مویشی اسے کھالیں یا بعض لوگ اسے اپنے مویشیوں کے لیے لے جائیں۔ اس طرح بچا ہوا کھانا بے ادبی اور ضائع ہونے سے بچ رہے گا۔

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ' برتن اور دوسری بچی ہوئی اشیاء دھونے کے لیے گھر میں سنک بنانے میں کوئی حرج ہے؟

سوال : کیا گھر یا عمارت کے مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایک سنک بنالے جس میں ہر طرح کی چیزیں دھوئی جاسکیں اور کھانے سے فراغت کے بعد وہاں ہاتھ اور کھانے کے برتن دھوئے جائیں؟

ابراہیم۔س۔منطقۃ الجنوب

جواب : کھانا کھانے کے بعد ہاتھ' برتن اور دوسری چیزیں دھونے کے لیے سنک بنانے میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ ہاتھوں یا برتنوں کو جو چکناہٹ لگ جاتی ہے وہ طعام نہیں ہے۔البتہ روٹی' گوشت اور دوسری قسم کے کھانوں کو سنک میں پھینکنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اسے ان لوگوں کو دینا چاہیے جو اس کے محتاج ہیں یا اسے کسی کھلی جگہ میں رکھ دینا چاہیے تاکہ ضرورت مند لوگ اسے اپنے جانوروں کے لیے لے جائیں یا بعض جانور اور پرندے اسے کھالیں۔

بچے ہوئے کھانے کو قمامہ (ڈرم) میں ڈال دینا یا گندی جگہوں میں ڈالنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اسے راہ میں پھینک دینا جائز ہے۔کیونکہ اس طرح اولا تو کھانے کی توہین ہوتی ہے اور ثانیا راہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

زینت کے لیے پرندوں کو پنجروں میں بند رکھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : زینت یا کسی دوسری غرض کے لیے پرندوں کو پنجروں میں بند رکھنے کا کیا حکم ہے؟

عادل۔م۔ا

جواب : میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ پرندے سے اچھا سلوک کیا جائے اور اس کے کھانے پینے میں کمی نہ ہونے دی جائے۔

دوسرے کے خون سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟

سوال : دوسرے کے خون سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟

جواب : جب دوسرے کا خون لینے کی مجبوری پیش آجائے تو ایک بھائی کا اپنا خون دے کر دوسرے کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ کام طبیب کی زیر نگرانی ہو اور وہ یہ یقین دلائے کہ خون دینے والے کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ اللہ نے کھول کر بیان کردیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی چیز کے لیے مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام : ۱۱۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسلِمِ؛ لايَظْلِمُه، ولاَيُسْلِمُه. مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيه؛ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِه»

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے جو نہ اس پر زیادتی کرتا ہے نہ اسے کسی کے حوالہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوتا ہے اللہ اس کے کام میں لگا ہوتا ہے۔

یہ حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس معنی میں بہت احادیث ہیں۔

کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بدن کے بال جیسے پشت اور پنڈلیوں کے بال زائل کردے؟

سوال : کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے جسم سے پیٹھ، پنڈلیوں، رانوں، شرمگاہ اور بغل کے بال مونڈھ دے، جبکہ اس سے اس کا ارادہ عورتوں سے یا اہل کتاب وغیرہ کے کافروں سے مشابہت نہ ہو۔

خالد ۔ ا ۔ ع ۔ شیبہ الدوحہ

جواب : جن جگہوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں سے بال زائل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس سے نہ تو بدن کو کوئی ضرر پہنچے اور نہ ہی اس سے مقصود عورتوں یا کافروں سے مشابہت ہو، کیونکہ ہر چیز کی اصل اباحت ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی چیز کو حرام قرار دے جب تک کہ کوئی دلیل اس کی حرمت پر دلالت نہ کر رہی ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مونچھیں کتروانا، ناخن کٹوانا، بغلوں کو صاف کرنا، شرمگاہ کے بال مونڈنا اور مردوں کے لیے سر مونڈنا مشروع کیا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ہمیں حکم دیا ہے

کہ ہم داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اسے بڑا کریں اور بڑھائیں۔ ان امور کے علاوہ باقی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی خاموشی ہی معافی ہے۔ جسے حرام کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَاتُضَيِّعُوهَا، وَ حَدَّ حُدُودًا فَلَاتَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَ سَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا»

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کیں ان سے آگے نہ جاؤ اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کی بے آبروئی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے دانستہ سکوت اختیار کیا ہے اور یہ تمہارے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا ان میں بحث نہ کرو۔

اسے دار قطنی وغیرہ' نے روایت کیا اور نووی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ مذکورہ حدیث کے نص ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور جو احادیث و آثار ان معنوں میں آئے ہیں ان میں سے بعض حدیثوں کا ابن رجب رحمہ اللہ نے جامع العلوم میں ذکر کیا ہے اور ابو ثعلبہ کی حدیث کی شرح میں اس کے حکم کا بھی ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس مسئلہ پر مزید واقفیت چاہتا ہو وہ اس طرف مراجعت کرے۔ واللہ اعلم

کیا کولون والی خوشبو لگانا حلال ہے یا حرام؟

سوال : کولون والی خوشبو لگانے کے متعلق جھگڑا بڑھ گیا کہ آیا ایک باوضو مسلمان اس کے استعمال کے بعد نیا وضو کرے یا اگر اس کے جسم پر پڑ جائے تو اس کے لیے نہانا ضروری ہے؟

عبدالرحمٰن۔ ع۔ ا

جواب : مشہور خوشبو کولون سپرٹ کے عنصر سے خالی نہیں ہوتی اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق سپرٹ ایک نشہ آور مادہ ہے لہٰذا اس کا استعمال ترک کرنا واجب ہے اور اس کے بجائے ایسی خوشبوئیں استعمال کی جائیں جن میں سپرٹ شامل نہ ہو . . . رہا وضو کا مسئلہ تو وہ واجب نہیں اور اگر بدن کے کسی حصے پر لگ جائے تو غسل واجب نہیں۔ کیونکہ اس کی نجاست پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا کھڑے کھڑے پیشاب کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا انسان کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ پیشاب اس کے کپڑے یا جسم کو نہیں لگے گا ؟

خ۔ ن۔ ع۔ الریاض

جواب : کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں' بالخصوص جبکہ اس کی ضرورت بھی ہو اور جگہ

پردہ والی ہو جہاں کوئی شخص پیشاب کرنے والے کی شرمگاہ کو نہ دیکھ سکتا ہو اور نہ ہی اس پر پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا خطرہ ہو۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے احاطہ پر آئے تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا"۔ شیخین کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔

لیکن بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے اور اس لیے بھی افضل ہے کہ اس سے شرمگاہ کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے اور پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔

ہم اکثر رسائل میں پڑھتے اور ایسے اعلان دیکھتے ہیں جن میں اس امت کے اُمّی ہونے پر ندامت محسوس کی جاتی ہے جب کہ اللہ تعالی نے اس امت کے اُمّی ہونے کی تعریف کی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

سوال : ہم اکثر رسائل و جرائد میں پڑھتے ہیں اور گذرگاہوں پر ایسے اعلان دیکھتے ہیں جن میں اُمّی ہونے کا رونا رویا جاتا ہے اور اسے پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے جب کہ اللہ تعالی نے اس اُمت کو اُمّی کی صفت سے موصوف کرتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿ هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ﴾

وہی (اللہ ہی) تو ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ (الجمعہ : ۲)

میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے۔

محمد ۔ ع ۔ الریاض

جواب : محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں عرب و عجم کے جو لوگ تھے وہ نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے۔ لہٰذا انہیں "اُمّی" کا نام دیا گیا اور جو لوگ پڑھ لکھ سکتے تھے وہ اَن پڑھ لوگوں کی نسبت بہت کم تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نہ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی فرماتے ہیں :

﴿ وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَـٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴾

اس سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔ ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔ (العنکبوت : ۴۸)

اور یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی سچائی کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس ایک ایسی عظیم کتاب لائے جس نے عرب و عجم سب کو اس کی مثل

لانے سے عاجز بنادیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا۔ روح الامین جبرئیل علیہ السلام اس وحی کو لے کر آپ پر اترے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ طریقے اور پہلے لوگوں کے بہت سے علوم وحی بیان فرمائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی بہت سی باتوں کی خبر دی جو ہو چکی ہیں اور آخر زمانہ کی ان چیزوں کی خبر دی جو ہونے والی ہیں اور ان باتوں کی بھی جو قیامت کے دن ہوں گی۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے احوال اور ان میں داخل ہونے والوں کی خبر دی ہے اور یہی وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر دی۔ اسی کتاب سے آپ نے لوگوں کی ان کے بلند مقامات تک رہنمائی کی اور امی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وصف ہے اور امت کے امی ہونے سے یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ انہیں امی رہنے کی ہی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مقصود تو صرف اس حقیقت اور حال کی خبر دینا تھی جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ کتاب و سنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن میں علم حاصل کرنے' لکھنے اور امی ہونے کی حالت سے خروج کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر : ۹)

نیز فرمایا :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ان لوگوں کو بلند کرے گا جو ایمان لائے اور انہیں علم عطا کیا گیا ہے۔ (المجادلہ : ۱۱)

نیز فرمایا :

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾

اللہ تعالیٰ سے صرف عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر : ۲۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فيه عِلْماً؛ سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ به طَرِيقاً إلى الْجَنَّةِ»

جس شخص نے ایسی راہ اختیار کی جس سے وہ علم حاصل کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کو جانے والی راہ آسان بنا دیتا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :

«مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ به خَيْراً يُفَقِّهْهُ في الدِّيْنِ»

جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس معنی میں اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم کی حاجت روائی کرے تو کیا وہ اس کا بھائی بن جاتا ہے؟

سوال : اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم کی حاجت روائی کرے تو کیا وہ اس کا بھائی بن جاتا ہے؟

سعید۔ا

جواب : اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم یا غیر حربی کافر کی حاجت روائی کرے تو وہ اس کا بھائی نہیں بن جاتا اور اگر حاجت روائی کرنے والی عورت ہو تو وہ اس کا محرم نہیں بن جاتا۔ لیکن احسان کی بنا پر اسے اس کا اجر ضرور ملے گا اگرچہ جس کی حاجت پوری کی گئی ہے' وہ کافر ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾

اور احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(البقرہ : ۱۹۵)

نیز فرمایا :

﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَـٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَـٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴾

جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اگر تم ان سے نیکی کرو اور انصاف کا برتاؤ کرو تو اللہ تمہیں اس سے منع نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(الممتحنہ : ۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«وَاللّٰهُ في عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ في عَوْنِ أخيه»

جب تک کوئی بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے اللہ اس بندے کی مدد میں لگا ہوتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ كَانَ في حَاجَةِ أخيه كَانَ اللّٰهُ في حَاجَتِه»

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں لگا ہوتا ہے تو اللہ اس کی حاجت میں لگا ہوتا ہے۔

یہ دونوں احادیث مسلمانوں کے حق میں ہیں اور صحیحین میں اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی ماں سے صلہ رحمی کا حکم دیا تھا حالانکہ وہ کافر تھی اور یہ بات اس وقت کی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کے درمیان مصالحت (صلح حدیبیہ) ہوئی تھی۔

رہے حربی کافر۔ تو ان کی کسی طرح کی بھی معاونت جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے مقابلہ پر ان کی معاونت اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ﴾

اور اگر تم میں سے کوئی ان کافروں سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی سے ہے۔ (المائدہ : ۵۱)

جو خواب مجھے آتے ہیں' ان میں سے اکثر پریشان کن ہوتے ہیں اور میں اپنے کنبہ میں اس کے اثر بھی دیکھتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہوں۔ الحمد للہ میری زندگی بخیر و عافیت گزر رہی ہے اور میں اپنے دین کا التزام رکھنے والی ہوں . . . اور جو خواب میں دیکھتی ہوں ان میں سے زیادہ تر پریشان کن ہوتے ہیں۔ پھر چند دن بھی نہیں گزرتے کہ وہ خواب نمود صبح کی طرح حقیقت بن کر سامنے آنے لگتے ہیں . . . اور میرے گھر والوں اور کنبہ والوں پر مصائب نازل ہونے لگتے ہیں . . . جب میں ایسا خواب دیکھتی ہوں تو اپنے گھر والوں کو بتلا دیتی ہوں اور وہ اس سے اللہ کی پناہ مانگنے لگتے ہیں . . . میں امید رکھتی ہوں کہ آپ مجھے ایسی بات بتلائیں گے جس سے یہ مصائب مجھ سے دور ہو جائیں۔

م-ع-الریاض

جواب : جو شخص خواب میں کوئی مکروہ بات دیکھے' اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ جب جاگے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے . . . اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے خواب میں دیکھی ہے۔ پھر اپنا دوسرا پہلو بدل لے . . . اس طرح وہ اسے نقصان نہیں دے گی . . . نیز ایسا خواب کسی کو مت بتلائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو وہی کام کرے جس کا ذکر ہوا ہے۔

اور اگر کوئی شخص خواب میں کوئی خوش کن بات دیکھے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور صرف اسی کو بتلائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ایسا ہی ثابت ہے۔

میرا ایک چچا مجھے پیٹا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو چکا ہے۔ اب وہ مجھے خواب میں ملتا ہے۔ مجھے ایسی بات بتلایئے جس سے مجھے اطمینان حاصل ہو ؟

سوال : میرا چچا اپنی زندگی میں مجھے پسند نہیں کرتا تھا' مجھے برداشت نہیں کرتا تھا۔ مجھے مارا کرتا تھا اور اب وہ فوت ہو چکا ہے۔

آج کل میں بڑے پریشان کن خواب دیکھتا ہوں . . . میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری چھوٹی بیٹی کو آملا ہے۔ لیکن میں اس سے دوڑ جاتا ہوں اور وہ مجھے پکڑنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ میں آپ سے ایسی ہدایت کا متوقع ہوں' جو مجھے اس سے چین بخشے۔

ب - ع

جواب : یہ اور ایسے ہی دوسرے مکروہ خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ جب کوئی برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے خواب میں دیکھی تھی۔ پھر اپنا دوسرا پہلو بدل لے تو اسے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی اور ایسا خواب کسی کو نہ بتلایئے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ :

«الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّهِ، والْحُلْمُ مِنَ الشَّيطانِ. فإذَا رَأى أحَدُكُم مَا يَكْرَهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلاثَ مَرَّاتٍ، ولْيَتَعَوَّذْ باللّهِ مِنَ الشَّيطانِ ومِنْ شَرِّ مَا رَأى ثَلاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ لِيَنْقَلِبْ عَلى جَنْبِهِ الآخَرِ، فإنَّها لاَتَضُرُّهُ، ولاَيُخْبِرُ بِها أحَداً. وإذَا رَأى مَا يُحِبُّ فَلْيَحْمَدِ اللّهَ، وَلْيُخْبِرْ بِها مَنْ يُحِبُّ»

سچے خواب اللہ کی طرف سے اور برے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تو تم میں سے کوئی شخص جب برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے دیکھی ہے۔ پھر اپنی دوسری کروٹ بدل لے۔ اس سے اسے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی اور ایسا خواب کسی کو نہ بتلائے اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور صرف اسے بتلائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

کیا زانی کو رجم کرنے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ خود معصوم اور برائیوں سے پاک ہو؟

سوال : جمہوریہ عربیہ یمن کے شہر تعز میں کسی شرعی حاکم نے زنا کی وجہ سے کسی عورت کے حق میں رجم کا فیصلہ دیا تو بعض لوگ رجم کے بارے میں متردد ہوئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ رجم کرنے والے کی شرائط میں سے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ خود گناہوں سے پاک ہو اور اس سلسلہ میں لوگوں نے

بہت باتیں کیں۔

مجھے خیال آیا کہ میں اپنا سوال آپ کو لکھ بھیجوں۔ شاید آپ سے مجھے اس کا شافی حل مل سکے؟

احمد۔م۔س۔ن

جواب : مجھے تعزی عدالت کے فیصلہ سے بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس نے شادی شدہ زانیہ کے لیے رجم کی سزا دی ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی حد قائم ہوتی ہے۔ جس سے اکثر اسلامی حکومتیں غفلت برت رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عدالت کو اچھا بدلہ دے اور حکومت یمن اور باقی سب اسلامی حکومتوں کو توفیق دے کہ وہ حدود اور دوسرے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں انہی کے کام کی صلاح اور دنیا و آخرت میں ان کی سعادت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس معاملہ میں تعاون کریں . . . اور جو شخص شادی شدہ زانی کے رجم میں شریک ہوا اسے اجر ملے گا اور جب رجم کا شرعی حکم صادر ہو چکا تو اب کسی کے لیے مناسب نہیں کہ اس میں رکاوٹ پیدا کرے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ماعز سلمی' یہودی اور یہودن' غامدی عورت اور ان کے علاوہ دوسروں کے رجم کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی اور مسلمان حدود اور دوسرے معاملات میں صحابہ کے طریقہ کی ہی موافقت کرتے رہے۔

اور رجم میں شریک ہونے والے کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں کہ وہ معصوم اور گناہوں سے پاک ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ ایسی شرط لگائے جس پر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے کوئی دلیل موجود نہ ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جب کسی شخص پر مصیبتیں آئیں تو کیا اسے ذبیحہ قربانی کرنا اور اس کا کچھ حصہ صدقہ کر دینا جائز ہے؟

سوال : جب کسی شخص کو اس کے پاؤں میں یا ہاتھ یعنی اس کے جسم میں تکلیفیں پہنچیں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ذبیحہ قربانی کرے اور اس کا کچھ حصہ صدقہ کر دے؟

خالد۔ی۔مکہ المکرمہ

جواب : صدقہ دائمی طور پر مشروع ہے۔ خواہ صحت کی حالت ہو یا مرض کی۔ کیونکہ صدقہ مصیبتوں کو دور کرنے اور گناہوں کو نابود کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے ہاتھ میں یا پاؤں میں یا باقی بدن میں کوئی دکھ پہنچے تو وہ نقد رقم صدقہ کرے یا کھانا کھلائے یا فقراء میں گوشت تقسیم کرے اور

یہ امید رکھے کہ اللہ اس سے مصیبت کو دور کردے گا تو اس پر ایسے ہی رحم فرمائے گا' جیسے اس نے فقراء پر رحم کیا ہے' تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ. اِرْحَمُوا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ »
رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ (رحمٰن) رحم کرتا ہے۔ لہٰذا جو زمین میں ہیں تم ان پر رحم کرو۔ تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

« مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ »
جو رحم نہیں کرتا' اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَأَحْسِنُوٓاْ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾
اور احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرہ : ۱۹۵)

نیز فرمایا :

﴿ إِنَّ رَحْمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾
بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے۔ (الاعراف : ۵۶)

میں ایک مسجد میں مؤذن ہوں اور میرے پاس نیشنلٹی کارڈ نہیں ہے میں نے ایک شخص سے اس بات پر اتفاق کیا کہ میں اس کے نام پر تنخواہ طلب کرنے کی درخواست دوں۔ کیا یہ جائز ہے؟

سوال : میں ایک نوجوان آدمی ہوں۔ مجھے نیشنلٹی کارڈ نہیں مل سکا۔ میں ایک مسجد کا موذن ہوں۔ مجھے امام مسجد نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اوقاف والوں کو لکھوں کہ تجھے تنخواہ ملنا چاہئے۔ ہم اذان کے کام میں کسی دوسرے شخص کا نام لکھیں گے اور اذان کے کام اور تنخواہ کی ادائیگی تمہارے لئے ہوگی۔ کیا ایسی تنخواہ لینا جائز ہے یا باطل۔ اور جو تنخواہ میں لے چکا ہوں' اس کا کیا کروں۔ کیا اسے صدقہ کردوں یا کوئی اور مصرف ہے؟

ع-ص-ج-القصیم

جواب : ایسی تنخواہ مکروہ اور باطل ہے جو جائز نہیں اور آپ پر لازم ہے کہ یہ رقم اوقاف کو واپس کریں اور اگر یہ بات میسر نہ ہو تو اسے فقراء و مساکین پر صدقہ کردیں۔ کیونکہ یہ کسی حق کے بغیر مال لیا گیا ہے

اور اگر اس رقم کو ان لوگوں پر صرف کرنا میسر نہ آئے تو کسی بھی بھلائی کے کام میں جیسے فقراء سے نیکی یا پانی کی سبیلوں کی درستی یا ایسے ہی دوسرے کاموں میں خرچ کردی جائے۔

کفارے تقسیم نہیں ہوتے

سوال : دو کاروں میں ٹکر ہوگئی۔ سامنے والی کار میں دو شخص تھے جن میں سے ایک مر گیا۔ پولیس والوں کے بیان اور پاس سے گزرنے والوں کے اندازہ کے مطابق ۳۰ فی صد غلطی پہلی کار والے کی تھی اور ۷۰ فی صد دوسری کار والے کی۔ پہلی کار والا کفارہ میں روزے رکھنا چاہتا ہے۔ کیا اب وہ پورے دو ماہ کے روزے رکھے گا یا غلطی کی نسبت کے حساب سے رکھے گا۔ جیسا کہ دیت کی صورت میں ہوتا ہے؟

قاسم - م - جامعہ ملک سعود

جواب : اگر قتل خطا میں دو آدمی شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر مستقل کفارہ ہوتا ہے کیونکہ کفارے منقسم نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہل علم نے اس کی وضاحت کردی ہے۔

اس کتاب میں

عقیدہ، قربانی، تصویروں، مجسموں
منتر اور تعویذ، وضو، غسل، طہارت، اذان،
نماز، زکوٰۃ، روزے، حج اور اس سے متعلقہ
مسائل، سود، بینکوں کے معاملات، وصیت،
میراث، نکاح، طلاق، پردہ، اطاعتِ والدین، غنا،
موسیقی اور معاشرتی زندگی سے متعلق متفرق
معاملات پر 270 سے زائد سوالوں کے جوابات
قرآن و حدیث کی روشنی میں مفتی اعظم سعودی
عرب نے دیئے ہیں۔ اُردو زبان میں اپنی
نوعیت کی یہ پہلی اور منفرد کتاب ہے جس
میں روز مرّہ زندگی میں پیش آنے
والے بہت سے سوالات کا
جواب موجود ہے۔